إن الدين عندالله الإسلام

الدین کا خصوصی شمارہ

عشرۂ مبشرہ رضی اللہ عنہم

بیادگار

محسنِ قوم وملت حضرت اقدس مولانا احمد حسن بھام سملکیؒ (م ۱۳۲۶ھ)

(بانی جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک)

زیر سرپرستی

حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

(شیخ الحدیث جامعہ ہذا)

مجلسِ مشاورت

حضرت مولانا احمد صاحب بزرگ سملکی (مہتمم جامعہ ہذا)

حضرت مفتی ابوبکر صاحب پٹنی (استاذ جامعہ ہذا)

حضرت مفتی معاذ صاحب بمبوی (استاذ جامعہ ہذا)

مجلسِ ادارت

عبدالعلیم امراوتی

جلال الرحمٰن پونوی

قاسم مالیگانوی

ناشر

شعبۂ تقریر وتحریر

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، سملک، گجرات

تفصیلات

کتاب کا نام:..............................(الدین) عشرۂ مبشرہ رضی اللہ عنہم

کاوش:..............................طلبۂ جامعہ ڈابھیل

زیر سرپرستی:...........حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

حسبِ ایماء:...........حضرت اقدس مولانا احمد بزرگ صاحب دامت برکاتہم

صفحات: ۶۶۰

سن اشاعت:............جمادی الاخریٰ ۱۴۳۷ھ مطابق مارچ ۲۰۱۶ء

ناشر:..............................شعبۂ تقریر وتحریر جامعہ ڈابھیل

فہرست مضامین

نمبر شمار	عناوین	مضمون نگار	صفحہ
۱	آغازِ سخن	یکے از خادمان شعبۂ تقریر وتحریر	۵
۲	کتاب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پس منظر	مفتی ابوبکر پٹنی مدظلہ	۱۴
۳	سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	ابن سید الناس	۱۷
۴	فضائل عشرۂ مبشرہ رضی اللہ عنہم	اصغر کرناٹکی	۷۷
۵	حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	عبدالرحیم کشمیری	۱۴۹
۶	حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	اسعد ایلولوی	۲۲۵
۷	حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	التمش ایلولوی	۲۸۵
۸	حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ	قاسم مالیگانوی	۳۳۳
۹	حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ	عبداللہ بلساڑی	۴۰۷
۱۰	حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ	ثناء اللہ ایم پی	۴۴۵
۱۱	حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ	زبیر بیڑوی	۴۸۹
۱۲	حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	خلیل اٹالوی	۵۴۳
۱۳	حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ	سلمان کوکنی	۵۷۵
۱۴	حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ	اسامہ جھاڑکھنڈی	۶۰۹
۱۵	الدین کی سالانہ روئداد	عبدالعلیم امراوتی	۶۵۷

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آغازِ سخن

معمارِ حرم ابراہیم علیہ السلام کے عظیم المرتبت روحانی سپوت اور دنیا و آخرت کی مقدس ترین ہستی محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک دستہائے تربیت سے اخلاقِ فاضلہ، اوصافِ حمیدہ اور اعلیٰ اخلاق و کردار کا جو شاندار و پر شکوہ محل تیار ہوا، اسے ''صحابہ'' کہتے ہیں۔

آبِ زم زم سے مزکیّٰ و مصفّیٰ قلبِ اطہر سے پھوٹنے والے جاں بازی و جاں نثاری، ایمان واخلاص، اخلاق و کردار، عزم و یقین، ایثار و قربانی، ہمدردی و غم گساری، استقامت و استقلال اور والہیت و فدائیت کے چشمے سے جو خوب صورت و معطر گلشن پھلا پھولا وہ ''اصحاب رسول عربیؐ'' کہلاتا ہے۔

آسمانِ رشد و ہدایت کے آفتابِ عالم تاب سے کسبِ ضو کر کے اپنی انوکھی و منفرد چمک دمک اور جگمگاہٹ سے ہزاروں کروڑوں گم کردۂ راہ کے رہبر و رہنما ''اصحاب محمدؐ'' کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں۔

کفارِ مکہ کا ظلم و ستم اور جبر و تشدد ہو یا منافقین و اہل کتاب کی عیاری و مکاری، ہجرت کی پُر خطر شب ہو یا شبِ زفاف کے یادگار لمحے، شعبِ ابی طالب ہو یا دارِ ارقم، بدر کا میدان ہو یا اُحد کی سنگ لاخ پہاڑیاں، خندق کا موقع ہو یا بیعتِ رضوان، امن اور دل جمعی والا پُر سکون ماحول ہو یا پتّہ پگھلا دینے والا خوف و

ہراس؛ ہردم، قدم بہ قدم، پروانوں کی سی فدائیت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہونے والے گروہ کو ''اصحاب پیمبر'' سے جانا جاتا ہے، بقول مولانا ابوالکلام آزادؒ:

دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے راہِ حق میں کیا۔ انہوں نے اس محبت کی راہ میں وہ سب کچھ قربان کر دیا جو ایک انسان کر سکتا ہے، اور پھر اس راہ میں انہوں نے وہ سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے۔

استشراقی ذہن رکھنے والے کسی انسان کے دل و دماغ میں یہ خیال گذر سکتا ہے کہ، آزادؒ تو وارفتگیٔ رسالت اور شیفتگیٔ نبوت میں یہ کہہ گیا، تو آؤ! سنو! اس کی زبانی جو دوست نہیں، دشمن کہلاتا تھا؛ اور جس مجمع میں اس نے کہا تھا وہ اپنوں کا نہیں، بیگانوں کا مجمع تھا؛ عمائدینِ قریش کی مجلس میں عروہ بن مسعود ثقفی ہی کی زبانی تو یہ شہادت نکلی تھی:

لوگو! میں نے قیصر کی شان بھی دیکھی ہے، کسریٰ کا جاہ وحشم بھی میری نظروں کے سامنے ہے، نجاشی کے پاس بھی باریاب ہوا ہوں؛ لیکن سچ کہتا ہوں کہ: محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا دربار چیزے دیگر است، نہ ان جیسا احترام دیکھا نہ ان کے ساتھیوں جیسی عقیدت کہیں نظر آئی، فرماں برداری کا یہ عالم کہ ہر کوئی اشارۂ ابرو کا منتظر، محبت ایسی کہ جان نچھاور کرنے پر ہر دم تیار، تعظیم اس طرح کہ نگاہیں جھکی

ہوئیں اور آواز پست، عقیدت بے مثال کہ وضو کا پانی بھی لوٹ کر اپنے چہروں اور جسموں پر مَل لیتے ہیں، وارفتگی کی یہ انتہا کہ لعابِ دہن تک زمین پر نہیں گرتا، منتظر پروانے اُسے بھی ہاتھوں ہاتھ لے لیتے ہیں؛ یہ کیفیت کسی دنیوی بادشاہ کے دربار میں نہیں دیکھی۔ (سیرت احمد مجتبیٰ ۳/ ۵۲)

یقیناً حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور انبیائے کرام علیہم السلام کے بعد تمام اہلِ عالم میں سب سے لائق و فائق، افضل و ارفع، محمود و منصور اور محفوظ و مامون اگر کوئی طبقہ ہے تو وہ حضرات صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہی کا ہے، اور یہ امر بھی بالکل ثابت و مسلَّم ہے کہ جس طرح تمام انبیا و رُسل میں حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اعلی وارفع مقام کے حامل ہیں اِسی طرح تمام انبیا و رُسل کے حواریین اور ساتھیوں میں صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فضیلت کے سب سے اونچے مقام پر فائز ہیں۔

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے اسی والہانہ جذبہ، جنوں کی حدوں سے بھی پار عشق و وارفتگی اور فدائیت وفنائیت پر قرآن بھی خاموش نہ رہ سکا، اور اپنے سینے میں جگہ جگہ اس مقدس گروہ کی تعریف وتوصیف کے رنگا رنگ شگفتہ پھول کھلا دیے۔ چنانچہ قرآن نے ”السابقون الاولون من المهاجرين والأنصار...... رضي الله عنهم ورضوا عنه“ اور ”لقد رضی الله عن المؤمنين“ سے اللہ جل شانہ کی رضا کا پروانہ دیا۔ ”والذين معه اشداء على الكفار.... تراهم ركعا سجدا“ سے

حضور کے ساتھ ان کی رفاقت و وفا، کفار سے سخت دشمنی، مؤمنین مخلصین سے محبت و نرم خوئی اور ان کی عبادت و ریاضت کا بہترین نقشہ کھینچا۔ "من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه" سے وفائے عہد اور جذبۂ صادق کی گواہی دی، "ولكن الله حبب إليكم الإيمان" سے ان کے اکمل و اتم ایمان و ایقان کی شہادت دی۔

"والزمهم كلمة التقوى وكانوا أحق بها وأهلها" سے ان کے پرہیز گاری و بزرگی اور اہلیتِ تقویٰ کی سند عطا فرمائی۔ "وكذلك جعلناكم أمة وسطا" کے ذریعہ ان کی انصاف پسندی اور حق گوئی و راست بازی کا اعلان فرمایا۔ غرض!!! سینۂ قرآن میں جا بجا اصحابِ رسول کی ہر ہر ادا محفوظ و مرقوم ہے۔

خود صاحبِ وحی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی بہت سے مواقع پر اپنے اصحاب کی بے شمار فضیلتیں بیان فرمائی ہیں، یہ ارشاداتِ سامی وفضائل گرامی دو قسموں پر منقسم ہو سکتے ہیں: (۱) کسی مخصوص فرد کے متعلق (۲) کسی جماعت یا گروہ کے متعلق۔

مخصوص پروانوں کے متعلق چند ارشادات گرامی ملاحظہ ہو:

ارحم امتي بامتي ابوبكر

اشدهم في امر الله عمر

اصدقهم حياءً عثمان

اقضاهم علي

أعلمهم بالحلال والحرام معاذ بن جبل

أفرضهم زيد بن ثابت

أقرؤهم أبي بن كعب

لكل امة امين و امين هذه الامة ابو عبيدة ابن الجراح

(ترمذی:۳۷۹۰۔ابن ماجہ:۱۵۴)

کسی جماعت یا گروہ کے متعلق فرمودات عالیہ کی ایک جھلک دیکھیے:

خلفائے راشدین کے متعلق فرمایا: فعليكم بسنتي و سنة الخلفاء الراشدين المهديين. (ابن ماجہ:۴۳)

اہلِ بدر کے بارے میں ارشاد فرمایا: اطلع الله على اهل بدر فقال: اعملوا ما شئتم، فقد غفرت لكم. (ابوداود:۴۶۵۴)

اہلِ بیعتِ رضوان کے متعلق فرمایا: لا يدخل النارَ احد ممن بايع تحت الشجرة. (ابوداود:۴۶۵۳)

معلمین قرآن کے متعلق فرمایا: استقرئوا القرآن من أربعة: من عبدالله بن مسعود، وسالم مولى أبي حذيفة، وأبي بن كعب، ومعاذ بن جبل (بخاری:۳۷۶۰)

اِسی طرح مختلف اشخاص و افراد اور گروہ کے بارے میں لسانِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سے فضائل وارد ہوئے، اسی کی ایک کڑی دنیا ہی میں جنت کی بشارت بھی ہے، یہ خوشخبری بھی وقتاً فوقتاً انفرادی طور پر صحابہؓ کو ملتی رہی؛ مگر ایک

موقع ایسا آیا کہ ایک طرف لسانِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حرکت تھی اور دوسری طرف شمار کرنے والے پوروے ......ایک، دو، تین، چار اور یکے بعد دیگرے جاں نثاروں کے نام آتے گئے اور اس جہانِ فانی ہی میں ۱۰ ؍فدا کارانِ نبوت دائمی جنت کی بشارت پاتے گئے: ''أبوبكرٍ في الجنةِ، وعُمرُ في الجنةِ، وعثمانُ في الجنةِ، وعليٌّ في الجنةِ، وطلحةُ في الجنةِ، والزبير في الجنةِ، وعبدُ الرحمٰنِ بنُ عوفٍ في الجنةِ، وسعدُ بن أبي وقاص في الجنةِ، وسعيدُ بنُ زيدٍ في الجنةِ، وأبوعبيدة ابن الجراح في الجنةِ''. رواه الترمذي

[مشکوٰۃ المصابیح، باب مناقب العشرۃ، الفصل الثانی]

صحابۂ کرام امت کے روشن چراغ ہیں، جس کی روشنی میں حق و باطل میں بہ آسانی تمیز ہوسکتی ہے، صحابہ ملت کے رہبر ورہنما ہیں جن کے نقشِ قدم کی پیروی نبوت کے واسطے سے بارگاہِ ایزدی میں باریابی بخشتی ہے، اصحابِ پیمبر ہدایت کے مینار ہیں جن سے گم گشتۂ راہ نشانِ منزل پاتے ہیں۔

زمانہ چاہے جس قدر ترقی کرتا جائے، چاند پر کمندیں ڈال لے، سورج کی کرنوں کو گرفتار کردے، ستاروں کو مسخر کردے، کائنات کی وسیع فضا لونڈی بن جائے؛ لیکن مسلمان کامیاب نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ صحابہؓ کے نقشِ قدم کی کامل پیروی نہ کرے۔ آج امت کے زوال اور اُس کی زبوں حالی کا سب سے اہم سبب یہ ہے کہ صحابہؓ کو پسِ پشت ڈال دیا گیا ہے، اتباع تو کجا! ان کی قابلِ رشک

زندگیوں کے حالات ہی نہیں معلوم، اور عوام کا تو کیا ذکر، خواص تک ناواقف ہیں، اور سچ پوچھیے تو حیاتِ صحابہ سے واقفیت بڑی بات ہے، ان کے اسمائے گرامی تک معلوم نہیں۔ فیا أسفاہ!!!۔

ان ہی حالات کے پیشِ نظر امسال ''شعبۂ تقریر وتحریر'' (جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل) کے زیر نگیں جداری پرچے ''الدین'' کے اراکین نے سالنامے کا عنوان ''عشرۂ مبشرہ'' طے کیا؛ تاکہ صحابہؓ کے عبرت انگیز حالات سے امت کو روشناس کرایا جاسکے، اور عملی زندگی کے لیے ان کی حیاتِ طیبہ کو اُسوہ ونمونہ بنایا جاسکے۔

چناں چہ ''الدین'' کے ماتحت اس کے لیے ایک مسابقہ ترتیب دیا گیا، جس میں عربی دوم سے لے کر افتاء تک کے طلبہ نے شرکت کی، اور تقریباً تیس۔تیس صفحات پر مشتمل چالیس مقالے موصول ہوئے، ان میں سے گیارہ مضامین کا انتخاب ہوا، آپ کے ہاتھوں میں موجود کتاب ان ہی مقالات کا ''حسین گلدستہ'' ہے۔

مقالات کی تیاری کے لیے جامعہ کے مرکزی کتب خانے سے ساٹھ ستر کتابیں چھانٹ کر طلبہ کو دی گئی تھیں، جن میں ''طبقات ابن سعد، تاریخ الاسلام للذہبی، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ'' جیسی بنیادی کتابیں بھی شامل تھیں۔ الحمد للہ طلبہ نے ان سے خوب استفادہ کیا، تمام مقالات میں حوالجات کا خصوصی

اہتمام کروایا گیا ہے۔ضرورت پڑنے پر درجات علیا کے طلبہ اور مشفق اساتذہ نے بھی خوب تعاون فرمایا۔

قارئین سے ایک اہم گزارش یہ ہے کہ: یہ مقالات ’’طالب علمانہ کاوشیں‘‘ ہیں، انھیں اسی نظر سے دیکھا اور پڑھا جائے ،اور حوصلہ افزائی وذرہ نوازی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا جائے۔ کتابِ مقدس کے سوا کونسی کتاب خامیوں اور غلطیوں سے پاک صاف ہوسکتی ہے؟ یقیناً اس کتاب میں بھی غلطیاں ہوں گی، پڑھنے والوں سے التماس ہے کہ مطلع فرما کر ممنون ومشکور فرمائیں۔

چوں کہ آسمانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نجوم وکواکبؓ کی یہ خشتِ اول ہے، آئندہ بھی اس پر سلسلہ وار کام جاری رہے گا ان شاء اللہ، مناسب معلوم ہورہا تھا کہ اِس زریں سلسلے کا آغاز سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ سے ہو، چناں چہ اس کے لیے استاذ محترم مفتی ابوبکر صاحب پٹنی دامت برکاتہم سے درخواست کی گئی،تو آپ نے ابن سید الناس کی تالیف ’’نور العیون‘‘ کا اردو ترجمہ اپنی گراں قدر تحقیق کے ساتھ عنایت فرمایا،اور راقم کے اصرار پر رسالہ کا مختصر تعارف اور پسِ منظر بھی تحریر فرمادیا،جس کو رسالے کے شروع میں ملحق کردیا گیا ہے۔فجزاہ اللہ خیراً وأحسن الجزاء.

وقت کی تنگی کے باوجود پروف ریڈنگ کا اہتمام کیا گیا ہے،گوکماحقہٗ اہتمام نہ ہوسکا،امید ہے کہ باذوق قارئین صَرفِ نظر فرما کر خورد نوازی کا ثبوت دیں گے۔

اس اہم موقع سے ہم مضمون نگار طلبہ، الدین کے اراکین، شعبے کے ذمہ داران اور جس جس نے کتاب کے کسی بھی مرحلے میں تعاون کیا ہو، اُن سب کے شکر گزار ہیں، خصوصاً حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری - ادام اللّٰہ فیوضہ علینا - اور حضرت اقدس مولانا احمد بزرگ صاحب سملکی دامت برکاتہم کے تہِ دل سے ممنون ومشکور ہیں، کہ ان کی توجہات اور عنایتوں سے کام میں بہت آسانیاں ہوئیں؛ امید کرتے ہیں کہ تادمِ آخر اِن کی گراں قدر عنایات ہم اُفتادہ پالوگوں کو ملتی رہیں گی۔

نیز استاذ محترم حضرت مفتی ابوبکر صاحب پٹنی دامت برکاتہم کے بھی بہ صمیمِ قلب ممنون ومشکور ہیں کہ، کتابت وطباعت کی گراں بار مرحلے اُن کی فکروں اور اُن کے مخلص رُفقا کی محنتوں سے پایۂ تکمیل کو پہنچے۔ اور اول وآخر خدائے بزرگ وبرتر کے حضور سجدۂ شکر بجالاتے ہیں کہ اُسی کی توفیق وعنایت سے یہ حسین گلدستہ تیار ہوسکا، اور آئندہ بھی جو کچھ ہوگا اسی کی توفیق سے ہوگا۔

دعا ہے اُس شاکر ومہربان پروردگار سے کہ: وہ اس کتاب کو شرفِ قبولیت سے نوازے، اور مزید خدماتِ علمیہ ودینیہ کے لیے موفّق فرمائے۔ آمین

دعا گو وجو:

یکے از خادمانِ شعبۂ تقریر وتحریر

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

۱۲/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۷ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کتاب ''سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کا پسِ منظر

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم!

سالِ گذشتہ ''سنن وآداب'' (مُلوّن) لبِ طباعت تھی کہ یہ داعیہ پیدا ہوا کہ: مختصراً سیرت طیبہ - علیٰ صاحبھا ألف ألف صلاۃ -ہم رشتۂ کتاب کردی جائے، اِسی دوران ایک کتاب بہ نام ''سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' دستیاب ہوئی۔

مقدمۂ کتاب سے معلوم ہوا کہ جناب عزیز ملک صاحب نے شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ کی فارسی کتاب ''سرور المحزون فی ترجمۃ العیون'' کا ترجمہ کیا ہے۔ ''سرور المحزون'' حاصل کی گئی تو پتہ چلا کہ علامہ محمد بن محمد ابن سید الناس (متوفی ۷۳۴ھ) کی کتاب ''نور العیون فی تلخیص السیر الأمین المأمون'' کا ترجمہ ہے۔ اصل کتاب تک پہنچنے کی سعی کی گئی تو بحمد اللہ ''دارالمنہاج'' -جو معیاری طباعت کے حوالے سے مشہور ہے- کے نہایت ہی عمدہ حوالجات سے مزین نسخے تک رسائی ہوگئی۔

رسالہ ''سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی دو ہی دن میں ''ادارۃ الصدیق'' کے رفیقِ کار مفتی عبداللہ صاحب مانگرولی سلمہ نے کمپوزنگ مکمل کرلی؛ لیکن اس کتاب میں کچھ اہم فروگزاشتیں نظر آئیں، تو اس کا ''سرور المحزون'' اور اصل کتاب: ''نورالعیون'' سے تقابل شروع کیا، چند ہی صفحات کے بعد اندازہ ہوا کہ یہ کام وقت طلب ہے، اور تکمیلِ مراجعت تک لوگوں کے شدید تقاضے کی وجہ سے ''سنن وآداب'' کی طباعت کو موقوف کرنا مشکل تھا؛ اس لیے یہ ارمان دل ہی دل میں رہ گیا، اور ''سنن وآداب'' زیورِ طبع سے آراستہ ہوکر منظر

عام پر آ گئی۔

حسبِ موقع تقابل ومراجعت کا کام سست رفتاری سے چلتا رہا، تا آں کہ امسال کاروانِ ''شعبۂ تقریر وتحریر'' کے مشورے سے طلبہ کے مسابقۂ تحریری کا عنوان آسمانِ رسالت کے جگمگاتے تاروں میں سے صفِ اول پر فائز، ''عشرۂ مبشرہ'' طے ہوا۔ طلبہ نے کافی ذوق وشوق اور پوری لگن سے متعین کردہ خطوط پر مضامین تحریر کیے، اور مفتی معاذ صاحب سلمہ نے پوری دل جمعی سے ان کی تصحیح کا فریضہ انجام دیا، اور حضرت مولانا احمد بزرگ صاحب دامت برکاتہم (مہتمم جامعہ اسلامیہ ڈابھیل) کے حسبِ ایماء چنندہ مضامین کو منصۂ شہود پر لانا طے ہوا۔

اس سنہرے موقع سے مناسب معلوم ہوا کہ، اس کی ابتدا آفتابِ عالم تاب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک ذکر سے کی جائے؛ البتہ اختصار وجامعیت ہاتھ سے نہ جانے پائے، اس لحاظ سے ''سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' نہایت موزوں تھی، اب تشنۂ تکمیل کام کو پورا کیے بغیر چارۂ کار نہ تھا: اس لیے اس حسین گلدستہ کو ''عشرۂ مبشرہ'' کے آغاز میں رکھ کر قارئین کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔

''سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کا تقابل ''سرور المحزون'' اور ''نور العیون'' سے کیا گیا، تو مختلف جگہوں سے تقریباً پانچویں حصہ کا ترجمہ محذوف تھا وہ پورا کر دیا گیا ہے؛ نیز کوئی صفحہ ایسا نہیں ہے کہ اس میں ناگزیر ترمیم وتصحیح نہ کی گئی ہو، بعض تسامحات تو بہت اہم تھے، ان کو یہاں ذکر کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، اصل کتاب ہی میں بلا تنبیہ ''نور العیون'' کے مطابق اصلاح کر دی گئی ہے۔

''نور العیون'' کے جدید نسخے میں حوالوں کا اہتمام کیا گیا ہے؛ اس لیے دورانِ تقابل حوالوں کو بھی اس کتاب میں شامل کرلیا گیا ہے۔

جناب عزیز ملک صاحب نے نہایت ہی عمدہ ترجمہ کیا جس کا اندازہ قارئین خود ہی کرلیں گے۔ اس کتاب کو نیا نام دے کر اس کو مُراجِع کی جانب منسوب کرنا راقم کے خیال کے مطابق مناسب نہیں تھا؛ اس لیے اس کا وہی نام رکھا گیا، تاہم اگر کسی محقق کی رائے نیا نام دیے جانے کی ہو تو ''مسمیٰ'' کے لیے یہ نام ''وضعِ ثانی'' سمجھ کر عذر خواہ کی معذرت قبول کریں گے۔

اس کتاب کو خوب سے خوب تر بنانے کی مقدور بھر سعی کی گئی ہے، اگر کوئی خوبی نظر آئے تو وہ جناب عزیز ملک صاحب کی ہے، اور اگر کسی جگہ نقص نظر آئے تو اس کا ذمہ دار یہ راقم آثم ہوگا۔ مطلع کرنے پر حق واضح ہوجانے کے بعد اِن شاء اللہ آئندہ اصلاح کردی جائے گی۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ: اس رسالے کو قبول فرما کر اپنی رضامندی اور حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفارش کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العالمین.

العبد: ابوبکر عفی عنہ پٹنی

١٢/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۷ھ

بروز سہ شنبہ بوقت شب: ١١:٣٠

سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تالیف بہ نام: نور العیون فی تلخیص السیر الأمین المأمون: ابن سید الناس

فارسی ترجمہ بہ نام: سرور المحزون فی ترجمۃ العیون: شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

اردو ترجمہ بہ نام: سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: عزیز ملک

تحقیق و نظر ثانی: ابوبکر مصطفیٰ پٹنی

فضائلِ عشرۂ مبشرہ رضی اللہ عنہم

ازقلم: محمد اصغر کرناٹکی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العٰلمين، والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين، وعلىٰ اٰله واصحابه واهل بيته اجمعين، الذين شادو الدين ومنارة الهدى واليقين.

اعوذ بالله من شيطان الرجيم، بسم اللّٰه الرحمٰن الرحيم: والسابقون الاوّلون من المهاجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان، رضي اللّٰه عنهم ورضوا عنه. صدق اللّٰه العظيم.

اللہ رب العزت نے تمام بنی نوعِ انسانی کی رشد وہدایت، دنیوی واخروی سعادت اور صلاح وفلاح کے لیے ایک جامع دستورِ حیات اور مکمل نظامِ زندگی امام الانبیاء، خاتم الرسل محمد عربی -فداہ ابی وامی- صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا اور صیانت وحفاظت، ترویج واشاعت کی ذمہ داری پوری امت کے کندھوں پر ڈالی۔ اس مقدس فریضہ کی ادائیگی کا مکلف سب سے پہلے اس برگزیدہ ومقدس جماعت کو بنایا جو تقویٰ وطہارت، خلوص وللّٰہیت، زہد وقناعت، توکّل وانابت، جود وسخا، ایثار وقربانی، امانت داری ووفا شعاری، ہمدردی وخیر خواہی، عفت وپاکدامنی، دیانت داری وجانبازی جیسے اوصافِ حسنہ وعالیہ سے آراستہ ومزین تھی۔ یہ جماعت اپنے خالص ایمان، عظیم اخلاص، دین کے تئیں اپنی بہترین خدمات اور کلمۂ الٰہی کی سربلندی کے لیے اپنے زبردست کارناموں کے سبب اس مقام پر پہنچی کہ عرش عظیم

کے رب نے اس جماعت سے اپنی ابدی رضا وخوشنودی کا اعلان اپنی زندۂ جاوید کتاب ''قرآن کریم'' میں متعدد جگہ فرمایا ''لقد رضی اللہ عن المومنین، یوم لایخزی اللہ النبی والذین اٰمنوا معه، والسابقون الاولون من المهاجرین والانصار والذین اتبعوهم باحسان رضی اللہ عنهم ورضوا عنه'' اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو دنیا ہی میں جنت کی خوش خبری سنادی، یہاں اس مقدس جماعت میں سے ان دس صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا ذکرِ خیر کیا جاتا ہے، جن کو آپ نے بیک وقت ان کے نام لے کر جنّتی ہونے کی بشارت دی تھی، جن کو ''عشرۂ مبشرہ'' کہا جاتا ہے۔

عشرۂ مبشرہ

''عشرہ'' یعنی دس اور ''مبشرہ'' یعنی خوشخبری حاصل کیے ہوئے، اس طرح پورے جملے کا مطلب ہوا ''خوشخبری حاصل کیے ہوئے دس صحابہ'' اور شریعت کی اصطلاح میں ''عشرۂ مبشرہ'' ان دس صحابہ کو کہا جاتا ہے، جن کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک ہی مجلس میں نام بہ نام جنت کی بشارت دی ہے، وہ دس حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم یہ ہیں (۱) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ (۲) عمر فاروق رضی اللہ عنہ (۳) عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ (۴) علی بن ابی طالب (۵) سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ (۶) عبد الرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف (۷) ابوعبیدہ بن جرّاح رضی اللہ عنہ (۸) طلحہ رضی اللہ عنہ بن عبید اللہ (۹) زبیر ابن عوام رضی اللہ عنہ (۱۰) سعید بن زید رضی اللہ عنہ۔

مذکورہ دس صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دنیا میں ایک ہی مجلس میں ان کے

نام لے کر جنتی ہونے کی بشارت دی تھی، حضرات خلفاء راشدین کے بعد بلند مرتبہ انہیں صحابہ رضی اللہ عنہم کا ہے، اس کا یقین رکھنا ایک مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

(عقائد اسلام از مفتی احمد بیمات: ۱۵۸)

ذیل میں ہم ان تمام کی مشترکہ فضیلت ذکر کرتے ہیں:

جامع فضیلت عشرۂ مبشرہ

عن عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: ابوبکر فی الجنة، وعمر فی الجنة وعثمان فی الجنة وعلی فی الجنة وطلحة فی الجنة والزبیر فی الجنة، وعبد الرّحمن بن عوف فی الجنة وسعد بن ابی وقاص فی الجنة وسعید بن زید فی الجنة وابو عبیدة بن الجراح فی الجنة" رواہ الترمذی ورواہ ابن ماجہ عن سعید بن زید (مشکوٰۃ المصابیح ۲/۲۵۵)

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ابوبکر رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، عمر رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، عثمان رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، علی رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، طلحہ رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، زبیر رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جنتی ہیں، سعید بن زید رضی اللہ عنہ جنتی ہیں اور ابوعبیدہ ابن الجرّاح جنتی ہیں۔

ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ اعلان وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ جمہور علمائے اہل سنت نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد ہی سے یہ سمجھا ہے کہ یہ دس حضرات باقی اصحابِ کرام رضی اللہ عنہم اور پوری امت میں افضل ہیں، اگر چہ ان

کے علاوہ اور بھی تمام حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے جنتی ہونے کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مواقع پر اطلاع دی ہے؛ لیکن ان دس حضرات کو دوسرے تمام حضرات کے مقابلہ میں امتیاز اور فضیلت حاصل ہے۔ واللہ اعلم (معارف الحدیث ۸/ ۲۷۱)

عن سعید رضی اللہ عنہ زید بن عمرو بن نفیل رضی اللہ عنہ انه قال: اشهد علی التسعة: انهم فی الجنة ولو شهدت علی العاشر لم اٰثم، قیل: و کیف ذاک؟ قال کنّا مع رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحراء، فقال: "اثبت حراء فانه لیس علیک الا نبیّ، او صدیق، او شهید" قیل: ومن هم؟ قال: رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، وابوبکر وعمر، وعثمان، وعلی، وطلحه، والزبیر، وسعد، وعبدالرحمٰن بن عوف. قیل: فمن العاشر؟ قال: انا. (ترمذی ۲/ ۲۱۶)

حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: میں نو حضرات کے بارے میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ "جنتی" ہیں اور اگر ایک دسویں آدمی کے بارے میں بھی شہادت دوں کہ وہ جنتی ہیں تو خطار کار نہ ہوں گا۔ آپ رضی اللہ عنہ سے کہا گیا: "یہ بات کس طرح؟ (یعنی آپ کس پر یہ بات فرما رہے ہیں؟ تو اس کے جواب میں) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا: کہ ہم لوگ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حراء پہاڑ پر تھے، (پہاڑ میں جنبش پیدا ہوئی، اور وہ حرکت کرنے لگا تو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "اے حراء! ساکن ہو جا! اس وقت تیرے اوپر یا تو اللہ کے نبی علیہ السلام ہیں، یا صدیق ہیں، یا شہید، اس کے بعد

حضرت سعید بن زیدؓ سے دریافت کیا گیا ''وہ کون حضرات تھے؟'' توانہوں نے بتایا: ایک خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (آپ کے علاوہ) (۲) ابو بکرؓ (۳) عمرؓ (۴) عثمانؓ (۵) علیؓ (۶) طلحہؓ (۷) زبیرؓ (۸) سعدؓ (یعنی ابن ابی وقاص) (۹) عبد الرحمٰن ابن عوفؓ'' لوگوں نے آپؓ سے کہا: بتلائیے کہ دسواں آدمی کون ہے؟ تو فرمایا: ''خود یہ بندہ''۔

جن حضرات کے اسمائے گرامی کا ذکر حضرت سعید بن زیدؓ نے کیا ہے، ان میں خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے نبی ہیں اور حضرت ابوبکر: صدیق بلکہ ''صدیقِ اکبر'' ہیں، اور حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ؛ یہ پانچوں شہید ہوئے۔ باقی حضرت عبد الرحمٰن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت سعید بن زیدؓ؛ یہ تینوں بھی بلاشبہ ''صدیقین'' میں سے ہیں۔ (معارف الحدیث ۸ / ۲۸۸)

حدیث میں مذکور یہ دس جلیل القدر صحابہؓ جنت کی بشارت کے ساتھ جو بہت زیادہ مشہور اور ممتاز ہیں، اس کی مختلف وجوہات میں سے ایک خاص وجہ یہ ہے کہ ان سب حضرات کے حق میں جنت کی بشارت ایک ساتھ ایک حدیث میں بیان فرمائی گئی ہے؛ ورنہ یہ بات نہیں کہ جنت کی اس طرح مخصوص بشارت ان کے علاوہ اور کسی کے لیے منقول نہ ہو، اوروں کو بھی اس بشارت سے نوازا گیا ہے۔

(مظاہر حق جدید ۷ / ۳۶۷)

اب ہم ذیل میں عشرۂ مبشرہ میں سے ہر ایک کے فضائل ومناقب فرداً فرداً ذکر کرتے ہیں:

فضائلِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی: عبد اللہ، کنیت: ابوبکر رضی اللہ عنہ، (کنیت ہی سے آپ رضی اللہ عنہ معروف ہیں، نام بہت کم لوگ جانتے ہیں) والد کا نام: عثمان ہے، کنیت: ابو قحافہ (آپ بھی کنیت سے جانے جاتے ہیں) لقب: صدیق اور عتیق۔ نسبت: تیمی اور قریشی۔ ولادت: ہجرت سے اکیاون سال پہلے مکہ میں۔ وفات: ۱۳ھ مدینہ میں۔ عمر: تریسٹھ سال۔ آپ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ غسل آپ رضی اللہ عنہ کی زوجۂ محترمہ اسماء رضی اللہ عنہا بنت عمیس کرائے۔ پس اہلیہ محترمہ ہی نے غسل دیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت: دو سال چار ماہ رہی۔ صدیق لقب واقعۂ معراج کی تصدیق کرنے کی وجہ سے ملا۔ آپ رضی اللہ عنہ مردوں میں سب سے پہلے ایمان لانے والے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کے بے شمار فضائل ہیں۔

(اکمال فی اسماء الرجال، حرف الباء، فصل فی الصحابہ ۵۸۳۔ تحفۃ القاری، کتاب المناقب: ۱۸۴)

آپ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی خاص آیت سورۂ توبہ کی آیت نمبر ۴۰ ہے: ”إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَى وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللَّهُ عَزِيزٌ

حَكِيمٌ (التوبہ: ۴۰) ترجمہ: اگر تم لوگ رسول اللہ کی مدد نہ کرو گے تو (اللہ آپ کی مدد کرے گا، جیسا کہ) اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد اس وقت کر چکا ہے جبکہ (اس سے زیادہ مصیبت و پریشانی کا وقت تھا جب کہ) آپ کو کافروں نے (تنگ کر کے مکہ سے) جلا وطن کر دیا تھا جب کہ دو آدمیوں میں ایک آپ تھے (اور دوسرے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے) جس وقت کہ دونوں (صاحب غار (ثور) میں (موجود) تھے جب کہ آپ اپنے ہمراہی سے فرما رہے تھے کہ تم (کچھ) غم نہ کرو! یقیناً اللہ تعالیٰ (کی مدد) ہمارے ساتھ ہے، سو (وہ مدد یہ ہوئی) کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اپنی (طرف سے) تسلّی نازل فرمائی اور آپ کو (ملائکہ) ایسے لشکروں سے قوت دی جن کو تم لوگوں نے نہیں دیکھا، اور اللہ تعالیٰ نے کافروں کی بات (اور تدبیر) نیچی کر دی (وہ ناکام رہے) اللہ ہی کا بول بالا رہا (کہ اس کی تدبیر اور حفاظت غالب رہی) اللہ زبردست حکمت والا ہے۔

(معارف القرآن ۴ / ۳۷۵)

تفسیر روح المعانی (۴ / ۹۷) میں دارقطنی وغیرہ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو کہا: ”انت صاحبی فی الغار وانت معی علی الحوض“۔

اسی طرح سورۂ نور آیت نمبر ۲۲ ”ولا یأتل اولوالفضل منکم والسّعۃ ان یؤتوا اولی القربیٰ والمساکین والمھاجرین فی سبیل اللّٰہ ولیعفوا والیصفحوا

الا تحبون ان یغفر اللّٰہ لکم واللّٰہ غفور الرحیم" میں آپؓ کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مواقع پر مختلف عنوانات سے حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت؛ بلکہ افضلیت اور امت میں ان کے امتیازی مقام کا ذکر خاص اہتمام سے فرمایا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الوفات کے موقع سے متعدد ایسی حدیثیں ارشاد فرمائیں جن سے بغیر کسی شک وشبہ کے یقین کے ساتھ معلوم ہوجاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نزدیک آپ کی امت کے افضل ترین فرد حضرت ابوبکرؓ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد آپ کی قائم مقامی یعنی خلافت کے لیے وہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں متعین تھے۔ان زبانی ارشادات کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں (جس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منجانب اللہ معلوم ہوچکا تھا کہ اسی مرض میں میری وفات مقدر ہوچکی ہے) اصرار اور تاکید کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کو اپنی جگہ امام نماز بنا کر اس طرف امت کی واضح رہنمائی بھی فرمادی تھی۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض وفات کے سلسلہ کی ان حدیثوں کے علاوہ چند اور حدیثیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت اور افضلیت کے بارے میں ذیل میں درج کی جارہی ہیں،ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات بھی ہیں اور بعض اکابر صحابہ کی شہادتیں بھی۔(معارف الحدیث ۸ / ۱۹۳)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد متصلاً بلا فصل حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہیں

عن محمد بن جبير بن مطعم عن ابيه قال: ”اتت امرأة الى النبى صلى الله عليه وآله وسلم فامرها ان ترجع اليه، ارأيت ان جئت ولم اجدك كأنها تقول الموت قال ان لم تجديني فأتي ابابكر“. (بخاری شریف ۱/۵۱۶) ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کسی معاملہ کے بارے میں اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گفتگو کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو فرمایا کہ پھر (بعد میں کبھی) آنا، اس عورت نے عرض کیا کہ یہ بتلایئے کہ اگر میں آئندہ آؤں اور آپ کو نہ پاؤں تو؟ حدیث کے راوی جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ غالباً اس عورت کا مطلب یہ تھا کہ اگر میں آئندہ آؤں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے رحلت فرما چکے ہوں، تو میں کیا کروں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر تم مجھے نہ پاؤ تو ابوبکرؓ کے پاس آجانا۔

اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد متصلاً بلا فصل حضرت ابوبکرؓ کے خلیفہ ہونے کی طرف کھلا اشارہ ہے۔ (معارف الحدیث ۸/ ۱۹۴)

امامت صغریٰ میں امامت کبریٰ کی طرف صاف اشارہ تھا

۲۹ صفر ۱۱ھ بروز دوشنبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جنازے میں بقیع تشریف لے گئے، واپسی پر راستے میں دردِ سر شروع ہوا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الموت کا آغاز تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی حالت میں گیارہ دن نماز پڑھائی، مرض

کی کل مدت ۱۳ یا ۱۴ دن تھی۔ وفات سے چار دن پہلے تک سخت تکلیف کے باوجود آپ ﷺ ہی نمازیں پڑھاتے رہے، آخری دن بھی مغرب کی نماز آپ ﷺ ہی نے پڑھائی، اور اس میں سورۃ المرسلات تلاوت فرمائی؛ لیکن وفات سے چار دن پہلے عشاء کے وقت مرض بڑھ گیا اور غشی طاری ہوگئی، جب ہوش آیا تو دریافت فرمایا: لوگوں نے نماز پڑھ لی؟'' عرض کیا گیا: نہیں! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: میرے لیے لگن میں پانی رکھو، گھر والوں نے ایسا ہی کیا، آپ ﷺ نے غسل فرمایا، مگر جب اٹھنا چاہا تو پھر آپ ﷺ پر غشی طاری ہوگئی، جب افاقہ ہوا تو دریافت کیا: ''لوگوں نے نماز پڑھ لی؟'' عرض کیا گیا: نہیں! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں، آپ ﷺ نے دوبارہ سہ بارہ غسل فرمایا؛ مگر ہر بار جب اٹھنے کا ارادہ فرماتے تو غشی طاری ہوجاتی، بالآخر آپ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو کہلوایا کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے ان ایام میں نماز پڑھائی۔ (الرحیق المختوم بحوالہ تحفۃ الالمعی ۸ / ۳۱۶)

بعض لوگ اس واقعہ سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس طرح آپ ﷺ نے اپنے بعد خلافت کا فیصلہ فرما کر حضرت ابوبکرؓ کو اپنا خلیفہ نامزد کردیا تھا؛ کیوں کہ لوگوں کو نماز پڑھانا رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کا پہلا مظہر ہے۔

حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ ﷺ کی نظر میں

بیماری کے دوران ہی ایک روز رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف لائے

اور ارشاد فرمایا: ''اللہ نے اپنے ایک بندے کو یہ حق دیا ہے کہ خواہ وہ دنیا کو اختیار کر لے خواہ آخرت کو؛ لیکن اس نے آخرت میں اللہ کے قرب کو اختیار کیا۔'' ابوبکرؓ سمجھ گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود اپنا ذکر فرما رہے ہیں، وہ زار وقطار رونے لگے، یہاں تک کہ ہچکی بندھ گئی اور انہوں نے کہا: ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ پر ہماری جانیں اور ہماری اولاد قربان ہو۔ کیا ہم آپ کے بعد زندہ رہ سکیں گے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: ''مسجد میں لوگوں کے گھروں کے جس قدر دروازے ہیں وہ بند کر دیے جائیں سوائے ابوبکرؓ کے دروازے کے''، پھر حضرت ابوبکرؓ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا: ''میں نے اپنے صحابہ میں سے ابوبکر سے افضل کسی کو نہیں پایا اور اگر بندوں میں سے کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا؛ لیکن ابوبکر سے میرا تعلق ہم نشینی، بھائی چارے اور ایمان کا ہے۔ یہاں تک کہ اللہ ہمیں اپنے پاس اکٹھا کرے''۔

(یہ روایت ابن ہشام کی ہے، یہی حدیث صحاحِ ستہ میں مختلف الفاظ سے آئی ہے)۔ (ابوبکر صدیقِ اکبر: ۶۰)

حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ محبوب تھے

عن عائشة عن عمر بن الخطاب، قال: ابوبکر رضی اللہ عنہ سیدنا و خیرنا، واحبنا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''ابوبکرؓ ہمارے سردار، ہم میں سب سے افضل اور ہم میں سب سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبوب تھے!''

حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت اور بلند مقامی کے بارے میں یہ حضرت عمرؓ کا

بیان ہے، جس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات اور ان کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طرزِ عمل کے مشاہدہ پر ہے۔ (معارف الحدیث ۸/ ۱۹۶)

یہی محبوبیت دلیلِ افضلیت ہے، چنانچہ اجماعِ امت: حضرت ابوبکرؓ افضلِ امت ہیں۔ (تحفۃ الالمعی ۸/ ۳۰۶)

غزوۂ ذات السلاسل میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو امیر بنایا، لشکر میں حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ بھی تھے، حضرت عمرو ابن عاصؓ ابھی نئے مسلمان ہوئے تھے، یہ غزوہ ۸ھ میں پیش آیا، جب غزوہ سے فائز المرام ہوکر لشکر واپس آیا تو حضرت عمرو بن عاص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کو لوگوں میں سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ آپ نے فرمایا: عائشہؓ، انہوں نے پوچھا: مردوں میں سے؟ آپ نے فرمایا: ان کے والد، انہوں نے پوچھا: پھر؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عمرؓ، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کئی آدمیوں کے نام لیے۔ (بخاری شریف ۱/ ۵۱۷، مناقب ابی بکرؓ)

بارگاہِ نبوت میں رسوخ

اسی غیر معمولی تقرب ورسوخ کی بنا پر صحابۂ کرام جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برہم دیکھتے تھے تو آپ ہی کی وساطت سے عفو ودرگذر کی درخواست پیش کرتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ابوجہل بن ہشام کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا، چوں کہ یہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرضی کے خلاف تھا؛ اس لیے جب وہ بارگاہِ نبوت

میں حاضر ہوئے تو روئے انور پر برہمی کے آثار نمایاں تھے، یہ دیکھ کر حضرت علیؓ باہر چلے آئے اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر پھر حاضرِ خدمت ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا تو چہرۂ مبارک ہشاش بشاش ہو گیا اور برہمی کے آثار جاتے رہے۔

حضرت ابوبکرؓ کی رازداری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی راز کو بھی کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو اپنی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کا پیغام دیا، سن کر خاموش رہے اور جب کچھ دنوں بعد وہ حرم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں داخل ہو گئی تو حضرت عمرؓ سے ملاقات کر کے کہا: ''شاید تم کو میری خاموشی ناگوار ہوئی ہوگی''۔ بولے کیوں نہیں! فرمایا: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادہ سے آگاہ تھا اور اس راز کو قبل از وقت ظاہر نہیں کر سکتا تھا۔ (بخاری شریف، کتاب المغازی، غزوۃ البدر، ۲/۵۷۱۔ سیر الصحابہ ۱/۷۴)

حضرت ابوبکرؓ جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ایک موقع پر) ارشاد فرمایا: کہ جبرئیل امین میرے پاس آئے، میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جنت کا دروازہ دکھلایا جس سے میری امت جنت میں داخل ہوگی۔ حضرت ابوبکرؓ نے (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سن کر عرض کیا کہ) حضور! میرے دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ میں بھی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہوتا اور میں بھی اس دروازہ کو

دیکھتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ابوبکر! تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ میری امت میں سب سے پہلے تم جنت میں داخل ہوگے۔

بلاشبہ یہ اس کی روشن دلیل ہے کہ امت میں سب سے افضل اور عالی مرتبت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔ (معارف الحدیث: ۸/ ۱۹۶)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو فرشتے جنت کے ہر دروازے سے بلائیں گے

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص اللہ کی راہ میں جوڑا یا بار بار خرچ کرتا ہے اس کو جنت کے (متعدد) دروازوں سے بلایا جائے گا، اے بندۂ خدا! یہ دروازہ تیرے لیے بہتر ہے، پس جو شخص نمازیوں میں سے ہوگا اس کو نماز کے دروازے سے بلایا جائے گا اور جس کو جہاد سے دلچسپی ہوگی اس کو جہاد کے دروازے سے بلایا جائے گا اور جس کو صدقہ سے دلچسپی ہوگی اس کو صدقہ کے راستہ سے بلایا جائے گا اور جس کو روزوں سے دلچسپی ہوگی اس کو سیرابی کے دروازہ سے بلایا جائے گا۔ پس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اگر کوئی ان میں سے کسی بھی دروازہ سے بلایا جائے تو کچھ ضرورت نہیں یعنی کافی ہے، مگر کیا کوئی ایسا شخص بھی ہوگا جسے سبھی دروازوں سے بلایا جائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں! اور مجھے امید ہے: تم اس میں سے ہو۔ (بخاری شریف ۱/ ۵۱۷)

فائدہ: سابقین میں سے جو لوگ بلند پایہ ہیں ان کے لیے نیکوکاری اور اعمالِ صالحہ کی زیادتی دو، تین، چار دروازے بھی کھول لے گی اور وہ قیامت کے

دن متعدد دروازوں سے بلائے جائیں گے، ادھر حضرت صدیق اکبرؓ سے تو یہ وعدہ کیا گیا ہے کہ ان کو جنت کے سبھی دروازوں سے بلایا جائے گا۔

"والکمل من السابقین یفتح علیھم الا حسان من با بین، وثلاثہ، واربعۃ فیدعون یوم القیامۃ منھا، وقد وعد بذلک ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ. (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵۰-۴/۴۹)

فضائل ابو بکر صدیقؓ بشکل نظم

وہی صدیق پہلا مومنِ وحیٔ رسالت ہے
وہی دنیا میں پہلا حافظِ ختمِ نبوت ہے
وہی صدیقِ اکبر جو رفیقِ غار وہجرت ہے
نبی کے جاں نثاروں میں وہ معیارِ صداقت ہے
اسی کے نام محرابِ نبوت کی امامت ہے
کہ جس کا سارا سرمایہ محمد کی محبت ہے
نبی کے بعد امت کے لیے پہلی قیادت ہے
مشیت سایہ فگن جس پہ ہے ایسی امامت ہے
وہ سابق بھی ہے اول بھی ہے تصدیقِ رسالت میں
کہ ہر ایک خیر کا اعزاز گویا اس کی قسمت ہے

اسی کے خوف سے لرزاں ہیں بت جھوٹی نبوت کے
وہ سارے من گھڑت اوہام کے حق میں قیامت ہے
احد ہو، بدر ہو، خندق ہو، طائف ہو، کہ مکہ ہو
وہ ہر ایک معرکہ میں حق کا عنوانِ شجاعت ہے
وہ جان ومال کے ایثار میں معیارِ حق ٹھہرا
کہ جس کا گھر کا گھر حق کے لیے مصروفِ خدمت ہے
روانہ کرنے والا وہی جیشِ اسامہ کا
کہ جس کے ہاتھ سے واہونے والا بابِ نصرت ہے
محمد کی غلامی کا شرف ایسا ملا اس کو
کہ زیرِ گنبدِ خضریٰ بھی حاصل اس کو قربت ہے
وہ برقِ اماں ہے خرمنِ الحاد کے حق میں
وہی جو اہل ایماں کے لیے ایک ابرِ رحمت ہے
کتاب اللہ کی تدوین کا اعزاز کہتا ہے
کہ قرآن کی حفاظت میں وہ ایک دستِ مشیت ہے
ہے جس کی ہر ادا اخلاص کا تابندہ افسانہ
اسی نقشِ وفا کے واسطے نذرِ عقیدت ہے

امامِ اہلِ حق کی بارگاہِ صادقیت میں	
قصیدہ منقبت کا سرو لے کر پیشِ خدمت ہے	

(ابوبکر صدیق اکبر:۳)

فضائل حضرت عمرؓ فاروق

نام نامی: عمر۔ کنیت: ابوحفص۔ والد کا نام: خطاب۔ نسبت: قرشی، عدوی، ولادت: ہجرت سے چالیس سال پہلے۔ وفات: ۲۳ھ۔ نبوت کے پانچویں سال اور ایک قول کے مطابق چھٹے سال اسلام قبول کیا۔ آپ کے اسلام لانے سے اسلام کو قوت حاصل ہوئی، اور حق و باطل کھل کر سامنے آ گیا؛ اس لیے آپ کا لقب ''فاروق'' رکھا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے ہیں۔ کل عمر: تریسٹھ ۶۳ سال، مدتِ خلافت: ساڑھے دس سال۔

(اکمال فی اسماء الرجال:۶۰۲)

حضرت عمرؓ کو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مانگا

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ ان رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: ''اللهم اعز الاسلام باحب هٰذين الرجلين اليک بابی جهل او بعمر بن الخطاب، قال: وكان أحبهما إليه عمر. (ترمذی ۲/۲۰۹)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی کہ اے میرے اللہ! اسلام کو عزت اور قوت عطا فرما ابوجہل کے ذریعہ یا عمر بن

خطاب کے ذریعہ اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک ان دونوں میں زیادہ محبوب عمرؓ تھے۔ تقدیرِ الٰہی میں یہ سعادت حضرت عمرؓ کے لیے مقدر ہو چکی تھی، ان کے حق میں دعا قبول ہوگئی اور ان کو توفیق مل گئی، پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے جو کام لیا خاص کر خلافت کے دس سالوں میں وہ بلا شبہ امت میں ان کا اور صرف ان کا حصہ ہے۔

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے سے اسلام اور مسلمانوں کو بڑی قوت حاصل ہوئی۔ حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: ہم خانۂ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے پر قادر نہ تھے؛ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے اسلام قبول کیا۔ حضرت صہیبؓ کہتے ہیں: حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو اسلام پردے سے باہر آیا، اس کی علی الاعلان دعوت دی گئی، ہم حلقے بنا کر بیت اللہ کے گرد بیٹھے، بیت اللہ کا طواف کیا۔

(معارف الحدیث ۸ / ۲۰۷)

حضرت عمرؓ محدَّث (ملہم) تھے

عن ابی ہریرۃ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: لقد کان فیما کان قبلکم من الامم ناس، محدثون فان یکن فی امتی احد فانہ عمر. (مسلم ۲/۲۷۶)

حضرت ابو ہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم سے پہلی امتوں میں محدث یعنی ایسے لوگ ہوتے تھے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کی نعمت سے خاص طور پر نوازے جاتے تھے، اگر میری امت میں سے کسی کو

اس نعمت سے خاص طور پر نوازا گیا تو وہ عمرؓ ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ اگلی امتوں میں ایسے لوگ ہوتے تھے اور میری امت میں اگر کسی کو اللہ تعالیٰ نے اس خصوصیت کے ساتھ نوازا ہے تو وہ عمرؓ ہیں۔ حدیث کے الفاظ سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بارے میں شک وشبہ تھا، آپ کی امت جب خیر الامم اور اگلی امتوں سے افضل ہے تو ظاہر ہے کہ اس میں بھی ایسے خوش نصیب بندے ہوں گے جو کثرتِ الہامات کی نعمت سے نوازے جائیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد کا مقصد ومدعا اس بارے میں حضرت عمرؓ کی خصوصیت اور امتیاز سے لوگوں کو آگاہ کرنا ہے اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے بارے میں حضرت عمرؓ کو تخصص وامتیاز حاصل تھا۔ (معارف الحدیث ۸ / ۲۰۳)

"والسبب فی تخصیص عمر رضی اللہ عنہ بالذکر لکثرۃ ماوقع له فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من الموافقات التی نزل القراٰن مطابقاً لها". (فتح الباری ۷/ ۵۱)

مذکورہ حدیث میں خصوصیت سے حضرت عمرؓ کے ذکر کرنے کا سبب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بہت ساری باتوں میں قرآن کریم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق اترا۔

حضرت عمرؓ کے قلب ولسان پر ہمیشہ حق بات

عن ابن عمر ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: "ان اللہ جعل الحق علی

لسان عمر وقلبه“ (ترمذی ۲/۲۰۹) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کی زبان پر اور اس کے قلب میں حق رکھ دیا ہے۔

اس روایت کا حاصل اور مدعا یہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ کے بارے میں ارشاد فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جن خاص انعامات سے نوازا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ ان کے دل میں جو کچھ آتا ہے اور جو کچھ وہ زبان سے کہتے ہیں، وہ حق ہی ہوتا ہے، وہ حق ہی سوچتے اور حق ہی بولتے ہیں۔ بلاشبہ یہ ان پر خصوصی انعام تھا۔ (معارف الحدیث ۸/ ۲۰۴)

حکمِ خداوندی حضرت عمرؓ کی موافقت میں

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے تین باتوں میں اپنے خداوند تعالیٰ سے موافقت کی: مقام ابراہیم کے بارے میں، پردے کے مسئلہ میں اور غزوۂ بدر کے قیدیوں کے مسئلہ میں۔ (مسلم شریف ۲/ ۲۷۶)

واقعہ یہ ہے کہ ذخیرۂ احادیث میں کم از کم پندرہ ایسے واقعات کا ذکر ملتا ہے کہ کسی مسئلہ میں حضرت عمرؓ کی ایک رائے ہوئی یا ان کے قلب میں داعیہ پیدا ہوا کہ کاش اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم آجاتا تو وہی حکم وحی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آ گیا۔ اس حدیث میں ان میں سے صرف تین کا ذکر کیا گیا ہے: ایک مقامِ ابراہیم سے متعلق حکم کا، دوسرے پردے کے بارے میں، تیسرے غزوۂ بدر کے

قیدیوں کے بارے میں ؛جس کی مختصر تشریح یہ ہے کہ ''مقامِ ابراہیم'' وہ پتھر ہے جس پر حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کے قدمِ مبارک کا بطور معجزہ نشان پڑ گیا تھا اور جس کو تعمیرِ بیت اللہ کے وقت آپ علیہ السلام نے استعمال کیا تھا۔(معارف القرآن ۱/ ۲۶۵)

وہ پتھر اسی زمانہ سے محفوظ چلا آرہا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے تک خانۂ کعبہ کے قریب ہی میں ایک جگہ کھلا رکھا رہتا تھا، بعد میں اس کو عمارت میں محفوظ کر دیا گیا، اب وہ جس شکل میں محفوظ ہے وہ مرحوم و مغفور شاہ فیصل بن عبدالعزیز سعود کے دورِ حکومت کی یادگار ہے۔

حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ خواہش ظاہر کی کہ کاش! ایسا ہو کہ مقامِ ابراہیم کو خصوصیت سے نماز کی جگہ قرار دے دیا جائے تو سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۳۵ نازل ہوئی اور اس میں حکم آ گیا'' واتخذوا من مقام ابراھیم مصلی'' اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنالیا کرو۔آیت کا سہل الفہم مطلب یہ ہے کہ طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں وہ مقامِ ابراہیم کے پاس پڑھی جائیں۔

دوسرا مسئلہ حجاب یعنی پردے سے متعلق ہے، جب تک مستورات کے لیے حجاب یعنی پردے کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، عام مسلمانوں کی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھروں میں بھی بضرورت صحابۂ کرامؓ کی آمد و رفت ہوتی تھی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے یہ داعیہ پیدا فرمایا کہ خاص کر ازواج مطہرات کے لیے حجاب کا خصوصی حکم آجائے، چنانچہ اس بارے میں آیت نازل ہوگئی:

”واذا سئلتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب“. (الاحزاب:۵۴)

تیسری بات یہ کہ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور مشرکین کی شکست کے بعد ان کے جو آدمی گرفتار کر کے قیدی بنائے گئے ان کے متعلق میرے رائے یہ تھی کہ یہ سب اسلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اور مسلمانوں کے جانی دشمن اور اکابر مجرمین ہیں، ان سب کو قتل کر دیا جائے، ان کو زندہ چھوڑنا ایسا ہی ہے جیسے زہریلے سانپوں کو زندہ چھوڑنا؛ لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر رحم دلی کا غلبہ تھا، ان کی رائے فدیہ لے کر چھوڑنے کی ہوئی اور اسی پر عمل کیا گیا، بعد میں سورۂ انفال کی وہ آیات نازل ہوئیں، جو میری رائے کے مطابق تھیں۔

یہاں پر یہ بات خاص طور پر قابلِ لحاظ ہے کہ واقعہ یہ تھا کہ ان تینوں مسئلوں میں وحیٔ الٰہی نے حضرت عمرؓ کی موافقت کی تھی؛ لیکن حضرت عمرؓ نے از راہِ ادب اس کو اس طرح تعبیر کیا کہ میں نے حکمِ خداوندی کی موافقت کی تین مسئلوں میں۔ بلاشبہ یہ حسنِ ادب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی تعلیم و تربیت اور فیضِ صحبت کا نتیجہ تھا۔ (معارف الحدیث ۸/۲۰۶)

حضرت عمرؓ دین داری میں بلند پایہ تھے

عن ابی سعید الخدری، قال: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: ”بینا انا نائم رأیت الناس عرضوا علیّ وعلیھم قمص منھا مایبلغ الثدی ومنھا مایبلغ دون ذلک وعرض علی عمر وعلیہ قمیص اجترہ“ قالوا: فما اولتہ؟ یا

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! قال: الدین". (بخاری شریف ۱/ ۵۲۱)

میں نے خواب میں لوگوں کو دیکھا: وہ میرے سامنے پیش کیے جارہے ہیں، دراں حالیکہ انہوں نے کرتے پہن رکھے ہیں، کسی کا کرتا سینے تک پہنچا ہوا ہے کسی کا اس سے نیچے تک، اور میرے سامنے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ پیش کیے گئے، دراں حالیکہ انہوں نے ایک ایسا کرتا پہن رکھا ہے جس کو وہ گھسیٹ رہے ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ نے اس کی تعبیر کیا لی؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: دینداری۔

خواب میں جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے پیش کیے گئے تھے وہ بظاہر امت کے مختلف طبقات اور درجات کے لوگ تھے، کچھ وہ تھے جن کے دین میں مختلف درجات کا نقص تھا اور ان میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے جن کا دین بہت کامل تھا، وہ سراپا دین تھے، ان کا دین ان کی اپنی ہستی سے بھی زیادہ تھا۔

(معارف الحدیث ۸/ ۲۰۹)

یہاں یہ اشکال ہوسکتا ہے اس حدیث سے یہ لازم آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ "عرض علی الناس" میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے اس کی کیا دلیل ہے؟ ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس منظر میں نہ ہوں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ "حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بدن پر اتنا لمبا کرتا تھا کہ وہ گھسیٹ کر چلتے تھے" اس سے

یہ لازم نہیں آتا کہ ''حضرت ابوبکرؓ کے بدن پر اس سے بھی زیادہ لمبا کرتا نہ ہو، ہوسکتا ہے کہ ہو؛ لیکن یہاں پر صرف حضرت عمرؓ کی فضیلت بیان کرنا مقصود ہو، اسی لیے صرف اسی پر اکتفا کیا ہو۔ (فتح الباری ۷/ ۵۱)

ایک جواب یہ بھی ہے کہ یہ جزوی فضیلت ہے جو کلی فضیلت کے معارض نہیں ہوتی، جیسے زید دورۂ حدیث میں اول نمبر سے کامیاب ہوا، مگر بکر کے ترمذی میں ۵۰ نمبر ہیں اور زید کے ۴۵۔ پس ترمذی کے نمبرات کے اعتبار سے بکر کو فضیلت حاصل ہے؛ مگر یہ جزوی فضیلت ہے، اور مجموعی فضیلت کے اعتبار سے زید اول آیا ہے یہ کلی فضیلت ہے۔ (تحفۃ القاری ۱/ ۲۳۲)

حضرت عمرؓ علم میں بھی بلند پایہ تھے

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خواب دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس دودھ کا پیالہ لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو نوش فرمایا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ سیرابی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناخنوں تک میں محسوس ہو رہی ہے یعنی آپ کا رواں رواں سیراب ہو گیا، پس آپ نے بچا ہوا دودھ حضرت عمرؓ کو عنایت فرمایا، صحابہؓ نے پوچھا: اس کی تعبیر کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: علم۔ (بخاری شریف ۱/ ۵۲۰)

دودھ اور علم میں یہ مناسبت ہے کہ دودھ اور علم کثیر النفع ہیں، دودھ جسمِ انسانی کے لیے بہترین نافع غذا ہے، اسی طرح علمِ حق جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہو، روح کے لیے بہترین اور نافع غذا ہے۔

علمائے عارفین نے کہا ہے کہ علمِ حق کی صورتِ مثالیہ دوسرے عالم میں دودھ کی ہے، جو شخص خواب دیکھے کہ اس کو دودھ پلایا جارہا ہے اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کو علمِ نافع عطا ہوگا۔ (معارف الحدیث ۸ / ۲۰۸)

مذکورہ حدیث میں علم سے مراد سیاسی علم ہے، حضرت عمرؓ کو اس میں خصوصیت حاصل ہے، بہ نسبت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے؛ اس لیے کہ آپؓ کی خلافت کا زمانہ بہ نسبت حضرت ابوبکرؓ کے بہت لمبا رہا، اور حضرت عثمانؓ کی بہ نسبت بھی خصوصیت حاصل ہے؛ اس لیے کہ لوگ آپؓ (حضرت عمرؓ) کی اتباع پر متفق تھے بہ نسبت حضرت عثمان کے۔ (فتح الباری ۷ / ۴۶)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو عطا فرمائے ہوئے علمِ حق میں حضرت عمرؓ کا خاص حصہ تھا اور حضرت صدیق اکبرؓ کے بعد جس طرح دس سال انہوں نے خلافت اور نبوت کی نیابت کا کام انجام دیا اور جس طرح امت کی رہنمائی فرمائی وہ اس کی دلیل اور شہادت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علمِ حق سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے ازالۃ الخفاء میں فاروق اعظمؓ کے علمی کمالات پر جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ اہلِ علم کے لیے قابل دید ہے، اس کے مطالعہ سے اس بارے میں فاروق اعظمؓ کے امتیاز اور انفرادیت کو پوری طرح سمجھا جاسکتا ہے۔

(معارف الحدیث ۸ / ۲۰۸)

جس گلی سے حضرت عمرؓ گذرتے تھے شیطان وہ گلی چھوڑ دیتا تھا

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص بیان کرتے ہیں: حضرت عمرؓ نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت مانگی، آپ کے پاس قریش کی عورتیں تھیں، یعنی آپ کی بیویاں تھیں، وہ آپؐ سے کسی معاملہ میں بات کررہی تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی چیز کی زیادتی کا مطالبہ کررہی تھیں، ان کی آوازیں بلند ہورہی تھیں، پس جب حضرت عمرؓ نے اجازت مانگی وہ سب اٹھ کر پردہ میں چلی گئیں، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو اجازت دے دی، وہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس رہے تھے، حضرت عمرؓ نے کہا، اللہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خوش رکھے اے اللہ کے رسول! آپ کیوں ہنسے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے حیرت ہوئی ان عورتوں پر جو میرے پاس تھیں، جب انہوں نے آپ کی آواز سنی تو وہ ایک دم پردہ میں چلی گئیں، حضرت عمرؓ نے کہا: آپ اے اللہ کے رسول! زیادہ حق دار تھے کہ وہ آپ سے ڈرتیں، پھر حضرت عمرؓ نے کہا: اے اپنی ذات کی دشمنو! کیا تم مجھ سے ڈرتی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہیں ڈرتیں! انہوں نے جواب دیا: تم سخت مزاج ہو، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے نہیں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، کبھی کسی کشادہ گلی میں شیطان آپ سے ملاقات کرتا ہے تو وہ اس گلی کو چھوڑ کر دوسری گلی اختیار کرتا ہے۔ (بخاری شریف ۱/ ۵۲۰)

''فيه فضيلة عظيمة لعمر رضي الله عنه''. (فتح الباری ۷/ ۴۷)

حضرت بریدہؓ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کسی غزوہ میں تشریف لے گئے جب لوٹ کر واپس آئے تو ایک کالی حبشی باندی آئی، اس نے کہا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو صحیح سلامت واپس لائیں، تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے ڈفلی بجاؤں گی اور اشعار پڑھوں گی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''اگر تو نے نذر مانی ہے تو بجالے؛ ورنہ نہیں'' پس وہ بجانے لگی، پھر حضرت ابوبکرؓ آئے اور وہ بجاتی رہی، پھر حضرت علیؓ آئے اور وہ بجاتی رہی، پھر حضرت عثمانؓ آئے اور وہ بجاتی رہی، پھر حضرت عمرؓ آئے تو اس نے ڈفلی اپنی سرین کے نیچے کر لی، اور اس پر بیٹھ گئی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''اے عمر! شیطان یقیناً آپ سے ڈرتا ہے'' میں بیٹھا تھا اور وہ بجا رہی تھی، پھر ابوبکرؓ آئے وہ بجاتی رہی، پھر علیؓ آئے اور وہ بجاتی رہی، پھر عثمانؓ آئے اور بجاتی رہی، پھر اے عمر! جب تم آئے تو اس نے ڈفلی چھپالی''۔ (ترمذی ۲/ ۲۱۰)

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تشریف فرما تھے کہ ہم نے شور وغل اور بچوں کی آواز سنی، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کھڑے ہوئے تو ایک حبشی عورت کھیل رہی تھی اور اس کے اردگرد بچے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہؓ! آؤ دیکھو!'' پس میں آئی اور میں نے اپنے جبڑے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مونڈھے پر رکھ دیے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مونڈھے اور سر کے درمیان سے دیکھنے لگی، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ''کیا تمہارا پیٹ نہیں

بھرا'' میں نے کہا: نہیں، پھر کچھ وقت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کیا تمہارا پیٹ نہیں بھرا''؟ میں کہتی رہی: نہیں! تا کہ میں اپنا مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر میں دیکھوں۔ پس اچانک حضرت عمرؓ نکل آئے تو لوگ اس کے پاس سے تتر بتر ہو گئے، پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''میں شیاطین الانس والجن کو دیکھ رہا ہوں کہ وہ عمر کی وجہ سے بھاگے جا رہے ہیں'' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: پس میں بھی لوٹ گئی۔ (ترمذی ۱/ ۲۱۰)

شیاطین جن چیزوں سے بھاگتے ہیں: ان کی اہمیت ظاہر ہے، وہ اذان اور اقامت سن کر بھاگتے ہیں، اس سے ان دونوں کی اہمیت واضح ہوتی ہے، پس جب شیاطین الجن ہی نہیں، شیاطین الانس بھی حضرت عمرؓ کو دیکھ کر بھاگتے ہیں تو اس سے آپؓ کی اہمیت وفضیلت ثابت ہوتی ہے۔ (تحفۃ الالمعی ۸/ ۳۳۲)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت عمرؓ سے بے تکلفی

حضرت عبداللہ بن ہشامؓ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں: ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عمرؓ کا ہاتھ پکڑ کر چل رہے تھے۔ (بخاری شریف ۱/ ۵۲۲) یہ نہایت درجہ محبت اور بے تکلفی کی دلیل ہے۔ (تحفۃ الالمعی ۷/ ۲۱۵)

حضرت عمرؓ راہِ خدا میں شہید ہوئے

حضرت انسؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احد پہاڑ پر چڑھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ صدیق اور عمر بن خطاب اور عثمان

بن عفانؓ بھی تھے، اچانک پہاڑ جنبش کرنے لگا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا پیر اس پر مارااور کہا: ''احد! ٹھہر جا! تیرے اوپر نبی، صدیق اور دو شہید ہیں''۔ (ترمذی)

حضرت عمرؓ دعا کرتے تھے: ''الٰہی! مجھے اپنے راستے میں شہادت نصیب فرما، اور میری موت مدینۃ الرسول میں مقدر فرما۔ چنانچہ حضرت مغیرہؓ کے مجوسی غلام ابولؤلؤ نے فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے آپؓ پر خنجر سے وار کیا اور ایسا کاری زخم لگایا کہ آپؓ اس سے جانبر نہ ہوسکے اور تین دن بعد وفات پاکر جوارِ رسول میں مدفون ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر پر بے پایاں رحمت کی بارش فرمائیں۔ (آمین)

(تحفۃ الالمعی ۸/۳۳۶)

حضرت عمرؓ کے اور بہت سارے فضائل ہیں۔ جیسے جنت میں حضرت عمرؓ کا محل ہونا۔ (بخاری ۱/۵۲۰) حضرت علیؓ کا حضرت عمرؓ جیسے اعمال کی تمنا کرنا۔ (بخاری ۱/۵۲۰) حضرت عمرؓ کو جنت کی بشارت ملنا وغیرہ۔

ابوبکر و عمرؓ افضل امّت کیوں ہیں؟

ابوبکرؓ و عمرؓ کی بدگوئی کرنے والے کا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ تعلق نہیں۔ (ترمذی ۲/۲۰۹) قوت ایمانی میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر و عمرؓ کو اپنے ساتھ لیا۔ (ترمذی ۲-۲۱۰)

امت کے قابلِ اعتبار تمام علما اس پر متفق ہیں کہ افضلِ امت حضرت ابوبکرؓ ہیں، پھر حضرت عمرؓ فاروق، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کارِ نبوت کے دو بازو

ہیں: ایک اللہ تعالیٰ سے دین حاصل کرنا، دوسرا: لوگوں میں اس کو پھیلانا۔ ظاہر ہے کہ اللہ سے دین حاصل کرنے میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کوئی شریک نہیں؛ البتہ دین کی اشاعت کے لیے تدبیر و تالیف ضروری ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بھی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد بھی اس معاملہ میں پیش پیش رہے۔ فجزاهما الله عن امة محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احسن الجزاء۔ (آمین) (رحمۃ اللہ الواسعہ ۵/ ۶۷۷)

فضائل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان

اسم گرامی: عثمان۔ والد کا نام: عفان۔ کنیت: ابوعبداللہ۔ لقب: ذوالنورین۔ قبیلہ: اموی، قریشی۔ ولادت: مکہ میں ہجرت سے ۴۷ سال پہلے، شہادت مدینہ میں ۳۵ھ میں۔

بالکل ابتدا میں اسلام قبول کرنے والوں میں سے تھے، حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت فرمائی۔ غزوۂ بدر میں شرکت نہیں فرمائی؛ اس لیے کہ حضرت رقیہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیمار تھیں، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی تیمارداری کے خاطر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس چھوڑ دیا؛ لیکن غزوۂ بدر میں حاصل ہونے والی غنیمت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے ایک حصہ متعین فرمایا: بیعتِ رضوان کے موقع پر حاضر نہیں تھے؛ اس لیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صلح کے لیے مکہ بھیج دیا تھا؛ لیکن جب بیعت ہوئی تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ہاتھ دوسرے ہاتھ پر مارا اور فرمایا: یہ عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف

سے ہے۔

حضرت عثمانؓ جنت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیق ہوں گے

حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''لکل نبی رفیق فی الجنة، ورفیقی فیھا عثمان بن عفان'' ہر نبی کے لیے جنت میں کوئی ساتھی ہوگا اور میرا ساتھی جنت میں عثمانؓ بن عفان ہے۔ (ترمذی ۲/۲۱۰)

بلاشبہ یہ حضرت عثمانؓ کی بہت بڑی فضیلت ہے، اور نبی کا اس طرح کہنا ورفیقی فیھا عثمان بن عفان ان سے محبت کی علامت ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو جنت کی بشارت دی

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے، انہوں نے بیان فرمایا: کہ میں مدینہ کے ایک باغ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھا کہ ایک شخص آئے اور انہوں نے دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کہ ان کے لیے دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی بشارت دو، میں نے ان کے لیے دروازہ کھول دیا تو دیکھا کہ ابوبکرؓ ہیں، میں نے ان کو جنت کی بشارت دی، اس پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی حمد کی۔ پھر ایک اور شخص آئے اور انہوں نے بھی دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ان کے لیے دروازہ کھول دو اور ان کو جنت کی خوش خبری دو، میں نے ان کے لیے دروازہ کھول دیا تو دیکھا کہ عمرؓ ہیں، میں نے ان کو وہ بتلا دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا تو انہوں نے اللہ کی حمد کی۔ پھر اور ایک شخص نے

دروازہ کھلوانا چاہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: ان کے لیے بھی دروازہ کھول دو، اوران کو جنت کی خوش خبری دو ایک بڑی مصیبت پر جوان کو پہنچے گی، میں نے دروازہ کھولا تو دیکھا کہ وہ عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، میں نے ان کو وہ بتلا دیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا تو انہوں نے اللہ کی حمد کی اور کہا: اللّٰہ المستعان. (بخاری ۱/ ۵۲۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خود نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تسلی دی

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دوسری صاحب زادی (ام کلثوم) کا انتقال ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: اے عثمان! اگر میری دس بیٹیاں ہوتیں تو میں یکے بعد دیگرے تم سے نکاح کر دیتا؛ کیوں کہ میں تم سے بہت راضی اور خوش ہوں۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی وفات پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو غیر معمولی صدمہ تھا، اس کی تعزیت اور تسلی و تسکین کا یہ بہترین طریقہ تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شانِ کریمی اور خلقِ عظیم کے عین مطابق تھا۔ (معارف الحدیث ۸/ ۲۳۶)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ذی النورین کا لقب من جانب اللہ تھا

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے بذریعۂ وحی حکم دیا کہ اپنی دونوں عزیز بیٹیوں کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کروں۔ (ابن عدی، دار قطنی، ابن عساکر بحوالہ معارف الحدیث ۸/ ۲۳۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے

ساتھ پہلے اپنی صاحبزادی حضرت رقیہؓ کا نکاح بھی اللہ کے حکم سے کیا تھا اور ہجرت کے دوسرے سال ان کی وفات کے بعد دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ کا نکاح بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ بذریعۂ وحی ملنے والے حکمِ خداوندی سے ہی کیا تھا۔(معارف الحدیث ۸/ ۲۳۵)

مالی ایثار

حضرت عبدالرحمٰن بن خبابؓ کہتے ہیں: میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس موجود تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوۂ تبوک کے لیے سامان تیار کرنے کی ترغیب دے رہے تھے، پس حضرت عثمانؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: میرے ذمہ راہِ خدا میں سو اونٹ ہیں، ان کے ٹاٹوں اور کجاؤں کے ساتھ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر لشکر کا سامان تیار کرنے کی ترغیب دی، تو حضرت عثمانؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے ذمہ راہِ خدا میں دوسو اونٹ ہیں ان کے ٹاٹوں اور کجاؤں کے ساتھ، پھر تیسری مرتبہ لشکر کے لیے سامان فراہم کرنے کی ترغیب دی، تو حضرت عثمانؓ کھڑے ہوئے، اور عرض کیا: میرے ذمہ راہِ خدا میں تین سو اونٹ ہیں ان کے ٹاٹوں اور کجاؤں کے ساتھ، پس میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ منبر سے یہ فرماتے ہوئے اترے: ”ما علیٰ عثمان ما عمل بعد“ اس کے بعد عثمانؓ جو کریں گے اس کا ضرر ان کو نہیں پہنچے گا!۔(ترمذی ۲/ ۲۱۱)

اور ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہؓ بیان کرتے ہیں:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نبیٔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک ہزار دینار لائے، جب انہوں نے جیش عسرہ کے لیے سامان تیار کیا: یعنی چندہ دیا پس اس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں پھیلا دیا۔عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو اپنی گود میں پلٹ رہے تھے اور فرما رہے تھے: ماضر عثمان ماعمل بعد الیوم، آج کے بعد عثمان جو کچھ کریں گے اس کا ضرر ان کو نہیں پہنچے گا۔ یہ بات دومرتبہ فرمائی۔(ترمذی ۲/۲۱۱)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس لشکر کی امداد واعانت میں سب سے زیادہ حصہ لیا، حضرت عبدالرحمٰن بن خباب کی مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ترغیب پر انہوں نے چھ سو اونٹ مع ساز وسامان کے پیش کیے۔

شارحینِ حدیث نے بعض دوسری روایات کی بنیاد پر لکھا ہے کہ ان چھ سو کے علاوہ انھوں نے ساڑھے تین سو اونٹ اور پیش کیے۔دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ اونٹوں کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار اشرفیاں بھی لاکر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گود میں ڈال دیں۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ان عطیات کو قبول فرما کر مجمعِ عام میں یہ بشارت سنادی اور بار بار فرمایا: "ماعلی عثمان ماعمل بعد ھذہ" (مطلب یہ کہ جنت اور رضائے الٰہی حاصل کرنے کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہی عمل اور یہی مالی قربانی کافی ہے)۔

مومنین صادقین کو اس طرح کی بشارتیں دنیا وآخرت کی فکر اور اس کے

لیے سعی و عمل سے غافل نہیں کرتیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ کی محبت و رضا جوئی میں اضافہ کا اور مزید دینی ترقیات کا باعث ہوتی ہیں۔ (معارف الحدیث ۸/۲۲۱، ۲۲۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (صلح حدیبیہ کے موقع سے) حضرت عثمانؓ کی طرف سے بیعت رضوان کی جوان کے لیے اپنی بیعت سے بہتر تھی۔ (ترمذی ۲/۲۱۱)

حیات نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حضرت عثمانؓ فضیلت میں تیسرے نمبر پر تھے۔ (ترمذی ۲۰/۲۱۱)

جس کو حضرت عثمانؓ سے بغض ہے وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ہے۔ (ترمذی ۲/۲۱۲)

حضرت عثمانؓ نے مسلمانوں کے لیے بئرِ رومہ، اور مسجد کے لیے قطعۂ زمین خرید کر اس کے بدلے جنت کو پالیا۔ (ترمذی ۲/۲۱۲)

فضائل حضرت علیؓ ابن ابی طالب

اسم گرامی: علی۔ والد کا نام: ابوطالب۔ کنیت: ابوالحسن اور ابوالتراب۔

بچوں میں آپ سب سے پہلے ایمان لائے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچازاد بھائی، پروردہ اور داماد۔ آپ کی اٹھائیس اولاد تھی: گیارہ صاحبزادے اور سترہ صاحب زادیاں۔ منجملہ عشرۂ مبشرہ کے ایک۔ ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا بھائی بنایا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے سوائے غزوۂ تبوک کے، حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد خلیفہ بنائے گئے، مدتِ خلافت:

چار سال نو ماہ اور چند دن ۔ ۴۰ھ میں شہید کیے گئے۔ (تحفۃ الالمعی ۸/ ۳۵۱)

حضرت علیؓ دنیا و آخرت میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھائی ہیں

عن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال: "اخی رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بین اصحابہ، فجاء فدمع عیناہ فقال: اخیت بین اصحابک ولم تواخ بینی وبین احد؟فقال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: "انت اخی فی الدنیا والاٰخرۃ" (رواہ الترمذی ۲/۲۱۳) **حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے درمیان مواخاۃ قائم فرمائی تو حضرت علیؓ آئے اس حال میں کہ ان کی دونوں آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور عرض کیا کہ آپ نے اپنے اصحاب کے درمیان مواخاۃ کا رشتہ قائم فرمایا اور میرے اور کسی دوسرے کے درمیان آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مواخاۃ قائم نہیں فرمائی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم میرے بھائی ہو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔**

ظاہر ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ کو یہ سن کیسی مسرت اور خوشی ہوئی ہوگی، بلاشبہ حضرت علیؓ مرتضی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جو قرابت نصیب تھی وہ صرف ان ہی کا حصہ تھا جیسا کہ معلوم ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے تھے اور دامادی کے شرف سے بھی مشرف فرمائے گئے۔ (معارف الحدیث ۷/ ۲۴۹)

علیؓ اللہ ورسول کے محب ومحبوب تھے

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیبر کے

دن ارشاد فرمایا کہ کل میں پرچم ایک ایسے شخص کو دوں گا، جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح کرے گا، وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول اس سے۔ پس جب صبح ہوئی تو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، سب یہ امید اور تمنا رکھتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو پرچم عطا فرمائیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ''علی بن ابی طالب'' کہاں ہیں؟ لوگوں نے عرض کیا کہ: ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان کو بلانے کے لیے کسی کو بھیجو، چنانچہ ان کو بلا کر لایا گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی دونوں آنکھوں میں اپنا آبِ دہن ڈال دیا، تو وہ ایسے اچھے ہو گئے کہ گویا ان کو تکلیف تھی ہی نہیں۔ اس کے بعد ان کو پرچم عنایت فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا میں خیبر والوں سے اس وقت تک جنگ کروں کہ وہ ہماری طرح ہو جائیں (یعنی اسلام قبول کرلیں)، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تم آہستہ روی کے ساتھ جاؤ؛ یہاں تک کہ ان کی زمین اور ان کے علاقہ میں پہنچ جاؤ، پھر ان کو اسلام کی دعوت دو، اور ان کو بتلا دو کہ اسلام قبول کرنے کے بعد ان پر اللہ تعالیٰ کا کیا حق واجب ہوگا، خدا کی قسم! تمہارے ذریعہ ان میں سے ایک آدمی کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت نصیب ہو جائے، یہ بات تمہارے حق میں اس سے بہتر ہے کہ مالِ غنیمت میں سرخ اونٹ تم کو ملیں۔ (بخاری ۱/ ۵۲۵)

اس حدیث میں ہے کہ وہ اللہ و رسول کا محب و محبوب ہوگا، اور اللہ اس کے

ذریعے یہ آخری قلعہ بھی فتح کرے گا۔ بلاشبہ یہ بڑی فضیلت اور سعادت تھی۔ (معارف الحدیث ۸/۲۴۰) نیز اس میں نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ بھی ہے اس طور پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کل یہ پرچم ایسے شخص کے ہاتھ میں دوں گا جو اس قلعہ کو فتح کرے گا۔ (عمدۃ القاری ۱۶/۲۹۶)

چار لوگوں سے محبت کرنے کا حکم

عن ابن بریدة عن ابیه، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان الله امرنی بحب اربعة واخبرنی انه یحبهم" قیل: یا رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم! سمهم لنا؟ قال: "علیّ منهم" یقول ذلک ثلاثا، ابو ذر، والمقداد، وسلمان وامرنی بحبهم، واخبرنی انه یحبهم". (ترمذی ۲/۲۱۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ نے مجھے چار لوگوں سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھے اطلاع دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتے ہیں'' لوگوں نے پوچھا: یا رسول اللہ! ہمارے لیے ان حضرات کو نامزد فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''علی رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک ہیں''۔ یہ بات تین بار فرمائی۔ اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ اور مقداد رضی اللہ عنہ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ، اور مجھے ان سے محبت کرنے کا حکم دیا ہے اور مجھے اطلاع دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کرتے ہیں۔

ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت رکھے

عن ابی سریحه او عن زید بن ارقم عن النبی صلى الله عليه وآله وسلم قال: "من کنت

مولاہ فعلی مولاہ"۔ (ترمذی ۲/۲۱۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا "میں جس کا مخلص دوست ہوں پس علیؓ بھی اس کے مخلص دوست ہیں، یعنی جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت رکھتا ہے وہ علیؓ سے بھی محبت رکھے، ان سے عداوت نہ رکھے۔

حضرت علیؓ کے حق میں یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو موقعوں پر فرمائی ہے:

پہلا موقعہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سریہ روانہ فرمایا، اور اس کے دو حصے کیے، ایک کا امیر حضرت علیؓ کو اور دوسرے کا حضرت خالد بن ولیدؓ کو بنایا، اور ہدایت دی کہ جب جنگ ہو تو سارے لشکر کے امیر حضرت علیؓ ہوں گے، جنگ ہوئی، مال غنیت ہاتھ آیا، اس کے خمس (پانچویں حصہ) میں سے حضرت علیؓ نے ایک باندی لی، کیوں کہ اس میں ذوی القربیٰ کا بھی حصہ ہوتا ہے، اور اسی رات اس سے مقاربت فرمائی۔ یہ بات حضرت بریدہؓ اور حضرت خالدؓ کو کھلی؛ کیونکہ باندی میں استبرائے رحم ضروری ہوتا ہے۔ واپسی میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس کی شکایت کی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اوپر مذکور حدیث ارشاد فرمائی کہ میں علی سے ہوں اور علی مجھ سے ہیں۔ اور وہ ہر مسلمان کے دوست ہیں یعنی ان کی شکایت گویا میری شکایت ہے، اور شکایت، نفرت اور عداوت پر دلالت کرتی ہے، حالاں کہ علیؓ سے ہر مسلمان کو محبت ہونا چاہیے! اور حضرت براء کی روایت میں ہے کہ: "تمہارا کیا خیال ہے اس شخص کے بارے میں جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں۔ (ترمذی ۲/ ۲۱۴)

دوسرا واقعہ: ۹ھ میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو قاضی بنا کر یمن بھیجا۔ پھر جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۱۰ھ میں حج فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ یمن سے سیدھے مکۂ مکرمہ آ کر حج میں شریک ہوئے، وہ یمن سے ایک لشکر کے ساتھ آئے تھے۔ جب مکۂ مکرمہ قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو لشکر کا امیر بنایا اور خود آگے بڑھ گئے؛ تاکہ جلد از جلد نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کریں، پیچھے امیر نے لشکریوں کو ایک ایک قیمتی جوڑا تقسیم کیا؛ تاکہ وہ پہن کر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کریں، جب لشکر مکہ پہنچا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ نے امیر لشکر کے عمل کو نادرست قرار دیا اور وہ جوڑے واپس لے لیے، یہ بات لشکریوں کے لیے باعثِ شکایت بن گئی، چنانچہ حج سے واپسی میں مقامِ جحفہ کے قریب غدیر خم میں، جہاں سے یمن والوں کا راستہ الگ ہوتا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے خطاب فرمایا، مقصود یمن والوں کو مطمئن کرنا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''میں جس کا مولیٰ (دوست) علی اس کا مولیٰ (دوست)'' یعنی جسے مجھ سے محبت ہے، اور یہ محبت ہر مومن کو ہوتی ہے، اسے چاہیے کہ علی رضی اللہ عنہ سے بھی محبت رکھے، معمولی باتوں کی وجہ سے ان سے ناراض نہ ہو اور شکایت نہ کرے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی: ''اے اللہ! جو علی رضی اللہ عنہ سے محبت کرے آپ اس سے محبت کریں، اور جو علی رضی اللہ عنہ سے عداوت رکھے آپ اسے دشمن سمجھیں''۔ اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یمن والوں کو مطمئن کر کے رخصت کیا۔ (تحفۃ الالمعی ۸ / ۳۵۵، ۳۵۶)

حضرت علی مرتضیٰؓ کے ساتھ اپنی محبت اور خصوصی قرب وتعلق کا اظہار انہیں الفاظ کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف مواقع پر فرمایا ہے۔

حضرت علیؓ سے مومن ہی محبت رکھتا ہے اور منافق ہی عداوت رکھتا ہے

زرّ بن حبیشؒ سے روایت ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا: اس ذات پاک کی قسم جو دانے کو پھاڑ کر پودا نکالتا ہے اور جس نے جانداروں کو پیدا فرمایا، نبیٔ امی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصوصیت سے مجھ سے فرمایا تھا کہ مجھ سے وہی بندہ محبت کرے گا جو مومنِ صادق ہوگا اور وہی شخص مجھ سے بغض وعداوت رکھے گا جو منافق ہوگا۔

(مسلم شریف بحوالہ معارف الحدیث ۲۴۱/۸)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؓ کو جن عظیم انعامات اور دینی فضائل سے نوازا، مثلاً یہ کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت اسلام پر سب سے پہلے لبیک کہنے والوں میں ہیں، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے محبت فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت سیدہ فاطمہ زہراؓ کو ان کے نکاح میں دے کر دامادی کا شرف عطا فرمایا، اکثر غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے، بار بار میدانِ جہاد وقتال میں اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر کارہائے نمایاں انجام دیے اور جیسا کہ مندرجۂ بالا حدیث سے معلوم ہوا کہ غزوۂ خیبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ارشاد وعمل سے یہ ظاہر فرمایا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبّ ومحبوب ہیں۔ الغرض یہ اور اس جیسے

دوسرے فضائل اور خداوندی انعامات کا یہ حق ہے کہ ہر مومنِ صادق ان سے محبت کرے اور ان سے بغض و کینہ نہ رکھے، اس لیے کہ ان سے بغض و کینہ رکھنے والے ایمان کی حقیقت سے محروم اور نفاق کے مریض ہیں۔ (معارف الحدیث ۸ / ۲۴۲)

اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور اپنے سب محبین اور محبوبین کی (جن میں بلاشبہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بھی خاص مقام و مرتبہ ہے) محبت اس عاجز کو اور سب اہل ایمان کو نصیب فرمائے۔ آمین

یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محبت کی ایک ادنیٰ سی جھلک ہے؛ ورنہ بہت ساری احادیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت کو بیان فرمایا گیا ہے، تنگیٔ وقت کی بنا پر ذیل میں اشارے درج کیے جاتے ہیں:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم مزاج تھے۔ (ترمذی ۲ / ۲۱۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں دعا کہ حق ادھر ہو جدھر علی رضی اللہ عنہ ہوں۔ (ترمذی ۲ / ۱۱۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ مومن کامل ہیں۔ (ترمذی ۲ / ۱۱۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بغض و نفرت نفاق کی علامت ہے۔ (ترمذی ۲ / ۲۱۳)

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم و حکمت کا گھر اور علی اس کا دروازہ۔ (ترمذی ۲ / ۲۱۳)

حضرت علی رضی اللہ عنہ جنگی صلاحیت میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ سے زیادہ تھے۔

(ترمذی ۲ / ۳۱۴)

نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملنے کا اشتیاق۔ (ترمذی ۲ / ۲۱۴)

فضائلِ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ

نام نامی: طلحہ، باپ کا نام عبید اللہ۔ کنیت: ابو محمد۔ لقب: طلحۃ الجود، طلحۃ الخیر، طلحۃ الفیاض۔ قبیلہ: تیمی قریشی۔ یہ عشرۂ مبشرہ میں سے تھے اور اصحاب شوریٰ میں سے بھی۔ اسلام کی طرف سبقت کرنے والوں میں سے ایک۔ غزوۂ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شرکت کی؛ اس لیے کہ بدر کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو حضرت سعید رضی اللہ عنہ بن زید کے ساتھ قریش کے تجارتی لشکر کی خبر لانے کے لیے بھیجا تھا۔ ولادت: ہجرت سے ۲۸ سال پہلے۔ شہادت: جنگ جمل میں بروز جمعرات ۱۰/ جمادی الآخرۃ ۳۶ھ، بصرہ میں مدفون ہیں۔ مدتِ عمر: ۶۴ سال۔

(اکمال فی اسماء الرجال ص:۶۰۱)

عن قیس بن ابی حازم رضی اللہ عنہ قال: رایت ید طلحہ التی وقی بھا النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد شلت"۔ (بخاری ۱/ ۵۲۷) قیس بن حازم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا وہ ہاتھ دیکھا جس کے ذریعہ انہوں نے غزوۂ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچایا تھا شل ہو چکا تھا۔

جنگِ احد کے دن ایک وقت ایسا آیا کہ دشمن کے تیر اندازوں نے خصوصیت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے تیروں کا نشانہ بنا کر آپ کو شہید کر دینا چاہا، اس وقت جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تیروں کی بوچھار ہو رہی تھی، حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ نے اپنی سپر کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچانے کی کوشش کی، اسی حال میں ہاتھ ایسا

زخمی ہوگیا کہ ڈھال ہاتھ سے گر گئی، تو انہوں نے خود اپنی ذات اور اپنے پورے جسم کو خاص طور سے اپنے ہاتھ کو سپر بنالیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آنے والے ہر تیر کو ہاتھ سے روکا۔ دشمن کا ایک تیر بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک نہیں پہنچنے دیا، جس کی وجہ سے ایک ہاتھ بالکل شل ہوگیا اور پورا جسم گویا چھلنی ہوگیا۔ روایات میں ہے کہ ان کے جسم کے اوپر اسّی سے زیادہ زخم شمار کیے گئے؛ لیکن اللہ تعالیٰ کی مشیت کے مطابق زندہ رہے اور احد کے بعد بھی تقریباً تمام ہی غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت تک دین اور امتِ مسلمہ کی خدمت ہی ان کا نصب العین اور ان کی زندگی کا مصرف رہا، یہاں تک کہ جنگِ جمل میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ.

(معارف الحدیث ۸ / ۲۷۲)

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ چلتے پھرتے شہید

عن ابی نضرۃ قال: قال جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ: سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول: من سرہ ان ینظر الی شھید یمشی علی وجہ الارض، فلینظر الی طلحۃ بن عبید اللہ" (ترمذی ۲/۲۱۵) نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "جسے یہ بات خوش کرے یعنی جسے خوشی ہو کہ وہ کسی شہید کو دیکھے دراں حالیکہ وہ سطحِ زمین پر چل رہا ہے یعنی زندہ ہے تو چاہیے کہ وہ طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ کو دیکھے"۔ (تحفۃ الالمعی ۸ / ۳۷۵)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر

یہ بات منکشف فرمادی گئی تھی کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ شہید ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس ارشاد میں جس خاص انداز میں ان کے شہید ہونے کی اطلاع دی، ظاہر ہے کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقصد ان کی ایک خاص فضیلت اور عند اللہ ان کی شہادت کی غیر معمولی اہمیت اور مقبولیت بیان فرمانا تھا۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال فرمانے کے قریباً پچیس سال بعد جنگِ جمل میں شہید ہوئے۔ بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کی شہادت کی طلاع دینا آپ کے معجزات میں سے ہے۔ (معارف الحدیث ۸ / ۲۷۲)

طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کرلی

حضرت زبیرؓ بیان کرتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگ احد کے موقع پر دو زرہیں پہن رکھی تھیں، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک چٹان پر چڑھنا چاہا، مگر چڑھ نہ سکے تو حضرت طلحہ بیٹھ گئے (تا کہ آپ ان کے اوپر قدم مبارک رکھ کر کے پتھر کی اس چٹان تک پہنچ سکیں، چنانچہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر اپنا پائے مبارک رکھ کر پتھر کی اس چٹان تک پہنچ گئے۔ حضرت زبیرؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر فرمایا: اوجب طلحة یعنی طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کرلی۔ (ترمذی ۲ / ۲۱۵)

حضرت طلحہؓ کی منقبت میں حضرات صحابہؓ کے اشعار

حضرت طلحہؓ نے احد کے دن اپنی بہادری کے ایسے ایسے جوہر دکھائے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد سے واپس ہوتے ہوئے حضرت حسان رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم طلحہ کی تعریف میں کچھ اشعار کہو۔ چنانچہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے یہ اشعار کہے:

وطلحه يوم الشعب اٰسى محمدا		على ساعة ضاقت عليه وشقت

اور گھاٹی کے دن طلحہ نے تنگی اور مشکل کی گھڑی میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پوری غم خواری کی اوران پر جاں نثاری کی۔

يقيه بكفيه الرماح واسلمت		اشاجعه تحت السيوف فشلت

اپنے دونوں ہاتھوں کے ذریعہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نیزوں سے بچاتے رہے۔اور (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بچانے کے لیے) انہوں نے اپنے ہاتھوں کے پوروے تلوار کے نیچے کردیے، جس سے وہ پورے شل ہوگئے۔

وكان امام الناس الا محمدا		اقام رحى الاسلام حتى استقلت

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ باقی تمام لوگوں سے آگے تھے،اور انہوں اسلام کی چکی کو ایسا کھڑا کیا کہ وہ مستقل چلنے لگی۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی تعریف میں یہ اشعار کہے:

حمى النبى الهد ى والخيل تتبعه		حتىٰ اذاما لاقوا حامى عن الدين

طلحہ نے نبیٔ ہادی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی، حالانکہ گھڑسوار آپ کا پیچھا کررہے تھے، یہاں تک کہ جب وہ سوار قریب آجاتے تو یہ دین کی خوب حفاظت کرتے۔

صبرا على الطعن اذ ولّت حماتهم		والناس من بين مهدى ومفتون

جب حفاظت کرنے والے لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ رہے تھے اس وقت انہوں نے نیزوں پر صبر کیا، اور اس دن لوگ دو طرح کے تھے ہدایت یافتہ اور آزمائش میں مبتلا۔

يا طلحة بن عبيد الله قد وجبت		لک الجنان وزوجت المها العين

اے طلحہ بن عبید اللہ! تمہارے لیے جنت واجب ہوگئی اور خوب صورت اور آہو چشم حوروں سے تمہاری شادی ہوگئی۔

ان کی تعریف میں حضرت عمرؓ نے یہ شعر کہا:

حمى نبى الهدىٰ بالسيف منصلتا		لما تولىٰ جميع الناس وانكشفوا

جب تمام لوگوں نے پشت پھیر لی اور ہٹ گئے، اس وقت طلحہ نے ننگی تلوار سے نبیٔ ہادی کی حفاظت کی۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے عمر! تم نے سچ کہا۔

(حیاۃ الصحابہ ۱/ ۲۹۴۔ کنز العمال ۱۳/ ۹۷)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت طلحہؓ کو فیاض کہا

حضرت سلمہؓ بن اکوع فرماتے ہیں حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ نے پہاڑ کے کنارے ایک کنواں خریدا اور (اس کی خوشی میں) لوگوں کو کھانا کھلایا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اے طلحہ! تم بڑے فیاض اور بہت سخی آدمی ہو۔ (حیاۃ الصحابۃ ۲/ ۲۲۳، الامین)

حضرت طلحہؓ کی بیوی حضرت سعدیؓ فرماتی ہیں، ایک دن حضرت طلحہؓ میرے پاس آئے، وہ مجھے بڑے غمگین نظر آئے۔ میں نے کہا: کیا بات ہے مجھے آپ کا چہرہ بڑا پریشان نظر آرہا ہے، کیا ہماری طرف سے کوئی ناگوار بات پیش

آئی؟ انہوں نے کہا: نہیں! اللہ کی قسم تمہاری طرف سے کوئی ناگوار بات پیش نہیں آئی، تم تو بہت اچھی بیوی ہو، میں اس وجہ سے غمگین وپریشان ہوں کہ میرے پاس بہت مال جمع ہو گیا اور مجھے سمجھ میں نہیں آرہا کہ اس کا کیا کروں؟ (حضرت سعدیؓ فرماتی ہیں) میں نے کہا: آپ آدمی بھیج کر اپنے رشتہ داروں اور اپنی قوم کو بلالیں اور ان میں یہ مال تقسیم کر دیں، چنانچہ انہوں نے بلا کر ان میں سارا مال تقسیم کر دیا، پھر میں نے خزانچی سے پوچھا کہ انہوں نے کتنا مال تقسیم کیا؟ اس (خزانچی) نے کہا: چار لاکھ۔ اسی سخاوت کی وجہ سے انہیں ''طلحہ فیاض'' کہا جاتا تھا، یعنی بہت زیادہ سخی۔ (حیاۃ الصحابہ ۲/ ۲۷۲)

فضائل حضرت زبیر بن عوامؓ

نام نامی: زبیر، باپ کا نام: عوّام، کنیت: ابوعبداللہ، قبیلہ: اسد قریشی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہؓ کے لڑکے ہیں۔ چھ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے، آپ نے ہی اسلام میں سب سے پہلے تلوار سونتی۔ ولادت: ہجرت سے ۲۸/ سال قبل۔ شہادت: ۳۶ھ بصرہ میں عمرو بن جرموز نے شہید کیا۔ کل عمر: ۶۴ سال۔ پہلے وادئ سباع میں مدفون ہوئے، بعد میں بصرہ منتقل کیے گئے۔ (اکمال فی اسماء الرجال: ۵۹۵)

حضرت زبیرؓ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حواری ہیں

عن جابر قال قال النبي صلى الله عليه وآله وسلم: من يأتيني بخبر القوم يوم الأحزاب؟

قال الزبير: أنا، فقال النبي صلى الله عليه وآله وسلم إن لكل نبي حواريا وحواري الزبير (مسلم ۲/۲۸۱) حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ: غزوۂ احزاب کے دن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کون ہے جو دشمن قوم (کے لشکر) کی خبر لائے؟ حضرت زبیرؓ نے عرض کیا: میں (خبر لاؤں گا)، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لیے حواری ہوتے ہیں، اور میرے حواری زبیر ہیں۔

۵ھ میں یہودیوں کی مفسدہ پردازی سے تمام عرب مسلمانوں کے خلاف امنڈ آیا، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ کے قریب خندق کھود کر اس طوفان کا مقابلہ کیا، حضرت زبیرؓ اُس حصے پر مامور تھے جہاں عورتیں تھیں۔

بنو قریظہ اور مسلمانوں میں باہم معاہدہ تھا؛ لیکن عام سیلاب میں وہ بھی اپنے عہد پر قائم نہ رہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافتِ حال کے لیے کسی کو بھیجنا چاہا اور تین بار فرمایا: کون ہے جو اس قوم کی خبر لائے؟ حضرت زبیرؓ نے ہر مرتبہ بڑھ کر عرض کیا کہ: میں، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا: ہر نبی کے لیے حواری ہوتے ہیں میرا حواری زبیر ہے۔ اس نازک وقت میں حضرت زبیرؓ کی اس طرح بے خطر تنہا آمد و رفت سے اور ان کی جاں بازی سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر متأثر تھے کہ فرمایا: فداک أبي وأمي یعنی میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں۔ (سیر الصحابہ ۲/۸۶) بلاشبہ حضرت زبیرؓ کی یہ بڑی فضیلت ہے۔

(معارف الحدیث ۸/۲۷۵)

ان کے بارے میں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ: عشرۂ مبشرہ میں حضرت علی مرتضیٰ ؓ کی طرح ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قرابتِ قریبہ حاصل ہے: حضرت علی مرتضیٰ ؓ آپ کے چچا ابو طالب بن عبد المطلب کے بیٹے ہونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی ہیں، اور حضرت زبیر ؓ آپ کی پھوپھی حضرت صفیہ بنت عبد المطلب کے بیٹے ہونے کی وجہ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا زاد بھائی۔ (معارف الحدیث ۸/ ۲۷۵)

جنگ اُحُد میں جب تیر اندازوں کی بے احتیاطی سے فتح شکست سے مبدل ہوگئی اور مشرکین کے اچانک حملے سے غازیانِ دین کے پاؤں متزلزل ہوگئے، یہاں تک کہ شمعِ نبوت کے گرد صرف چودہ صحابہ ؓ ثابت قدم رہ گئے تھے، تو اس وقت بھی یہ جاں نثار حواری جان نثاری کا فرض ادا کر رہا تھا۔ (سیر الصحابہ ۲/ ۸۶)

حضرت طلحہ وزبیر ؓ جنت میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پڑوسی ہوں گے

عن علي قال: سمعت أذني مِن فِي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وهو يقول: طلحة والزبير جارَاي في الجنة. (ترمذی ۲/ ۲۱۵) حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا: میرے دونوں کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دہنِ مبارک سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے: طلحہ اور زبیر جنت میں میرے پڑوسی ہوں گے۔

یہاں پر یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ: حضرت علی ؓ ان دونوں

حضرات کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنے ہوئے فضائل۔خاص طور سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ ارشادات جن میں ان دونوں بزرگوں کے شہید فی سبیل اللہ اور جنتی ہونا ذکر فرمایا گیا ہے۔خاص اہتمام سے بیان فرماتے تھے، چناں چہ یہی حدیث جس میں ان دونوں حضرات کی یہ عظیم ترین فضیلت بیان ہوئی ہے کہ یہ دونوں جنت میں میرے پڑوسی ہوں گے، اس کے لیے حضرت علیؓ نے یہ پیرایۂ بیان اختیار فرمایا کہ: ”سمعت أذني من في رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول“ کہ میرے کانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے۔ظاہر ہے کہ یہ پیرایۂ بیان اسی خاص اہتمام کا مظہر ہے۔(معارف الحدیث ۸/۲۷۶)

فضائل حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ

نام نامی: عبدالرحمٰن۔باپ کا نام: عوف۔کنیت: ابو محمد۔قبیلہ: زہری، قریشی۔حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔حبشہ کی طرف دو مرتبہ ہجرت کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ولادت: واقعۂ فیل کے دس سال بعد۔وفات: مدینہ میں ۳۲ھ میں ہوئی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔کل عمر: ۷۲ سال۔

جنگِ احد میں استقامت اور فرشتوں کا ان کی مدد کرنا

حضرت حارثؓ بن صمہ انصاریؓ سے روایت ہے انہوں نے بیان کیا کہ غزوۂ احد کے دن جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھاٹی میں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

مجھ سے دریافت فرمایا: ''تم نے عبدالرحمٰن بن عوف کو دیکھا ہے؟'' میں نے عرض کیا: ''ہاں! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! میں نے ان کو دیکھا ہے، پہاڑ کے سیاہ پتھروں والے حصے کی طرف، ان پر مشرکین کی ایک جماعت حملہ کررہی تھی، میں نے ان کے پاس جانے کا ارادہ کیا؛ تاکہ میں ان کو بچاؤں کہ اسی وقت میری نگاہ آپ پر پڑی، تو میں آپ کی طرف چلا آیا۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کے فرشتے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر دشمنوں سے جنگ کررہے ہیں''۔ (حارث کہتے ہیں) حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی یہ بات سننے کے بعد میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے پاس لوٹ آیا، تو میں نے ان کو اس حال میں دیکھا کہ سات مشرکوں کی لاشیں ان کے پاس پڑی تھیں میں نے ان سے کہا: آپ کامیاب اور فتح یاب رہیں، کیا ان سب کو تم نے قتل کیا ہے؟ انہوں نے کہا: یہ اطارۃ بن عبدِ شرحبیل اور یہ دو، ان کو تو میں نے قتل کیا ہے۔ باقی یہ چار، میں نے نہیں دیکھا کہ ان کو کس نے قتل کیا ہے'' (ان کا یہ جواب سن کر) میں نے کہا'' صادق ہیں اللہ اور اس کے رسول۔ ابنِ مندہ نے اپنی ''مسند'' میں اور طبرانی نے ''معجمِ کبیر'' میں اور ابونعیم نے ''حلیہ'' میں اس کو بیان کیا۔ (معارف الحدیث: ۸/۲۷۷)

اِس حدیث سے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی یہ خصوصیت معلوم ہوئی کہ وہ جنگِ اُحُد کے خاص آزمائش کے وقت میں بھی استقامت کے ساتھ مشرکین سے جنگ کررہے تھے اور اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے فرشتے جنگ میں ان کی مدد

کررہے تھے۔

بلاشبہ یہ واقعہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے خاص فضائل میں سے ہے، نیز حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں فرمایا تھا: فرشتے جنگ میں ان کی مدد کررہے ہیں، یقیناً یہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا۔ (معارف الحدیث:۸/۲۷۹)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں نماز ادا کی

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ وہ ایک غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بشری تقاضے سے تشریف لے گئے اور واپس لوٹنے میں تاخیر ہوگئی، اور فجر کی نماز میں جب زیادہ تاخیر ہونے لگی تو مشورہ سے طے ہوا کہ اب نماز ادا کرلی جائے، اور لوگوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امام بنا کر نماز شروع کردی، جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لائے تو نماز کی ایک رکعت ہوچکی تھی، اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، جب حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کا علم ہوا تو چاہا کہ پیچھے ہٹ کر جماعت میں شامل ہوجائیں، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اشارہ فرمایا کہ تم اپنی جگہ پر رہو، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک رکعت حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتدا میں ادا کی، پھر جب حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سلام پھیر دیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بقیہ ایک رکعت پوری فرمائی۔

(مشکاۃ المصابیح:۱/۵۳)

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو یہ خاص امتیازی شان بھی حاصل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اقتدا میں نماز ادا کی۔

(معارف الحدیث: ۲۸۱/۸)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ''سید المسلمین'' فرمایا

ایک حدیث میں ہے امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی بیوی حضرت اُمِ کلثوم بنت عقبہ سے دریافت کیا: (یہ بات صحیح ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم سے فرمایا تھا کہ تم عبدالرحمن بن عوف سے نکاح کرلو جو ''سید المسلمین'' ہیں؟ اُمِ کلثوم نے کہا کہ ہاں! بے شک، (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے یہی ارشاد فرمایا تھا)۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ''سید المسلمین'' فرمایا تھا، بلا شبہ یہ ان کی اعلیٰ درجہ کی فضیلت ومنقبت ہے۔

(معارف الحدیث: ۲۸۲/۸)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا دامن، فضل وکمال اور اخلاقی جواہر پاروں سے مالا مال تھا؛ خصوصاً خوفِ خدا، حبِّ رسول، صدق وعفاف، ترحّم، فیّاضی اور انفاق فی سبیل اللہ ان کے نہایت درخشاں اوصاف تھے۔

ازواجِ مطہرات کے لیے ایک قیمتی باغ کی وصیت

حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فرمایا کرتے تھے: مجھے تمہارا (ازواجِ مطہرات کا) معاملہ اپنے بعد فکر مند کیے ہوئے ہے (کہ تمہارا کیا ہوگا؟ میں نے تمہارے لیے کوئی ترکہ نہیں چھوڑا اور تم نے بھی دارِ آخرت کو اختیار کیا ہے اور کچھ جمع نہیں کیا) اور ہرگز صبر نہیں کریں گے تم پر؛ مگر صبر کرنے والے، یعنی باہمت بندے ہی تمہاری خبر گیری کریں گے۔

ابوسلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ تمھارے والد کو (یعنی عبد الرحمن بن عوف کو) جنت کی سلسبیل نہر سے سیراب کرے، انہوں نے ازواجِ مطہرات کو ایسی جائیداد دی تھی جو چالیس ہزار دینار میں فروخت کی گئی۔ اور دوسری روایت میں ہے: حضرت عبد الرحمن بن عوف نے ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لیے ایک باغ کی وصیت کی تھی جو ایک لاکھ درہم میں فروخت کیا گیا۔ (ترمذی: ۲/ ۲۱۵) عہدِ نبوی میں درہم و دینار کا یہی تناسب تھا۔ (معارف الحدیث: ۸/ ۲۸۲)

مسندِ احمد میں ام المؤمنین حضرت امِّ سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ میں نے خود سنا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے، آپ اپنی ازواج سے فرماتے تھے کہ: جو شخص میرے بعد اپنی دولت سے تمہاری بھرپور خدمت کرے گا وہ ہے ''صادق الایمان'' اور ''صاحبِ احسان بندہ''، اے اللہ! عبد الرحمن بن عوف کو جنت کی سلسبیل سے سیراب فرما۔ (مسندِ احمد بہ حوالۂ معارف الحدیث: ۸/ ۲۸۱)

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ انبیا علیہم السلام کے ترکے میں وراثت جاری نہیں ہوتی، وہ جو کچھ چھوڑیں وہ فی سبیل اللہ صدقہ ہے، اس لیے

فطری طور پر ازواجِ مطہرات کے لیے از راہِ بشریت یہ فکر و تشویش کی بات ہو سکتی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ہمارا گزارا کس طرح اور کہاں سے ہوگا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو مطمئن کرنے کے لیے فرمایا کہ اللہ کا ایک ''صادق الایمان بندہ'' جس کی فطرت میں اللہ نے احسان کی صفت خاص طور پر رکھی ہے تمہاری بھر پور خدمت کرے گا۔ آگے اپنے دعائیہ کلمہ میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا نام متعین بھی فرما دیا کہ وہ کون ہوگا؟ ظاہر ہے کہ یہ پیشین گوئی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک معجزہ تھا۔

(معارف الحدیث ۸/ ۲۸۲)

مذکورہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ''صادق الایمان'' اور ''صاحبِ احسان'' کہا، اور جنت کی نہرِ سلسبیل سے سیرابی کی ان کے لیے دعا فرمائی، یہ آپ رضی اللہ عنہ کے لیے اعلیٰ درجہ کی فضیلت ہے۔

فضائلِ حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

نامِ نامی: سعد، والد کا نام: مالک بن وہیب۔ کنیت: ابو اسحاق۔ والد کی کنیت: ابو وقاص۔ خاندان: قرشی، زہری۔ یہ بھی عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ سترہ سال کی عمر میں اسلام قبول کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے۔ اللہ کی راہ میں سب سے پہلے تیر چلایا۔ ولادت: ہجرت سے تیئیس سال قبل۔ وفات: ۵۵ھ میں مدینہ میں، مروان بن الحکم نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔ (الاکمال فی اسماء الرجال: ۵۸۶)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سعدؓ پر اپنے ماں باپ کو فدا کیا

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ میں نے نہیں سنا رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمع کیا ہو اپنے ماں باپ کو کسی کے لیے سوائے سعد ابنِ ابی وقاص کے، میں نے غزوۂ احد کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: ”یا سعد! ارمِ، فداك أبي وأمي“ اے سعد! تیر چلاتے رہو، میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔ (مسلم: ۲/ ۲۸۰)

بلا شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے یہ صرف ہمت افزائی نہ تھی؛ بلکہ بہتر سے بہتر الفاظ میں اپنی انتہائی دِلی مسرّت اور خوشی کا اظہار بھی تھا۔

(معارف الحدیث: ۸/ ۲۸۳)

”نیک آدمی“ کے مصداق حضرت سعدؓ

حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ تشریف آوری پر (غالباً کسی وقتی حالات کی وجہ سے) نیند نہیں آرہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کاش! کوئی نیک آدمی آج رات میری چوکیداری کرتا، اُسی وقت ہم نے ہتھیار کی جھنکار سنی، پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: کون ہے؟ تو آنے والے نے کہا: سعد بن ابی وقاص۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے پوچھا: کیوں آئے ہو؟ حضرت سعدؓ نے عرض کیا: میرے دِل میں آپ کے متعلق خطرہ پیدا ہوا کہ مبادا کوئی دشمن آپ کو ایذا پہنچائے، آپ کی حفاظت اور چوکیداری ہی کے ارادہ سے آیا ہوں، تب آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لیے دعا کی، پھر سو گئے۔ (ترمذی: ۲/ ۲۱۶)

بلا شبہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے قلب کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ للّٰہی عاشقانہ تعلق ان پر اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور بڑی فضیلت ہے۔

(معارف الحدیث: ۸/ ۲۸۴)

جہادِ اسلامی کی تاریخ میں سب سے پہلی تیراندازی

قیس بن ابی حازم سے روایت ہے کہ میں نے سنا سعد ابن ابی وقاص سے، وہ فرماتے تھے: میں عربوں میں سے پہلا شخص ہوں جس نے اللہ کے راستہ میں دشمنوں پر تیراندازی کی۔ اور ہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے ایسی حالت میں کہ ہمارے لیے کھانے کا کوئی سامان نہیں ہوتا تھا سوائے درختوں کے پتّوں کے؛ یہاں تک کہ ہم میں سے ایک استنجا کرتا تھا جس طرح اونٹ اور بکری استنجا کرتی ہے، یعنی مینگنیوں کی شکل میں استنجا نکلتا تھا، (بالکل خشک) جس میں کوئی چپک نہیں ہوتی تھی، اب قبیلۂ بنو اسد مجھے احکامِ اسلام سے ناواقف قرار دیتا ہے!! بخدا! تب تو میں نامراد رہا اور میرے سارے عمل غارت گئے۔

واقعہ یہ ہوا تھا کہ بنو اسد نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے آپ رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تھی کہ یہ نماز اچھی نہیں پڑھاتے۔ (بخاری شریف: ۱/ ۵۲۸)

واقعہ یہ ہے کہ ہجرت کے پہلے ہی سال صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو۔ جس میں حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد کے

لیے روانہ فرمایا تھا، اِسی سریے میں حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے تیراندازی کی، جہادِ اسلامی کی تاریخ میں یہ پہلی تیراندازی تھی، اِسی واقعہ کا حوالہ دیتے ہوئے حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ کی توفیق سے راہِ خدا میں میں نے ہی سب سے پہلے تیر چلایا۔ (معارف الحدیث: ۸/ ۳۸۵)

حضرت سعد رضی اللہ عنہ ''مستجاب الدعوات'' تھے

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا فرمائی: ''اللّٰھم استجب لسعدٍ حین دعاك'' اے اللہ! سعد کی دعا قبول فرما جب وہ دعا کریں۔

(ترمذی: ۲/ ۲۱۶)

چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ ''مستجاب الدعوات'' مشہور تھے، جو بھی دعا کرتے اللہ تعالیٰ قبول فرماتے۔

۲۱ھ میں ایرانیوں نے عراقِ عجم میں نہایت عظیم جنگی تیاریاں شروع کیں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِن تیاریوں کا حال سنا تو تمام فوجی مرکزوں میں اسلامی فوج کو بھی تیار کرنے کے احکامات صادر فرمائے، کوفہ اسلامی فوج کا سب سے بڑا مرکز تھا؛ اس لیے حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے نہایت اہتمام سے تیاری شروع کی؛ مگر یہاں ایسے لوگ پیدا ہوگئے تھے جو جہاد سے جان چُراتے تھے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے ان کی شکایت لکھ کر مدینۂ منورہ بھیجی، تو اُن لوگوں کو حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے دشمنی پیدا ہوگئی اور انھوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کی شکایت کی، ان میں ایک

شکایت یہ تھی کہ وہ نماز ٹھیک سے نہیں پڑھاتے، حضرت عمرؓ نے حضرت عمار بن یاسرؓ کو گورنر بنا کر بھیجا اور آپ کو واپس بلایا، جب آپؓ آئے تو حضرت عمرؓ نے ان سے کہا: ابواسحاق! کوفہ والوں نے تمہاری شکایت کی کہ تم نماز ٹھیک سے نہیں پڑھاتے۔ حضرت سعدؓ نے جواب دیا: میں نے جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھاتے ہوئے دیکھا ہے اسی طرح پڑھاتا ہوں، اس میں ذرّہ برابر بھی کمی نہیں کرتا، پہلی دو رکعتیں طویل پڑھاتا ہوں اور آخری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: آپ کے بارے میں میرا گمان یہی تھا کہ آپ سنت کے خلاف نماز نہیں پڑھاتے ہوں گے؛ لیکن شکایات کے ازالہ کے لیے باقاعدہ تحقیق بھی ضروری ہے، چنانچہ تحقیقِ احوال کے لیے آپ نے حضرت محمد بن مسلمہؓ کو حکم دیا کہ حضرت سعدؓ کو لے کر کوفہ جاؤ اور ہر مسجد میں نماز کے بعد ان کو کھڑا کر کے پوچھو کہ ان کے بارے میں کیا شکایتیں ہیں؟ انہوں نے کوفہ کی ایک ایک مسجد میں جا کر حضرت سعدؓ کے بارے میں تحقیق کی، اہلِ کوفہ حضرت سعدؓ کے اچھے کاموں کی تعریف کرتے رہے اور کسی نے کوئی شکایت والی بات نہیں کہی، صرف بنوعبس کی مسجد میں ایک شخص نے ۔جس کا نام اسامہ بن قتادہ تھا اور کنیت ابوسعدہ تھی ۔تین شکایتیں کیں:

پہلی شکایت: سعد جنگ کے لیے دستے بھیجتے ہیں؛ مگر خود شریک نہیں ہوتے۔ حضرت سعدؓ کو "عرق النساء" (رانوں سے ٹخنوں تک پہنچنے والا درد) کی بیماری تھی، ان کے پیر میں شدید درد تھا، گھوڑے پر سوار ہونا اور میدانِ جہاد میں

جانا ان کے لیے ممکن نہ تھا؛ اسی لیے آپ نے جنگِ قادسیہ میں بلند جگہ پر بیٹھ کر نگرانی وسرپرستی فرمائی تھی۔

دوسری شکایت: مال کی تقسیم میں برابری نہیں کرتے، اور تیسری شکایت یہ کی کہ اپنے فیصلوں میں انصاف نہیں کرتے۔

یہ سن کر حضرت سعدؓ نے تین بد دعائیں دیں: اے اللہ! اگر یہ شخص جھوٹا ہے اور محض ریاکاری اور شہرت کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی زندگی دراز کر، اس کی غریبی لمبی کر، اور اس کو فتنوں کا نشانہ بنا۔ تین شکایتوں کے بدلے میں تین بد دعائیں دیں۔

چونکہ حضرت سعدؓ مستجاب الدعوات تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا فرمائی تھی؛ اس لیے ان کی بددعا قبول ہوئی؛ چنانچہ اُس بدنصیب کی عمر اتنی لمبی ہوئی کہ بھنویں آنکھوں پر گر پڑیں، کوئی چیز دیکھنی ہو تو بھنووں کو اُٹھا کر دیکھتا، راستوں میں لوگوں سے مانگتا پھرتا، اور عورتوں کو راستہ میں چھیڑتا پھرتا، لوگ اُسے برا بھلا کہتے، وہ جواب دیتا: سعد کی بددعا لگ گئی ہے۔

(بخاری شریف: ۱/ ۱۰۴)

وكان سعدٌ معروفا بإجابة الدعوة. (حضرت سعدؓ مستجاب الدعوات مشہور تھے)۔ (فتح الباری: ۲/ ۲۴۰)

ایک اور حدیث میں ہے: حضرت خیثمہ ابن ابی سبرہؒ (جو کبارِ تابعین اور

ثقات میں سے ہیں) بیان کرتے ہیں کہ میں جب مدینہ آیا تو میں نے اللہ سے دعا کی کہ: مجھ کو نیک ہمنشین میسّر ہو، (یعنی مجھ کو کوئی ایسا نیک بخت مِل جائے جو ہمنشین بننے کی کامل استعداد اور صلاحیت رکھتا ہو، اور اس کی ہمنشینی سے استفادہ کیا جاسکتا ہو) چنانچہ حق تعالیٰ نے حضرت ابو ہریرہؓ جیسی ہستی مجھ کو میسّر فرمائی جن کی صحبت میں نے اختیار کی (اور بغرضِ استفادہ ان کی خدمت میں حاضری دینے لگا) میں نے (ایک دن اُن سے) عرض کیا: میں نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی کہ مجھ کو نیک ہمنشین میسّر ہو، تو اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرما کر آپ جیسا ہمنشین مجھ کو میسّر فرمایا، حضرت ابو ہریرہؓ نے پوچھا: آپ کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے عرض کیا: میں کوفہ کا رہنے والا ہوں اور وہاں سے چل کر یہاں اس لیے آیا ہوں کہ (نیک و بابرکت ہمنشینی کے ذریعہ) خیر کا جویا اور (اپنے نفس کے لیے) بھلائی کا طلب گار ہوں، (یہ سن کر حضرت ابو ہریرہؓ نے) فرمایا: کیا تمہارے درمیان حضرت سعد بن ابی وقاص نہیں ہیں جو مستجاب الدعوات ہیں؟...الخ۔

(مشکاۃ المصابیح: ۵۷۸/۲، جامع فضائل)

حضرت سعدؓ سے متعلق یہ چند باتیں بھی قابلِ ذکر ہیں، جو صحیح احادیث وروایات میں متفرق طور پر بیان کی گئی ہیں:

ایک موقع سے آپؓ نے خود بیان فرمایا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایمان واسلام کی دعوت قبول کرنے والا تیسرا آدمی ہوں، مجھ سے پہلے صرف اللہ

کے دو بندوں نے اسلام قبول کیا تھا، آپؓ اُس وقت صرف سترہ سالہ نوجوان تھے، ان کی والدہ نے ان پر انتہائی دباؤ ڈالا کہ وہ اپنے باپ، دادا کا مشرکانہ دین ومذہب چھوڑ کر اِس نئے دین (اسلام) کو قبول نہ کریں، جب حضرت سعدؓ ان کی بات ماننے کے لیے تیار نہیں ہوئے تو انہوں نے قسم کھا لی کہ جب تک تو میری بات نہیں مانے گا نہ کچھ کھاؤں گی، نہ کچھ پیئوں گی۔

اسی کے مطابق انہوں نے عمل شروع کر دیا، کئی دن تک نہ کچھ کھایا، نہ پیا، اِس درمیان میں تین دفعہ ان پر بے ہوشی بھی طاری ہوئی؛ حضرت سعدؓ ان کو منانے کی کوشش تو کرتے رہے؛ مگر اسلام چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوئے، صحیح مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے کہ اِسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی: وَاِنْ جَاهَدٰكَ عَلٰي اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا۔ (لقمان:۱۵) (مسلم شریف:۲/۲۸۱)

حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ کا یہ واقعہ بھی خاص طور سے قابلِ ذکر ہے کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ کی شہادت کے بعد حضرت علیؓ سے بیعت تو کرلی تھی؛ لیکن جب اس مظلومانہ شہادت کے نتیجہ ہی میں باہمی خانہ جنگی اور قتل وقتال کا فتنہ شروع ہوا تو آپؓ نے اپنے آپ کو اس سے بالکل الگ رکھنے اور دور رہنے کا فیصلہ کرلیا، چنانچہ جب حضرت علیؓ یا ان کے بعض خاص رفیقوں نے آپؓ کو جنگ میں اپنا ساتھ دینے کے لیے آمادہ کرنا چاہا تو انہوں نے کہا کہ ''مجھ کو ایسی تلوار لا کر دے

دو کہ اس سے میں کافر پر وار کروں تو اس کو قتل کردے، اور اگر مؤمن پر وار کروں تو کوئی اثر نہ کرے'' اور پھر اس خانہ جنگی اور قتل وقتال سے الگ رہنے ہی پر اکتفا نہیں کیا؛ بلکہ مدینۂ طیبہ کی آبادی سے فاصلہ پر وادیٔ عقیق میں ان کی زمین تھی وہاں مکان بنالیا اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ سب سے الگ تھلگ وہیں پر رہائش اختیار فرمالی، چاہتے تھے کہ خانہ جنگی کی باتیں بھی ان تک نہ پہنچیں۔

اسلامی تاریخ سے واقفیت رکھنے والے ہر شخص کو معلوم ہے کہ عراق اور پورا ملکِ فارس انہیں کی قیادت میں فتح ہوا۔ (معارف الحدیث: ۲۸۶/۸)

جیسا کہ مذکورہ بالا سطور میں گذرا کہ حضرت سعدؓ نے مدینۂ منورہ سے سات میل کے فاصلہ پر مقامِ ''عقیق'' میں اپنے لیے ایک قصر تعمیر کرایا تھا، آپ نے اسی میں گوشہ نشینی اختیار کی، اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی، ۵۵ھ میں ستر سال سے زائد عمر میں انتقال فرمایا، بعض نے ۵۴ھ اور بعض نے ۵۸ھ بھی کہا ہے۔

جنازہ کندھوں پر اٹھا کر مدینۂ منورہ لایا گیا اور مسجدِ نبوی میں نمازِ جنازہ ہوئی، مروان ابن حکم نے نمازِ جنازہ پڑھائی، پھر مقامِ ''بقیع'' میں دفن کردیا گیا، آپ نے وصیت کی تھی کہ غزوۂ بدر میں اُون کا جو جبّہ میرے جسم پر تھا اُسی میں مجھے کفنایا جائے، وہ میں نے اسی دن کے لیے خاص کر رکھا ہے، چنانچہ اُسی میں آپ کو کفن دیا گیا۔ (اکمال فی اسماء الرجال: مشکاۃ: ۵۹۶۔ اسد الغابہ: ۹۰۸/۲، بحوالۂ ندائے شاہی دسمبر ۲۰۱۱ء: ۴۳، ۴۴)

یہ بات بھی مسلّمات میں سے ہے کہ ''عشرۂ مبشرہ'' میں سب سے آخر میں وفات پانے والے حضرت سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

(اکمال فی اسماء الرجال، مشکاۃ:۵۹۶، معارف الحدیث:۸/ ۲۸۷)

فضائل حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

حضرت سعید رضی اللہ عنہ بھی عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں

حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ امیرِ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، ایک روز وہ جامع مسجد میں عوام کے ایک حلقہ میں بیٹھے تھے کہ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ داخل ہوئے، تو انہوں نے نہایت تعظیم وتکریم کے ساتھ ان کا استقبال کیا اور اپنے پاس بٹھایا، اِسی اثنا میں ایک دوسرا آدمی اندر آیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں نامناسب کلمات استعمال کرنے لگا، حضرت سعید رضی اللہ عنہ سے ضبط نہ ہوسکا، بولے: مغیرہ! مغیرہ! لوگ تمہارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جاں نثاروں کو گالیاں دیتے ہیں اور تم منع نہیں کرتے؟ اس کے بعد اصحابِ عشرہ میں سے آٹھ آدمیوں کا نام لے کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے، اور اگر چاہو تو میں نویں آدمی کا نام بھی لے سکتا ہوں، لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا: نواں میں ہوں۔

(سیر الصحابہ:۲/ ۱۸۶)

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ بھی صدیقین میں سے ہیں اور بلاشبہ جنتی ہیں

عن سعيد بن زيد أنه قال: أشهد على التسعة أنهم في الجنة، ولو

شهدت على العاشر لم أثم، قيل: وكيف ذاك، قال: كنا مع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم بـ حِراء فقال: اثبت حراء! فإنه ليس عليك إلا نبي أو صدّيق أو شهيد ... الخ. (سنن الترمذي: ۲۱۶/۲) حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ ''میں نو حضرات کے بارے میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ ''جنتی'' ہیں، اور اگر دسویں آدمی کے بارے میں یہی شہادت دوں کہ وہ جنتی ہے تو گنہگار نہ ہوں گا''، آپ سے کہا گیا: یہ بات کس طرح؟ حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم لوگ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حراء پہاڑ پر تھے، (پہاڑ میں جنبش پیدا ہوئی اور وہ حرکت کرنے لگا) تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے حراء! ساکن ہوجا؛ اِس وقت تیرے اوپر یا تو اللہ کے نبی ہیں یا صدّیق یا شہید الخ۔

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کی بنیاد پر یقین کرلیا کہ یہ سب حضرات بلاشبہ ''جنتی'' ہیں اور اسی کی بنیاد پر ان کے جنتی ہونے کی شہادت دی ہے؛ کیونکہ اللہ کے نبی اور رسول اور صدّیق اور شہید کے ''جنتی'' ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ (معارف الحدیث ۲۸۸/۸)

(یہ روایت تفصیل کے ساتھ شروع میں گذر چکی ہے۔)

فضائلِ حضرت ابوعبیدہ ابن الجرّاح رضی اللہ عنہ

نامِ نامی: عامر۔ والد کا نام: عبداللہ؛ (لیکن دادا کی طرف منسوب ہوکر ''ابن الجراح'' کے نام سے مشہور ہوئے)۔ کنیت: ابو عبیدہ۔ لقب: امین

الامت۔ ولادت: ہجرت سے چالیس سال قبل۔ وفات: ۱۸ھ۔ منجملہ عشرۂ مبشرہ کے ایک۔ فاتحِ شام۔ حضرت عمرؓ نے آپ کو حضرت خالد بن ولیدؓ کی جگہ اسلامی افواج کا سپہ سالارِ اعظم مقرر کیا تھا۔ (تحفۃ الالمعی: ۳۸۷/۸)

آپؓ کو بارگاہ نبوت سے امین ہونے کا پروانہ ملا

حضرت انس بن مالکؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: إنّ لكلِّ أمة أمينا، وإن أمينَنا أيتها الأمة: أبو عبيدة ابن الجراح.

ہر امت میں کوئی دیانت دار ہوتا ہے، اور ہمارے دیانت دار اے امتِ محمدیہ! ابوعبیدہ ابن الجراح ہیں۔ (بخاری شریف: ۵۳۰/۱)

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں: ''عاقب وسید'' نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے (یہ دونوں نجران کے نصاریٰ کے وفد میں آئے تھے، عاقب کا نام عبدالمسیح تھا، اور سید کا نام اَیھم یا شرحبیل تھا، ان کے ساتھ ابوالحارث بن علقمہ بھی تھا، یہ سب عیسائی مذہب کے بڑے لوگ تھے، ان کو سورۂ آل عمران: آیت: ۶۱ کے مطابق مباہلہ کی دعوت دی گئی، انہوں نے انکار کیا اور اسلامی حکومت سے مصالحت کی) دونوں نے عرض کیا: آپ ہمارے ساتھ اپنے دیانت دار آدمی کو بھیجیے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ابھی تمہارے ساتھ دیانت دار آدمی کو بھیجوں گا جو واقعی دیانت دار ہے، پس لوگ اس کے لیے اُونچے ہوئے (تاکہ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر پڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا انتخاب فرمالیں، صحابہؓ کا اس میں حرص کرنا صفتِ مذکورہ کو

حاصل کرنے کے لیے تھا؛ نہ کہ ولایت کو حاصل کرنے کے لیے۔ (فتح الباری: ۷/ ۹۴)

پس آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ (ترمذی شریف: ۲/ ۲۱۶)

کنز العمال میں حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مسندِ احمد وغیرہ متعدد کتبِ حدیث کے حوالہ سے بھی نقل کی گئی ہے اور اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد اِن الفاظ میں نقل کیا گیا ہے: لأ بعثنَّ إليكم أميناً حقَّ أمين، أميناً حقَّ أمين، أميناً حقَّ أمين. آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ”أميناً حقَّ أمين“ کا لفظ تین دفعہ فرمایا، ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تین دفعہ اِس کلمہ کے ارشاد فرمانے سے وصفِ امانت کے لحاظ سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی عظمت وفضیلت میں اَور اضافہ ہوجاتا ہے۔

(معارف الحدیث ۸/ ۲۹۰)

قرآنِ پاک اور احادیثِ نبویہ میں ”امانت“ کا لفظ بہت وسیع معنی میں استعمال ہوا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق سے متعلق جو ذمہ داریاں کسی بندہ پر ہوں، صحیح اور پورے طور پر ان کو ادا کرنا۔

اِس روایت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت وتوفیق سے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو اِس صفت میں امتیاز حاصل تھا۔ (معارف الحدیث ۸/ ۲۸۹)

اولادِ آدم میں حضراتِ انبیا علیہم السلام کے بعد اگر کوئی جماعت افضل واکمل، اعلیٰ وارفع، متقی و پرہیزگار اور محبوبِ پروردگار ہے تو وہ صرف اور صرف حضراتِ صحابۂ کرام علیہم الرحمۃ والرضوان کی پاکیزہ جماعت ہے، جن کے قلوب

صفاتِ ذمیمہ سے پاک ومنزّہ تھے، ان کو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر اور آخرت کی لا زوال نعمتوں پر ایسا مضبوط و مستحکم یقین تھا کہ جس کو دنیا ومافیہا کی آرائش وزیبائش کبھی متزلزل نہ کرسکی، ان کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے ایسی محبت تھی کہ ان کے حکموں اور اشاروں پر جان قربان کردینا اور راہِ خدا میں خون کا آخری قطرہ بہا دینا نہ صرف سہل وآسان؛ بلکہ اس کو عین سعادت سمجھتے تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم دینِ مبین کو اللہ تعالیٰ کے پاس سے لانے والے ہیں تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم مکمل امانت ودیانت کے ساتھ امت تک پہنچانے والے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اگر دین سمجھایا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوری انسانیت کو عمل کرکے دِکھایا، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو "اُولٰئِكَ هُمُ الرّٰشِدُوْنَ" کے ذریعہ "راہِ راست پر ہونے کی" سند دی، کبھی ان کو "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" کے خطاب سے نوازا، تو کبھی "لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ" کا مژدہ سنایا، اور کبھی "اَشِدَّاءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ" سے ان کے دینی مزاج وافتادِ طبع کا تذکرہ کیا، تو کبھی "لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ" کے ذریعہ ان سے بغض وعداوت رکھنے والوں کی جبلّتِ فاسدہ وکاسدہ، فطرتِ خبیثہ وخسیسہ کو اُجاگر کیا، کبھی "وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ" إلی قولہ: "فَاُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" سے ان کے جذبۂ ایثار وسخاوت اور کمزوروں سے محبت والفت اور اخروی فلاح کو بیان کیا، تو کبھی "تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا" سے ان کی عبادت وریاضت کو سراہا، لا تعداد احادیثِ طیبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقب وفضائل میں وارد ہوئی ہیں، جو ان کے اعلیٰ وارفع

ہونے کی کھلی ہوئی شہادتیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ''اسوۂ رسول'' و ''اسوۂ صحابہ'' اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

مراجع ومصادر:

① قرآن کریم ② تفسیر روح المعانی ③ بخاری شریف ④ مسلم شریف ⑤ ترمذی شریف ⑥ عمدۃ القاری ⑦ فتح الباری ⑧ معارف الحدیث ⑨ تحفۃ الالمعی ⑩ تحفۃ القاری ⑪ رحمۃ اللہ الواسعۃ ⑫ سیر الصحابہ ⑬ حیاۃ الصحابہ ⑭ کنز العمال مترجم ⑮ ابوبکر صدیق اکبر ⑯ عقائد اسلام ⑰ ندائے شاہی دسمبر ۲۰۱۱ء

حضرت ابوبکر صدیقؓ

ازقلم: عبدالرحیم کشمیری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاہلیت کے گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جن مقدس ہستیوں کے ذریعہ دنیا میں دینِ اسلام کی روشنی پھیلائی گئی، وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت ہے، یہی وہ حضرات ہیں جنہیں دنیا ہی میں ''رضی اللّٰه عنهم ورضوا عنه'' کا مژدہ سنایا گیا، یہی وہ پاکیزہ نفوس ہیں جنہیں براہِ راست مشکاۃِ نبوت کے انوارات سے اپنے دلوں کو منور کرنے کی سعادت حاصل ہوئی، جس کی برکت سے یہ راہِ ہدایت کے روشن ستارے ٹھہرے؛ اور زبانِ رسالت سے ''رہبر ورہنما'' قرار پائے؛ لیکن ان میں سے بعض خصوصی فضیلت کے حامل ہیں جو کہ ''عشرۂ مبشرہ'' کے نام سے یاد کیے جاتے ہیں، جنھیں دنیا میں ہی اخروی کامیابی کی بشارت دی گئی، جن کی مثال اپنے ساتھیوں میں ایسی ہے جیسے کہ آسمانی ستاروں میں کہکشاں، اور اسی کہکشاں کا ایک روشن ستارہ ۔جو انبیا کے بعد پوری انسانیت میں افضل قرار دیا گیا۔خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ اقدس ہے۔

بابِ اول

حیات وخدمات

پیدائش: آپ رضی اللہ عنہ کی پیدائش نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے دوسال چند مہینے کے بعد ہوئی اور آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی عمرِ عزیز کے تریسٹھ سال پائے۔

(تاریخ الخلفاء للسیوطی:۲۸)

نام: زمانۂ جاہلیت میں آپ کا نام ''عبدالکعبہ'' تھا جسے آپ کے والد نے کعبہ کی حرمت کے پیشِ نظر رکھا تھا، اسلام لانے کے بعد نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کا نام عبداللہ تجویز فرمایا۔

(الریاض النضرۃ ۱/ ۷۷ بحوالہ ازالۃ الضیق بسیرۃ سیدنا ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ: ۴۸)

لقب: کتبِ تاریخ میں آپ کے پانچ القاب مذکور ہیں: ① عتیق ② صدیق ③ صاحب ④ اَوّاہ ⑤ اتقیٰ۔ (الخلیفۃ الاول ابوبکر الصدیق: ۱۸-۱۹)

عتیق کی وجہِ تسمیہ

① کہتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کے خوبرو اور حسین وجمیل ہونے کی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ کو ''عتیق'' کہا گیا۔ اس قول کو لیث بن سعد، احمد بن حنبل، ابن معین رحمہم اللہ اور دیگر حضرات نے بیان کیا ہے۔

② کچھ کا کہنا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کے پاکیزہ نسب کی وجہ سے ''عتیق'' کہا گیا؛ اس لیے کہ آپ کے نسب میں کوئی نقص نہ تھا۔

③ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ آپ کی والدہ (ام الخیر) کی اولاد زندہ نہیں رہ پاتی تھی؛ لیکن جب آپ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر بیت اللہ گئی اور دعا کی: ''اللهم إن هذا عتيق من الموت فهبه لي''، تب ہی سے آپ کو عتیق کہا جانے لگا۔

④ ترمذی اور حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ: حضرت ابو

بکر صدیق رضی اللہ عنہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تشریف لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”یاأبا بکر أنت عتیق من النار“ اسی دن سے آپ کو عتیق کہا جانے لگا۔

صدیق کی وجہِ تسمیہ

① حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُحد پہاڑ پر چڑھے، اور ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے، پہاڑ ہلنے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”اثبت أحد! فإنها علیک نبي وصدیق وشهیدان“.

(بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب فضل ابی بکر: ۱۱ /۵۱، بحوالہ الخلیفۃ الاول: ۱۸)

② ”الخلیفۃ الاول“ میں مذکور ہے کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوالِ عجیبہ وغریبہ اور ارشادِ سراپا شاد کی بکثرت تصدیق کی بنا پر آپ رضی اللہ عنہ کو صدیق کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔

③ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک رات مسجدِ اقصیٰ اور وہاں سے عرش تک لے جایا گیا، صبح وہ لوگ جو آپ پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور آپ کی تصدیق نہیں کرتے تھے، انہوں نے آپ کو جھٹلا دیا اور کچھ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہنے لگے: آپ کو پتہ ہے کہ آپ کا دوست کیا کہہ رہا ہے، وہ یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ گذشتہ رات انہیں بیت المقدس لے جایا گیا اور وہاں سے عرش تک لے جایا گیا،، اس پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: وہ واقعی ایسا کہہ رہے ہیں؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں، تب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: صَدَقَ، تب وہ تو ٹھیک ہی کہہ

رہے ہیں۔ (الخلیفۃ الاول: ۱۸)

مذکورہ بالا روایات سے آپ کو ''صدیق'' لقب دیے جانے کی وجوہات واضح ہو کر سامنے آگئیں۔

صاحب کی وجہِ تسمیہ

قرآنِ کریم میں اللہ عزوجل نے فرمایا: إلا تنصروه فقد نصره الله إذ أخرجه الذين كفروا ثاني اثنين إذ هما في الغار إذ يقول لصاحبه ...والله عزيز حكيم (التوبہ: ۴۰) تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ آیتِ مذکورہ میں ''صاحبہٖ'' سے مراد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(تاریخ الدعوۃ فی عہد الخلفاء: ۳۹ بحوالہ الخلیفۃ الاول: ۱۹)

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں: آپ کے عظیم الشان مناقب کی وجہ سے آیتِ مذکورہ میں باری سبحانہ وتعالیٰ کے فرمان ''صاحبہٖ'' سے مراد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔ (الاصابہ فی تمییز الصحابۃ: ۴ / ۱۱۴۸ بحوالۂ مذکورہ)

اواہ کی وجہِ تسمیہ

صاحب الطبقات الکبریٰ فرماتے ہیں: خوف وخشیتِ خداوندی کی وجہ سے یہ لقب سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیا گیا۔

ابراہیم نخعیؒ فرماتے ہیں: اس لقب سے سب سے پہلے متصف ہونے والے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں، چوں کہ آپ نہایت رقیق القلب تھے۔

(الطبقات الکبریٰ: ۳ / ۱۷۱ بحوالہ الخلیفۃ الاول: ۱۹)

اتقیٰ کی وجہِ تسمیہ

اللہ رب العزت نے وسیجنبھا الاتقی میں آپ رضی اللہ عنہ کو ''اتقی'' کے لقب سے ملقب کیا۔ (الخلیفۃ الاول:۱۹)

کنیت: آپ کی کنیت ابوبکر رضی اللہ عنہ تھی جو شہرت میں نام سے بھی زیادہ فائق ثابت ہوئی۔

والد ماجد کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہ کا نسب یہ ہے: عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔

والدہ ماجدہ کی طرف سے آپ رضی اللہ عنہ کا نسب یہ ہے: ام الخیر بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۱۹)

دونوں کے سلسلۂ نسب کی چھٹی کڑی ''مرہ بن کعب'' پر یکجا ہو کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نسبِ عالی سے جا ملتی ہے۔

والدین کا تعارف اور ان کے اسلام لانے کا واقعہ

آپ کے والد کا نام ''عثمان'' اور کنیت ''ابو قحافہ'' تھی، آپ رضی اللہ عنہ بھی فرزندِ نیک ارجمند کی طرح اپنی کنیت ہی سے مشہور ہوئے، مکہ کے معزز لوگوں میں آپ کا شمار تھا، کافی سن رسیدہ تھے، جب اسلام کی دعوت کا چرچا ہوا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس دعوت پر لبیک کہا، اور ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں اسلام کے قالب میں ڈھلنا کفارِ مکہ سے جھگڑا مول لینے کے مترادف تھا، چناں چہ ابو قحافہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

کے حلقہ بگوشِ اسلام ہو جانے کو جوانی کی اُپَج اور جوش سمجھا۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا بیان ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ہجرت کے موقع پر ثور میں پناہ لی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خیریت دریافت کرنے کے لیے حضرت ابو بکرؓ کے گھر پہنچا، تو ابو قحافہ لاٹھی ہاتھ میں لیے آگ بگولہ ہو گئے، اور باہر آ کر کہنے لگے: یہ بھی انہیں لونڈوں میں سے ایک ہے جنہوں نے میرے بیٹے کو بگاڑ دیا ہے۔ (الاصابہ: ۲/ ۴۵۳ بحوالہ صدیقِ اکبرؓ: ۳۰)

فتحِ مکہ کے روز حضرت ابو بکرؓ ان کو انتہائی پیری کی حالت میں لے کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے، نبیٔ رحمت للعالمین نے فرمایا: ”یا أبا بکر هلا ترکته حتی ناتیه“، ابو بکر! تم نے انہیں کیوں تکلیف دی، میں خود ان کے پاس چل کر آ جاتا۔ حضرت ابو بکرؓ کہنے لگے: ”هو اولی أن یأتیک یا رسول اللّٰه“ اللہ کے رسول! وہ خود آپ کی خدمت میں آداب بجالانے کے حقدار ہیں، چناں چہ اس کے بعد اسلام لائے۔ (الاصابہ: ۴/ ۳۷۵، بحوالہ صدیقِ اکبر: ۳)

بیان کیا جاتا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر کو والد کے قبولِ اسلام کی مبارک بادی دی، اور چوں کہ اس وقت حضرتِ ابو قحافہ کے بال بالکل سفید ہو چکے تھے، سو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ”غَیِّرُوْا هٰذَا مِنْ شَعْرِهٖ“ ان کے بالوں کا خضاب کر دو۔ (الاصابہ: ۴/ ۳۷۵، بحوالہ الخلیفۃ الاول: ۲۱)

یہ واقعہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے توقیرِ بزرگاں اور حضرت صدیقؓ کے والہانہ

عشقِ رسول اور اکرامِ رسول کی جیتی جاگتی مثال ہے۔

آپ کی والدہ کا نام سلمیٰ اور کنیت ام الخیر تھی، اوائلِ عہدِ اسلام ہی میں ایمان لے آئی تھیں۔ (تاریخ الدعوۃ فی عہد خلفاء الراشدین: ۳۰، بحوالہ الخلیفۃ الاول: ۲۱)

حلیۂ مبارک

اصحاب السیر نے راویوں کی زبانی حضرت ابوبکرؓ کی خِلقی صفات اس طرح بیان فرمائی ہے کہ رنگ گورا مائل بہ زردی، متناسب قد وقامت، مُنْحَنی جسم، خمدار کمر، گہری آنکھیں، چھریرا بدن، قدرے بلند اور باریک ناک، پتلی پنڈلیاں، زانوئے مبارک مضبوط اور کم گوشت والے تھے، بلند کشادہ پیشانی، انگلیوں کی جڑوں پر گوشت کم تھا، داڑھی اور سر کے سفید بالوں کو کتم اور مہندی سے خضاب کرتے تھے۔ (بخاری: ۵۸۹۵ مسلم: ۲۳۴۱، ابوبکر صدیق: ۳۲، بحوالہ الخلیفۃ الاول: ۲۰)

عہدِ جاہلیت

نشو ونما، قیام اور وجاہت: آپؓ نے مکہ ہی میں نشو ونما پائی، سوائے تجارت کی غرض کے مکہ سے کبھی نہ نکلے۔ بڑے متمول، بامروت، احسان وبھلائی کے خوگر اور مکہ والوں میں بڑی عزت وبزرگی والے تھے، آپؓ کی وجاہت اور عمدہ خصائل کا اندازہ ابن الدغنہ کے اس قول سے لگائیں جو اس نے آپ سے کہا تھا کہ: آپ صلہ رحمی کرنے والے، سچ بولنے والے اور مصائب وآلام کے وقت صبر کے پہاڑ اور نازک حالات میں لوگوں کے کام آنے والے اور مہمانوں کا

اکرام کرنے والے ہیں۔

قریش میں آپؓ کا مقام ومرتبہ: امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ: زمانۂ جاہلیت میں آپ کا شمار قریش کے سرداروں میں ہوا کرتا تھا، آپ ان کی مجلسِ شوریٰ کے ممبر تھے، مکہ کی ہر دل عزیز اور پسندیدہ شخصیت تھے، دورِ جاہلیت میں بھی لوگ دیت کے فیصلے آپ ہی سے کرواتے تھے۔ غور طلب بات یہ ہے کہ جب اسلام کا آفتابِ عالم تاب طلوع ہوا تو ان تمام شرف وفضیلت کو بالائے طاق رکھ کر پورے طور پر نہ صرف دائرۂ اسلام میں داخل ہوگئے؛ بلکہ اشاعتِ اسلام کے لیے دین کے ایک بےلوث، مخلص اور سرگرم سپاہی بن گئے۔

ابن عساکر نے معروف بن خُربوذ سے یہ روایت ذکر کی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ قریش کے ان دس افراد میں سے ایک ہیں جنہیں زمانۂ جاہلیت اور زمانۂ اسلام دونوں میں سرداری کا شرف نصیب ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ قریش میں مختلف خدمات مختلف شاخوں کے سرداران کے ذمہ تھیں، چناں چہ تیمی خاندان میں حضرت ابوبکرؓ کی حلم وبردباری کی بنا پر دِیّات، خون بہا اور تاوان وغیرہ کی ذمہ داریاں ان کے سپرد کی گئیں۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی:۲۹)

سلامتِ طبع: ابن عساکر نے حضرت عائشہؓ سے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: بخدا آپؓ نے زمانۂ جاہلیت میں کبھی فحش شعر نہیں کہا، اور نہ ہی دولتِ اسلام مل جانے کے بعد۔ ابونعیم نے حضرت عائشہؓ سے صحیح

سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ: آپ رضی اللہ عنہ زمانۂ جاہلیت ہی میں اپنے آپ پر شراب حرام کر چکے تھے۔ ابن عساکر نے ابوالعالیہ ریاحی سے نقل کیا ہے: صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے مجمع میں ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سوال کیا گیا: حضرت آپ رضی اللہ عنہ نے زمانۂ جاہلیت میں کبھی شراب پی؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ کی پناہ، تو آپ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: آخر کیوں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: میں اپنی عزت کو بچاتا ہوں اور اپنی مروت کی حفاظت کرتا ہوں؛ اس لیے کہ شراب نوش تو اپنی عزت ومروت کو کھو دیتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے یہ قصہ بیان کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "صدق أبو بكر صدق أبو بكر"۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی:۲۹)

ایک پیشین گوئی: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ملکِ شام میں قیام پذیر تھے کہ اُن دنوں آپ رضی اللہ عنہ نے ایک خواب دیکھا، آپ نے وہ خواب بحیرا راہب کے سامنے بیان کیا تو راہب نے اُن سے پوچھا کہ: آپ کہاں سے تعلق رکھتے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: مکہ سے، راہب نے پوچھا: کس قبیلہ سے ہو؟ جواب دیا کہ: قبیلۂ قریش سے، پھر اس نے سوال کیا: آپ کا پیشہ کیا ہے؟ جواب دیا: تجارت، تب راہب نے کہا: اگر اللہ نے آپ کا یہ خواب سچ کر دکھایا، تو آپ نبیٔ آخر الزماں کی حیات میں ان کے وزیر ہوں گے اور ان کی وفات کے بعد اُن کے جانشیں ہوں گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ بات دل ہی دل میں چھپا رکھی، جس وقت حضورِ پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر وحی کا نزول ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو دینِ الٰہی کی دعوت دینے

لگے تو سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر دعوت پیش کی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ ساتھی ہیں جن کو آپ بعثت سے پہلے جانتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اچھی طرح واقف تھے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کے سامنے دعوت پیش کرتے ہوئے کہا: میں اللہ کا رسول اور اس کا نبی ہوں، اللہ نے مجھے مبعوث فرمایا اور حکم دیا کہ اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو اور اسی کی فرماں برداری کو لازم پکڑو، یہ سننا ہی تھا کہ آپ رضی اللہ عنہ بلا تأمل اور بغیر پس وپیش کیے حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نصرت واعانت کا وعدہ کیا اور پھر اس کو کماحقہٗ پورا بھی کر دکھایا، ”إن الله بعثني إليكم فقلتم: كذبت، وقال أبو بكر: صدق، وواساني بنفسه وماله، فهل أنتم تار كولي صاحبي“؟۔ (الخلیفۃ الاول:٢٩)

آپ رضی اللہ عنہ کا قبولِ اسلام

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ جاہلیت کے دوست تھے، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ملاقات کے ارادہ سے گھر سے نکلے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات ہوئی تو عرض کیا: اے ابو القاسم! (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کنیت) کیا بات ہے آپ اپنی قوم کی مجلسوں میں نظر نہیں آتے، اور لوگ آپ پر یہ الزام تھوپتے ہیں کہ آپ ان کے آبا واجداد کو بُرا بھلا کہتے ہو، اور ان کے عیوب تلاش کرتے ہو؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں تو اللہ کا رسول ہوں، اور تمہیں اللہ کے دین کی دعوت دیتا ہوں۔ جوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بات پوری فرمائی،

حضرت ابوبکر فوراً مسلمان ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرتِ ابوبکر کے اسلام لانے سے اس قدر خوش ہوئے کہ کوئی بھی مکہ کی ان دونوں پہاڑیوں کے درمیان (جن کو اخشبین کہتے ہیں) آپ سے زیادہ خوش نہ تھا۔

حضرت ابوبکرؓ وہاں سے حضرت عثمان بن عفان اور حضرت طلحہ بن عبیداللہ، حضرت زبیر بن عوام اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہم کے پاس تشریف لے گئے، یہ حضرات بھی مسلمان ہوگئے، دوسرے روز آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حضرت عثمان بن مظعون، حضرت ابوعبیدہ بن جراح، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سلمہ بن عبدالاسد اور حضرت ارقم بن ابوالارقم رضی اللہ عنہم کو لے کر حاضر ہوئے، اور یہ تمام حضرات بھی مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(الحافظ ابوالحسن الطرابلسی کذا فی البدایہ: ۳/ ۲۹ بحوالہ حیاۃ الصحابہ: ۱/ ۸۳)

تبلیغِ اسلام میں آپؓ نے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کا پورا پورا حق ادا کیا، رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر روز بلا ناغہ صبح وشام آپؓ کے مکان پر تشریف لے جاتے اور تبلیغِ اسلام کے متعلق راز دارانہ مشورے ہوتے، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جن قبیلوں، جن بستیوں اور جن میلوں میں خدا کا پیغام سنانے تشریف لے جاتے تو آپؓ بھی ہمراہ ہو لیتے، آپؓ ہی کی محنت سے اجلۂ صحابہؓ مشرف بہ اسلام ہوئے جن کا تذکرہ ماقبل میں ہو چکا۔

غلاموں پر قریش کے مظالم اور حضرت ابوبکرؓ کی دادرسی: دعوتِ اسلام

کے پر آشوب دور میں حضرت ابو بکر صدیقؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ راست اور قوت بازو تھے، جنہوں نے زندگی کی ہر سانس دعوت الی اللہ اور اسلام کی نشر واشاعت کے لیے وقف کر رکھی تھی، جہاں ایک طرف وہ سردارانِ قریش کو اسلام کی طرف بلاتے تھے وہیں دوسری جانب ان غریب و بے کس غلاموں کی طرف ہمیشہ دستِ تعاون دراز رکھتے تھے جو محض دعوتِ حق قبول کر لینے کی پاداش میں قریش کے ظلم وستم کے تختۂ مشق بنے ہوئے تھے، چناں چہ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے ظالم سردارانِ مکہ کے شکنجہ سے کئی صحابۂ کرامؓ کو آزادی کی نعمتِ غیر مترقبہ سے نوازا، ذیل میں ان کے مختصر حالات سپردِ قرطاس کیے جاتے ہیں:

<u>حضرت بلالؓ:</u> یہ نسبتاً حبشی اور امیہ بن خلف کے غلام تھے، امیہ ٹھیک دوپہر کے وقت جب کہ عرب کی زمین آگ کا توا بن جاتی تھی حضرت بلالؓ کو اس پر لٹا دیتا اور پتھر کی چٹان سینے پر رکھ دیتا؛ تاکہ جنبش نہ کر سکیں اور ان سے کہتا کہ اسلام سے پھر جا؛ ورنہ اسی حالت میں تڑپ تڑپ کر مر جائے گا۔ حضرت بلالؓ اس کے جواب میں ''اَحد اَحد'' کا ایسا نعرۂ مستانہ لگاتے گویا ان کو اس میں مزہ ملتا ہو اور یہ شقی آپ کے گلے میں رسی باندھ کر اوباشوں کے حوالے کر دیتا جو اسی حالت میں انہیں گھسیٹ گھسیٹ کر شہر میں لیے پھرتے؛ لیکن اس عالم میں بھی آپ ''احد احد'' فرماتے رہتے، حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب یہ حالات دیکھے تو آپ سے رہا نہ گیا اور امیہ سے خرید کر آپ کو آزاد کر دیا۔

عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ: طفیل بن عبد اللہ جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اخیافی (ماں شریک) بھائی تھے حضرت بلال وعمار ومصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ عامر بن فہیرہ نے بھی اسلام قبول کیا، چناں چہ انہوں نے بھی سخت مصائب وآلام کا سامنا کیا؛ لیکن اسلام پر استقامت ومضبوطی کے ساتھ جمے رہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو ان کے حالات کا علم ہوا تو آپ نے ان کو بھی خرید کر آزاد کر دیا۔ (صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ: ۱۰-۱۱)

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ: حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ پر سب سے بڑا ظلم یہ کیا گیا کہ ایک دن کوئلے دہکائے گئے اور ان کو دہکائے ہوئے کوئلوں پر چت لٹایا گیا، ایک شخص کو سینے پر پیر رکھوا کر کھڑا کر دیا، تاکہ ہٹنے نہ پائیں، آپ کی چربی اور خون سے وہ انگارے سرد ہوتے، مدتوں کے بعد حضرت فاروقِ اعظم کے سامنے اس ظلم کا تذکرہ ہوا تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے اپنی پیٹھ کھول کر دکھائی جو ساری سفید ہو چکی تھی۔ آپ رضی اللہ عنہ کو بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے خرید کر آزاد فرمایا۔

حضرت عمار رضی اللہ عنہ: حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے والد یاسر رضی اللہ عنہ دونوں ایک ساتھ گرم ریت پر لٹائے جاتے اور اس قدر مارا جاتا کہ بے ہوش ہو جاتے، حضرت یاسر رضی اللہ عنہ تو اسی میں جاں بحق ہو گئے، حضرت عمار کو خرید کر آزاد فرمایا۔ اسی طرح اور بھی غلاموں کو خرید خرید کر آزاد فرمایا مثلاً: حضرت صہیب رومی، حضرت فکیہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زنّیرہ۔ (سیرت خلفائے راشدین: ۳۳)

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی یہ فیاضیاں خالصۃً لوجہ اللہ تھیں۔ ایک مرتبہ ان کے

والد ابو قحافہ نے کہا: ابو بکر تم زیادہ تر کمزوروں اور ان میں بھی عورتوں کو خرید خرید کر آزاد کرتے ہو، بھلا بتلاؤ! یہ تمہارے کس کام آویں گے؟ اگر ان کے بجائے تم تندرست توانا غلام مردوں کو خرید کر آزاد کرو تو کبھی وقت پڑنے پر وہ تمہاری مدد بھی کر سکتے ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: ابّا جان! میں تو یہ سب کچھ صرف انعامِ خداوندی حاصل کرنے کے لیے کرتا ہوں۔ (صدیقِ اکبر: ۱۳)

مکہ کے لیل ونہار اور آپ کی دردانگیز قربانیاں

مکہ کا دور اہلِ اسلام کے لیے نہایت ہی صبر آزما تھا، خود آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے ساتھ آپ کے جاں نثاروں کو اس قدر تکلیفیں پہنچائی جاتیں کہ آج بھی ان کا تصور جسم پر لرزہ طاری کر دیتا ہے؛ لیکن اسلام وہ نشہ نہیں تھا جس کو جسمانی تکلیفوں کی تُرشی اتار سکتی۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو اپنی چنداں فکر نہیں تھی؛ البتہ ہر وقت یہ فکر دامن گیر رہتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی آنچ نہ آوے۔

کفار جب کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دستِ ظلم دراز کرتے تو یہ جاں نثار مخلص رفیق خود کی جان داؤ پر لگا کر سینہ سپر ہو جاتا۔ ایک دفعہ آپ خانۂ کعبہ میں دعوت دے رہے تھے، مشرکین اس سے سخت برہم ہوئے، اور آپ کو اس قدر مارا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے ہوش ہو گئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر کہا: کم بختو! کیا تم صرف ان کو اس لیے قتل کر دو گے کہ وہ ایک خدا کا نام لیتے ہیں۔

(فتح الباری: ۷/ ۱۲۹ بحوالہ سیر الصحابہ: ۱/ ۲۳-۲۴)

اسی طرح ایک روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں عقبہ بن معیط نے اپنی چادر گردنِ مبارک میں ڈال کر اِس طرح بَل دیا کہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دم گھٹنے لگا، اتنے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے، عقبہ کو کاندھوں کے بل دھکا دے کر وہاں سے ہٹایا اور بولے! ارے ظالمو! کیا تم اس کو قتل کرو گے جو تمہارے پاس خدا کی نشانیاں لایا اور کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ (سیر الصحابہ ۱/ ۲۴)

مسندِ بزار میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ قریش نے آپ کو گھیر رکھا تھا، کوئی آپ کو پکڑ کر کھینچتا، کوئی دھکا دیتا اور کہتے کہ تو وہی ہے جس نے سب خداؤں کو ملا کر ایک کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ منظر اس قدر بھیانک تھا کہ ہم میں سے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جانے کی ہمت نہ ہوئی۔ ہاں! ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور انہوں نے قریشیوں میں سے کسی کو مارا، کسی کو دھکا دیا، کسی کو پیچھے ہٹایا اور کہتے جاتے: بدبختو! کیا تم اس کو قتل کر دو گے جو اللہ کو اپنا رب کہتا ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ: یہ کہہ کر حضرت علی نے اپنی چادر اٹھائی اور رونے لگے: یہاں تک کہ داڑھی تر ہوگئی، اس حالت میں لوگوں سے پوچھا: اچھا بتاؤ: آلِ فرعون کا مؤمن اچھا تھا یا ابوبکر؟ لوگ خاموش رہے، آپ نے دریافت فرمایا: کیا مجھ کو جواب نہیں دو گے؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ: بخدا! ابوبکر کا ایک لمحہ آلِ فرعون کے مؤمن جیسے شخص کے ہزاروں لمحوں سے بہتر ہے؛ اس لیے کہ یہ شخص

ایمان پوشیدہ رکھتا تھا اور ابوبکر رضی اللہ عنہ اپنے ایمان کا اعلان کرتے تھے۔ (صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ: ۱۰)

ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: حضور! ہم اسلام کا کھل کر اعلان و اظہار کیوں نہ کریں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابو بکر! ابھی ہم لوگ بہت تھوڑے ہیں؛ مگر آپ رضی اللہ عنہ برابر عرض کرتے رہے! یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باہر تشریف لائے اور پھر سب لوگ کعبہ کے اندر ادھر اُدھر بیٹھ گئے اور حضرت ابوبکر صدیق وعظ کہنے کھڑے ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تشریف فرما تھے۔ اسی وعظ کی وجہ سے اصحابِ سیر کا کہنا ہے:

"وكان أول خطيب دعا إلى الله عز وجل وإلىٰ رسول صلى الله عليه وآله وسلم"۔

آپ پہلے واعظ اور خطیب ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوگوں کو دعوت دی۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کہنا تھا کہ مشرکین چاروں طرف سے آپ پر ٹوٹ پڑے اور وہاں موجود دوسرے مسلمانوں کو بھی بہت زدوکوب کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو پیروں تلے روند ڈالا اور بہت سخت پیٹا، عتبہ بن ربیعہ نے تو آپ کو جوتیوں سے مارنا شروع کیا، آپ کے چہرہ پر مارا جس سے چہرہ پر اس قدر ورم آ گیا کہ ناک اور منہ معلوم نہ ہوتا، تھا یہاں تک کہ بے ہوش ہو گئے، اتنے میں قبیلۂ بنی تیم کے لوگ دوڑتے ہوئے آئے اور انہوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس سے مشرکوں کو ہٹایا اور ان کو کپڑے میں لٹا کر ان کے گھر لے گئے، ان سب کو یقین تھا کہ اب یہ زندہ نہ

رہیں گے، پھر بنی تیم کے لوگ لوٹ کر کعبہ میں آئے اور کہنے لگے کہ: اللہ کی قسم! اگر ابوبکر رضی اللہ عنہ مر گئے تو ہم ضرور بالضرور عتبہ کو مار ڈالیں گے، اس کے بعد پھر وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے، ابوقحافہ اور قبیلۂ بنی تیم کے لوگ ان کو برابر آواز دیتے رہے؛ مگر آپ پر بے ہوشی طاری تھی، جواب نہ دے سکتے تھے، یہاں تک کہ شام ہوگئی، جب انہیں ہوش آیا تو سب سے پہلے یہ بات پوچھی کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے ہیں؟ قبیلہ کے لوگوں نے جب یہ سنا تو اُن کو بُرا بھلا کہنے لگے کہ جس شخص کی وجہ سے تم کو یہ تکلیف پہنچی ہے تم اُسی کا پوچھ رہے ہو! لوگ اُٹھ کر چل دیے۔

آپ کی والدہ آپ کے پاس آئیں اور کھانے پینے پر اصرار کرتی رہیں؛ مگر آپ کا ایک ہی سوال رہا کہ بتاؤ! حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے؟ ماں نے کہا: بیٹا! مجھے معلوم نہیں کہ وہ اس وقت کس حال میں ہیں، آپ نے والدہ سے کہا کہ: اِم جمیل رضی اللہ عنہا کے پاس جا کر معلوم کریں، والدہ وہاں گئیں، انہوں نے بھی لاعلمی کا اظہار کردیا؛ تاہم وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ملنے کے لیے آئیں؛ تاکہ اُن کو کھانے پینے پر راضی کرسکیں، امِ جمیل نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو ضبط نہ کرسکیں اور کہا کہ: جن لوگوں نے تمہارے ساتھ ایسا کیا ہے وہ بڑے ناہنجار قسم کے لوگ ہیں، مجھے یقین ہے کہ اللہ اُن سے تمہارا انتقام ضرور لے گا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: یہ باتیں بعد میں کرنا، پہلے یہ بتاؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیسے ہیں؟ امِ جمیل رضی اللہ عنہا نے آہستہ سے کہا کہ: تمہاری والدہ سُن رہی ہیں تم ابھی نہ پوچھو؛ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: میری

والدہ سے کچھ اندیشہ نہ کرو تو اُم جمیل نے کہا کہ: ابوبکر فکر کی بات نہیں ہے وہ صحیح سالم ہیں، پوچھا: کہاں تشریف رکھتے ہیں، اُم جمیل نے کہا؛ دارِ ارقم میں ہیں۔ اس کے بعد جب ان دونوں نے ان کو کھانے پر راضی کرنے کی کوشش کی تو حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ: میں نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور پہنچ کر آپ کا دیدار نہ کرلوں گا وہاں تک نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔

چناں چہ دن ڈھل گیا اور لوگ اپنے اپنے گھروں میں سو گئے تو آپ کی والدہ اور اُم جمیل نے آپؓ کو ساتھ لیا اور آپؓ ان دونوں پر ٹیک لگاتے ہوئے چلے؛ یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں جا پہنچے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو حضرت ابوبکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جھک پڑے اور آپ کی پیشانی مبارک کو چوم لیا اور سب مسلمان حضرت ابوبکر پر جھک پڑے، خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دوست کا یہ حال دیکھا تو آپ بھی رو پڑے، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: آپ پر میرے ماں باپ قربان! جو کچھ ان بد بخت لوگوں نے میرے ساتھ کیا ہے اب اس کا مجھے کوئی دکھ نہیں ہے (آپ کی زیارت ہوگئی اِس سے سب تکلیفیں دور ہوگئیں) ہاں! ایک عرض ضرور ہے کہ یہ میری والدہ ہیں اور بڑی خدمت گزار ہیں اور آپ سرچشمۂ برکت ہیں، آپ انہیں اللہ کی جانب بلایئے اور اُن کے بارے میں اللہ سے دعا کیجئے، امید ہے کہ اللہ آپ کی دعا کی برکت سے ان کو اسلام کی دولت وسعادت نصیب فرماوے۔ (الریاض النضرۃ ۱/ ۷۶۔ ازالۃ ۱/ ۱۸۶ بحوالہ ازالۃ الضیق: ۹۸)

شعب ابی طالب

سو جب سے حضرت ابوبکرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دامن پکڑا اس دن سے بس آپ ہی کے ہو کر رہ گئے تھے، آپ کی خوشی ان کی خوشی اور آپ کا دکھ ان کا دکھ ہو گیا تھا، آپؓ ہمیشہ اپنے محبوب آقا کے ساتھ رہتے اور اسلام کی خاطر ساری تکالیف نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت فرماتے رہے۔ شعبِ ابی طالب میں جب مسلمان محصور کر دیے گئے اس وقت بھی آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہمراہ تھے حالاں کہ بائیکاٹ تو صرف بنی ہاشم سے ہوا تھا، اس واقعہ کے گواہ خود جناب ابوطالب ہیں جس وقت جناب ابوطالب اس محاصرہ سے باہر آئے حضرت ابوبکر بھی اسی وقت نکلے تھے، جناب ابوطالب نے اُن دنوں کی یاد میں جو قصیدہ کہا تھا اس میں خود کہتے ہیں:

هم رجعوا سهل بن بيضاء راضيا	وسر أبو بكر بها ومحمد

قریش نے بیضاء کے بیٹے سہل کو خوش کر کے واپس کر دیا اور ابوبکر اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دونوں اس پر خوش ہو گئے۔

(سیرت ابن ہشام: ۱/ ۴۱۶، ناسخ التواریخ: ۲/ از کتاب اوّل: ۶۲۲ بحوالہ ازالۃ الضیق: ۱۰۰-۱۰۱)

ہجرت کا ارادہ اور واپسی

جب مسلمانوں کو آزمایا جانے لگا اور تکلیفیں پہنچائی جانے لگیں تو حضرت ابوبکر صدیقؓ سرزمینِ حبشہ کی طرف ہجرت کے ارادہ سے نکلے، جب آپؓ ''برک الغماد'' تک پہنچے تو قبیلۂ قارہ کے سردار ابن الدغنہ سے ملاقات ہوئی

(ایک قول کے مطابق اس کا نام حارث بن یزید تھا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام مالک تھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اس کا نام ربیعہ بن رفیع تھا) اس نے آپؓ سے پوچھا: کہاں کا ارادہ ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ: میری قوم نے مجھے نکال دیا ہے؛ اس لیے میں چاہتا ہوں کہ زمین کی سیاحت کروں اور پالنہار کی عبادت و پرستش کروں۔ ابن الدغنہ نے کہا: ”فإن مثلک یا أبا بکر لا یخرج ولا یُخرج إنک تکسب المعدوم وتصل الرحم وتحمل الکل، وتقري الضیف، وتعین علیٰ نوائب الحق“، چناں چہ حضرت ابوبکرؓ ابن الدغنہ کے ساتھ لوٹ آئے۔ ابن الدغنہ قریش کے سرداروں میں گھومے اور ان سے کہا: ابوبکر جیسا آدمی نہ نکلے گا اور نہ نکالا جائے گا، میں ان کو اپنی پناہ میں لیتا ہوں۔ قریش ابن الدغنہ کے پناہ دینے کی وجہ سے خاموش رہے اور ابن الدغنہ سے کہا: آپ ابوبکر کو حکم دیجیے کہ وہ اپنے گھر میں اپنے پروردگار کی عبادت کریں اور وہیں نماز بھی پڑھ لیا کریں؛ لیکن ان چیزوں کے ذریعہ ہمیں تکلیف نہ دیں؛ اس لیے کہ ہمیں یہ خدشہ ہے کہ کہیں وہ ہماری عورتوں کو اور ہمارے بچوں کو فتنہ میں نہ ڈالیں۔ ابن الدغنہ نے یہ باتیں حضرت ابوبکرؓ سے کہیں، چناں چہ حضرت ابوبکرؓ گھر ہی پر اپنے پروردگار کی عبادت کرتے، نماز پڑھتے اور گھر ہی میں تلاوت بھی فرماتے، پھر حضرت ابوبکرؓ کے دل میں کچھ خیال آیا تو انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں اونچے چبوترے پر مسجد تعمیر کی، اور اس میں نماز پڑھنا شروع کر دیا، آپؓ نہایت

رقتِ قلب کے ساتھ پُرسوز تلاوت فرماتے اور روتے جاتے اتنا روتے کہ ہچکیاں بندھ جاتیں، مشرکین کی عورتیں اور بچے آپ کے پاس جمع ہوجاتے اور آپ کو دیکھ کر تعجب کرتے، اس معاملہ نے قریش کے بڑے بڑے مشرک سرداروں کو بھی خوف زدہ کر دیا، ان سرداروں نے ابن الدغنہ کو بلا بھیجا، چناں چہ ابن الدغنہ آئے، سرداروں نے کہا: ہم نے ابوبکر کو آپ کے پاس اس شرط پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر ہی میں اپنے پروردگار کی پرستش کریں؛ لیکن وہ تو حد تجاوزی کر گئے اور اپنے گھر کے صحن میں مسجد تعمیر کرڈالی، علانیہ نماز ادا کرتے ہیں، اور جہراً قرآن کی تلاوت بھی کرتے ہیں، ہمیں یہ خدشہ لاحق ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہمارے بیوی بچوں کو فتنہ میں ڈالیں، اس لیے آپ انہیں روکیے، اگر انہیں اپنے گھر ہی میں اپنے رب کی عبادت کرنا پسند ہے تو کوئی حرج نہیں، ورنہ اگر وہ انکار کرتے ہیں اور علانیہ طور پر عبادت کرنا چاہتے ہیں تو آپ ان سے درخواست کریں کہ آپ کا ذمہ آپ کو واپس لوٹا دیا جائے گا (یعنی اگر حد تجاوزی کریں گے تو آپ کو پناہ نہیں دی جائے گی) اس لیے کہ ہمیں یہ بالکل پسند نہیں کہ آپ کے ساتھ غداری کریں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ: ابن الدغنہ ان سردارانِ قریش کے پاس سے سیدھے حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا: آپ نے جس چیز کا معاہدہ کیا تھا اسے آپ اچھی طرح جانتے ہیں آپ کو اس پر باقی رہنا پڑے گا؛ ورنہ پھر میرا ذمہ مجھے واپس کردو؛ اس لیے کہ مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں ہے کہ

عربوں میں چرچا ہو کہ جس آدمی سے میں نے عہد و پیمان لیا تھا اس میں دھوکا کھا گیا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے برملا کہا: میں آپ کو آپ کا ذمہ لوٹاتا ہوں، اور اللہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ (مجھے آپ کی پناہ کی کوئی ضرورت نہیں، میں تو اللہ کی پناہ پر راضی ہوں) چناں چہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ابن الدغنہ کے پاس سے نکلے اور جانے لگے تو راستے میں ایک احمق اور بیوقوف قریشی کا سامنا ہوا تو جس نے آپ کے سر پر مٹی ڈالی، اس وقت ولید بن مغیرہ یا عاص بن وائل میں سے کوئی ایک حضرت صدیقِ اکبر کے پاس سے گذرا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس سے کہا: نظر نہیں آتا کہ یہ بیوقوف کیا کر رہا ہے، تو اس نے جواب دیا یہ خود تم نے کیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ کہے جارہے تھے: ای رب ما أحملک، ای رب ما أحملک، ای رب ما أحملک، اے میرے پروردگار! تو کتنا حلیم و بردبار ہے۔

(البدایہ والنہایہ: ۳/ ۹۵ بحوالہ الخلیفۃ الاول: ۳۹-۳۰)

ہجرتِ مدینہ

نزولِ وحی کے بعد تیرہ برس تک حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مکہ میں قیام فرمایا، صبر و تحمل اور عزم و استقلال کی جو شان ان تیرہ برس میں ذاتِ اقدس سے عیاں ہوئی وہ قیامت تک نوعِ انسانی کے واسطے شمعِ ہدایت کا کام دے گی، بارہ تیرہ سال بعد ہجرت کا حکم آیا۔ چناں چہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود ہجرت کرنے سے چار مہینے پہلے اپنے اصحاب کو ہجرتِ مدینہ کی عام اجازت مرحمت

فرمائی، جوق در جوق صحابہؓ دارالہجرت کو جانے لگے، حضرت صدیقِ اکبر نے چند مرتبہ ہجرت کا قصد کیا؛ لیکن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ”لا تعجل لعل اللّٰہ یجعل لک صاحبا“، ترجمہ: جلدی نہ کرو، بہت ممکن ہے اللہ رب العزت تمہیں کوئی ساتھی عنایت کرے۔ (تاریخ الدعوۃ الی الاسلام: ۱۰۷)

حضرت ابوبکرؓ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رفاقت میں ہجرت کے خواہاں تھے، اس کے لیے آپ نے پہلے سے دو اونٹنیاں تیار کر رکھی تھیں۔ حضرت عائشہؓ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اپنے والد ماجد حضرت ابوبکرؓ کی ہجرت کے بارے میں فرماتی ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہمارے گھر روزانہ بلاناغہ صبح وشام تشریف لاتے، یہاں تک کہ جب حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہجرت کی اجازت مل گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اچانک ہمارے گھر تشریف لائے، جب ابا جان نے آپ کو دیکھا تو فرمایا کہ: یقیناً حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وقت کسی ضروری کام سے آئے ہوں گے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گھر میں قدم رنجہ ہوئے تو ابا جان نے آپ کے لیے چارپائی بچھائی، آپ اس پر بیٹھ گئے، اس وقت وہاں سوائے میرے اور میری بہن اسماء کے کوئی نہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: تمہارے پاس جو بھی ہو اس کو باہر بھیج دو۔ ابا جان نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! یہ تو میری دو بیٹیاں ہیں، میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا بات ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اللہ نے مجھے ہجرت کی اجازت مرحمت فرمادی۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ابا جان نے کہا: اے اللہ کے

رسول! ساتھ میں کون ہوگا؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابوبکر! آپ۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: بخدا میں نے اس دن سے پہلے کسی کو مارے خوشی کے اتنا روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا جتنا کہ اس روز ابا جان کو دیکھ رہی تھیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: اے اللہ کے نبی! میں نے دوسواریاں اسی لیے تیار کررکھی ہیں، چناں چہ ان دونوں حضرات نے عبداللہ بن اریقط لیثی کو اجرت پر لیا؛ تاکہ وہ انہیں راستہ دکھائے، اور دونوں سواریاں اس کے حوالے کردیں کہ طے شدہ وقت پر مقررہ جگہ پہنچ جائے۔

ہجرت کے وقت حضرت ابوبکرؓ اور ان کے گھرانے کی قربانیاں

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا کہ: زادِ سفر تیار کر لیجیے، آپؓ فوراً تعمیلِ حکم بجالائے اور تیار ہوگئے، حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے جلدی جلدی رختِ سفر تیار کیا۔ حضرت اسماء کو توشہ دان باندھنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی تو انہوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر باندھا (اور دربارِ نبوت سے ذات النطاقین کا خطاب پایا) حضرت ابوبکرؓ نے جو اونٹنیاں سفرِ ہجرت کے لیے تیار کر رکھی تھیں ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیمتاً قبول فرمایا اور دوسری اونٹنی اپنے لیے رکھی۔

اس قافلہ کی پہلی منزل غارِ ثور تھی، حضرت ابوبکرؓ نے غار میں پہلے داخل ہوکر اس کو درست کیا، جو سوراخ نظر آئے ان کو بند کیا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

اندر تشریف لانے کے لیے عرض کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس غار میں داخل ہوئے اور اپنے رفیقِ مونس کے زانو پر سرِ مبارک رکھ کر مشغولِ استراحت ہو گئے۔ غار کے سوراخوں میں ایک سوراخ رہ گیا تھا جس کو آپ رضی اللہ عنہ نے پیر کا انگوٹھا رکھ کر بند کر دیا، اتفاقاً اس میں ایک سانپ موجود تھا اس کاٹ لیا، زہر اثر کرنے لگا درد و کرب کے باعث آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں جاری ہو گئیں؛ لیکن اس وفا شعار رفیق نے اپنے جسم کو حرکت نہ دی کہ اس سے آقا کے خوابِ استراحت میں خلل اندازی ہو گی، اتفاقاً آنسو کا ایک قطرہ ڈھلک کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرۂ انور پر ٹپکا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیدار ہو گئے اور اپنے مخلص غمگسار کو بے چین دیکھا تو پوچھا: ابو بکر! کیا بات ہے؟ بہت غمگین نظر آ رہے ہو؟ عرض کیا: میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں، سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی وقت اس مقام پر اپنا لعابِ دہن لگا دیا، اس تریاق سے زہر کا اثر دور ہو گیا۔ (زرقانی: ۱/ ۳۸۹، بحوالہ سیر الصحابہ: ۱/ ۲۷)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے صاحبزادے حضرت عبد اللہ کو ہدایت کر رکھی تھی کہ دن کو مکہ میں جو واقعات پیش آئیں رات کو ہمارے پاس آ کر ان کی اطلاع کرتے رہنا۔ اسی طرح اپنے غلام عامر بن فہیرہ کو حکم دیا تھا کہ مکہ کی چراگاہ میں بکریاں چرائیں اور رات کے وقت غار کے پاس لے آئیں۔ چناں چہ صبح کے وقت جب حضرت عبد اللہ واپس آتے تو حضرت عامر بن فہیرہ ان کے نشانِ قدم پر بکریاں لاتے؛ تا کہ نشان مٹ جائے اور کسی کو شبہ نہ ہو، رات کے وقت ان ہی

بکریوں کا تازہ دودھ غذا کے کام آتا، غرض تین دن اور تین راتیں اسی حالت میں بسر ہوئیں اور یہ تمام کارروائی اس احتیاط سے عمل میں آئی تھی کہ قریش کو ذرا بھی شبہ نہ ہوا۔ (سیر الصحابہ ۱/۲۷)

اس عرصہ میں کفار بھی اپنی کوششوں سے غافل نہ تھے جس روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی ہے اسی روز قریش کی مجلسِ مشاورت سے آپ کے قتل کا فتویٰ صادر ہو چکا تھا اور تمام ضروری تدبیریں عمل میں آ چکیں تھیں، چناں چہ ابو جہل وغیرہ رات بھر کاشانۂ اقدس کا محاصرہ کیے رہے؛ لیکن جب صبح خواب گاہ میں داخل ہوئے تو وہ گوہرِ مقصود سے خالی تھا، وہاں سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دولت کدہ پر گئے اور حضرت اسماء سے ان کے والد کی بابت دریافت کیا، انہوں نے لاعلمی کا اظہار کیا تو ابو جہل نے غضبناک ہو کر اس زور سے ایک طمانچہ مارا کہ کان کی بالی نکل کر جا پڑی۔ (سیرت ابن ہشام: ۱/ ۲۶۹ بحوالہ سیر الصحابہ ۱/۲۸)

قریش اپنے منصوبے میں ناکامی پر سخت برہم ہوئے، اسی وقت اعلان کیا گیا کہ جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیے جائیں گے، چناں چہ متعدد بہادروں نے مذہبی جوش اور انعام کی لالچ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش شروع کر دی، مکہ کے اطراف میں کوئی آبادی، ویرانہ، جنگل اور پہاڑ یا سنسان میدان ایسا نہ ہوگا جس کا جائزہ نہ لیا گیا ہو، یہاں تک کہ ایک جماعت غار کے پاس پہنچی، اس وقت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نہایت اضطراب ہوا

اور حزن و یاس کے عالم میں بولے: اگر وہ ذرا بھی نیچے کی طرف نگاہ کریں گے تو ہم دیکھ لیے جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تسلی دی اور فرمایا: مایوس و غمزدہ نہ ہوں، ہم صرف دو نہیں ہیں ایک تیسرا (خدا) بھی ہمارے ساتھ ہے۔

(سیرت ابن ہشام ۱ / ۲۶۹ بحوالہ سیر الصحابہ: ۱ / ۲۸)

اس تشفی آمیز فقرہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اطمینان ہو گیا اور ان کا مضطرب دل امدادِ غیبی کے تیقن پر لازوال جرأت و استقلال سے لبریز ہو گیا، خدا کی قدرت کہ کفار جو تلاش کرتے ہوئے اس غار تک پہنچے تھے ان کو یکسر محسوس نہ ہوا کہ ان کا گوہرِ مقصود اسی کان میں پنہاں ہے اور وہ ناکام واپس چلے گئے۔

(سیر الصحابہ: ۱ / ۲۸)

مدینہ میں آپ کا پرتپاک استقبال

یہ قافلہ اب مکہ کو خیر باد کہہ کر مدینہ کی سمت رواں دواں ہے، اسی دوران یہ خبر اہلِ مدینہ کو پہنچ جاتی ہے کہ سید المرسلین مدینہ کا رُخ کر چکے ہیں، اس خبر کو سنتے ہی انصار کا بچہ بچہ سراپا انتظار بنا بیٹھا ہے، چناں چہ مدینہ سے دور ''حیرہ'' نام کا ایک ٹیلہ تھا، پو پھٹتے ہی سراپا جمالِ محمدی کے دیوانے اس ٹیلہ پر پہنچ جاتے، اور پاؤں اونچا کر کے گردن کو بَل دے کر اپنی نظریں آپ کی ذاتِ بابرکت کے انتظار میں بچھائے رکھتے، یہاں تک کہ سورج کی شعائیں ان کی آنکھوں کو چکا چوند کر دیتی، جب امید کی آخری کرن ٹوٹ جاتی تو مایوس ہو کر پسینے میں شرابور یاس و ناامیدی

کی حالت میں بوجھل قدموں کے ساتھ بادلِ ناخواستہ اپنے گھروں کا رُخ کر لیتے، آخرکار وہ دن جس کے دیدار کے لیے یہ فدایانِ رسول بے تاب تھے، آ گیا۔ ایک یہودی کی آنکھیں تاجدارِ مدینہ اوران کے پاکباز، نیک طینت صحابیؓ کو دیکھنے میں کامیاب ہوئیں جو کہ سفید لباس میں ملبوس تھے، بے اختیار اس کے منہ سے یہ صدا بلند ہوئی "یا معشر العرب هذا جد كم الذي تنتظرون" (لو اے عرب کے لوگو! جس شخصیت کا تمہیں بے صبری سے انتظار تھا وہ آ گئی) یہ عاشقانِ رسول اسلحہ سے سج دھج کر لمبے لمبے ڈگ بھرتے ہوئے آپ کے استقبال کے لیے لپکے، قافلے کو صحیح سلامت دیکھ کر سب نے سکون واطمینان کا سانس لیا، تاجدارِ بطحا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہیں پر آباد عمرو بن عوف کے ایک ممتاز گھرانے کو اپنے قدومِ میمنت لزوم سے نوازا۔ آقائے دوجہاں سواری سے اتر کر خاموش بیٹھ گئے؛ لیکن حضرت ابوبکرؓ ادباً کھڑے رہے، جو انصار پہلی مرتبہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھنے کی سعادت سے مالا مال ہو رہے تھے وہ تو ابتدا میں حضرت ابوبکرؓ ہی کو پیغمبرِ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمجھ کر ان سے علیک سلیک کرنے لگے، حضرت ابوبکرؓ معاملہ کی حقیقت سمجھ گئے، اٹھے اور سرورِ کائنات پر اپنی چادر سے سایہ کرنے لگے، اس منظر نے لوگوں کو بہ آسانی سمجھا دیا کہ گوہرِ مقصود صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کون ہیں اور جاں نثار خادم کون؟

مدینہ کے شب وروز

قبا میں دو ہفتہ قیام کے بعد یہ قافلہ مدینہ کی جانب چل دیا، حضرت ابو

ایوب انصاریؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میزبانی کا شرف حاصل ہوا، اور حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ کے اطراف واکناف میں سنّح نامی محلہ میں خارجہ بن زید بن ابی زبیر کے پاس قیام فرمایا اور وہیں تجارتی کاروبار شروع کر دیا، آگے چل کر خارجہ کی بیٹی حبیبہ سے نکاح بھی کر لیا اور پھر اسی کو اپنا مسکن بنا لیا، چند دنوں کے بعد حضرت ابوبکرؓ کی زوجۂ محترمہ امّ رومان، صاحب زادہ عبداللہ اور صاحب زادیاں حضرت اسماء اور حضرت عائشہ بھی مدینہ پہنچ گئیں، آپؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد چھ ماہ تک اسی جگہ رہے۔ (طبقات ابن سعد، تذکرہ حضرت ابوبکرؓ بحوالہ صدیق اکبرؓ ۲۸)

یثرب کا بخار اور عقد مواخات

مدینہ کی آب وہوا مکہ سے قدرے مختلف تھی، کچھ دنوں بعد حضرت ابوبکر تپ ولرزہ میں مبتلا ہو گئے، حضرت عائشہؓ مزاج پرسی کی غرض سے آئیں تو آپ نے یہ شعر پڑھا:

كل امرئ مصبح في أهله		والموت أدنىٰ من شراک نعله

ترجمہ: ہر شخص اپنے اہل وعیال میں خوش عیش زندگی گزارتا ہے، حالاں کہ موت تو اس کے جوتے کے تسمہ سے بھی زیادہ قریب ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئیں اور ابا جان کا حال بیان کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دربارِ خداوندی میں ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا اے اللہ! آپ مدینہ کو بھی ہمارے لیے ایسا ہی محبوب بنا دیجیے جیسا کہ مکہ

تھا یہاں کی آب وہوا کو راحت بخش بنا دیجیے اور بخار کو یہاں سے منتقل فرما دیجیے، کچھ مدت کے بعد بخار ایک بدصورت عورت کی شکل میں مدینہ سے نکل گیا۔

(بخاری ۱/ ۵۵۹)

ادھر باشندگانِ مدینہ کو ''انصار'' کے لقب سے نوازا گیا جب کہ مکہ کو داغِ مفارقت دے کر آنے والے دین کے شیدائیوں کو ''مہاجرین'' کے لقب سے ملقب کیا گیا، پھر دونوں جماعتوں کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے باہمی مؤاخات و بھائی چارگی کے مضبوط بندھن میں باندھ دیا اور ان کے مابین ایک رشتہ قائم کر دیا، جس کے نتیجے میں ایک مسلمان بھائی نے اپنے دوسرے بھائی کے ساتھ حسنِ سلوک کر کے اسلامی اخوت کی مثال قائم کر دی، اس موقع سے آپ رضی اللہ عنہ کا رشتۂ مواخات حضرت خارجہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ کے ساتھ قائم کیا گیا۔ (صدیق اکبر:۲۹)

مسجدِ نبوی کی تعمیر اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

مدینہ کے قیام کے بعد سب سے پہلا فیصلہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ کیا کہ ایک مسجد بنائی جائے؛ تاکہ تمام مسلمان یکجا عبادتِ خداوندی کا فریضہ انجام دے سکے، اور تعلیم وتربیت اور دیگر امورِ دینیہ کی بجا آوری ہو سکے، اسی مقصد کے پیشِ نظر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زمین کے ایک حصہ کا انتخاب کیا جو کہ سہل اور سہیل نامی دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی، یہ بچے حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کی سرپرستی میں تھے، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس معاملہ کے متعلق ان سے دریافت کیا تو انہوں نے یہ

زمین آپ کی نذر کردی؛ آپ نے قبول کرنے سے انکار کردیا اور قیمتاً اسے طلب کیا، حضرت ابوبکرؓ نے ایک خطیر رقم ادا کرکے اس سعادت کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور آج کل کے مالداروں کی طرح صرف قیمت کے چکانے پر اکتفاء نہیں فرمایا؛ بلکہ مسجد کے کام میں شریک ہوکر اینٹیں ڈھونے کا کام بھی انجام دیا۔

(صدیقِ اکبر از سعید اکبر آبادی: ۲۹، ۳۰)

غزوات میں شرکت

مدینہ پہنچنے کے بعد غزوات کا سلسلہ جاری ہوا تو حضرت ابوبکرؓ تمام لڑائیوں میں شامل ہوئے اور اپنی بہادری اور جانبازی سے بے مثال کارنامے انجام دیے، میدانِ رَزم میں وہ ایک نہایت بہادر سپاہی نظر آتے ہیں اور مشورہ کے وقت ایک اعلیٰ درجہ کے مشیر، ناموافق حالات میں پتھر کی چٹان کی طرح مضبوط اور سازگار حالات میں نہایت حلیم وباوقار نظر آتے، ہم ذیل میں مختصراً غزوات وسرایا میں آپ کا کردار ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:

غزوۂ بدر: یہ غزوہ حق وباطل کا پہلا اور فیصلہ کن معرکہ تھا، خدا کا برگزیدہ پیغمبر ایک سایہ دار جگہ کے نیچے اپنی محدود جماعت کے ساتھ حق وصداقت کی حمایت میں مصروفِ آہ وزاری تھا، اور وہی مرد جس نے اپنے وعظ سے عثمان بن عفان، ابوعبیدہ بن جراح اور عبدالرحمٰن بن عوف جیسے اکابر صحابہؓ کو حلقہ بگوشِ اسلام بنالیا تھا، نہایت جاں نثاری کے ساتھ تیغ بکف اپنے محبوب کی حفاظت میں مصروف

تھا۔(زرقانی،غزوۂ بدر،بحوالہ سیر الصحابہ:۱/ ۳۲)

کفر واسلام کا یہ پہلا معرکہ اس اعتبار سے بڑا صبر طلب اور درد انگیز تھا کہ دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا ہوئیں تو اچانک نظر آیا کہ باپ بیٹے کے سامنے نبرد آزما تھا، حضرت ابوبکرؓ کے بڑے بیٹے اس وقت مسلمان نہیں ہوئے تھے، وہ بھی فریقِ مخالف میں تھے۔انہوں نے میدانِ کارزار میں اپنے مقابلے کے لیے دعوت دی تو حضرت ابوبکر خود تلوار کھینچ کر مقابلہ کے لیے نکلے؛ لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ گوارا نہ ہوا، فوراً حضرت ابوبکر کو روکا اور فرمایا: ’’متعنی بنفسک‘‘ تم مجھ کو اپنی ذات سے متمتع ہونے دو۔(اسد الغابہ بحوالہ صدیقِ اکبر:۳۵-۳۶)

<u>غزوۂ احد:</u> بدر کی شکست نے قریش کو برافروختہ کر دیا اور انہوں نے اس کا بدلہ لینے کے لیے بڑے پیمانے پر تیاریاں شروع کر دیں، نتیجتاً احد کی وادی میں ایک خونریز جنگ ہوئی، اس جنگ میں مجاہدینِ اسلام اولاً تو غالب رہے؛ لیکن اتفاقی طور پر غلط فہمی کے باعث پانسا پلٹ گیا، اسلامی فوج کے بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے؛ لیکن حضرت ابوبکر آخر وقت تک ثابت قدم رہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سخت مجروح ہونے کے بعد لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہاڑ پر لائے تو حضرت ابوبکرؓ بھی ساتھ تھے۔اختتامِ جنگ کے بعد کفارِ مکہ واپس ہوئے تو ایک جماعت کو ان کے تعاقب میں بھیجا، حضرت ابوبکرؓ بھی اس میں شامل تھے۔(بخاری باب المغازی بحوالہ سیر الصحابہ:۱/ ۳۳)

غزوۂ خندق: یہودیوں کے اکسانے کی وجہ سے ایک بار پھر انتقام کے لیے کفارِ مکہ دس ہزار کا لشکرِ جرّار لے کر مدینہ پر حملہ کے ارادہ سے روانہ ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے تین ہزار صحابہؓ کے ساتھ شہر سے نکل کر خندق کھودی اور قلعہ بند ہوکر بیٹھ گئے، اس غزوہ میں بھی ایک دستی فوج کی کمان حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سپرد تھی، یہ واقعہ ۵ھ میں پیش آیا۔

غزوۂ بنی مصطلق یا غزوۂ مریسیع: یہ غزوہ ۶ھ میں پیش آیا، حضرت ابو بکرؓ اس معرکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہمرکاب تھے، مہاجرین کا علَم آپ کے ہی ہاتھ میں تھا، یہ مہم کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ یہی وہ غزوہ ہے جس سے واپسی پر واقعۂ افک پیش آیا۔

واقعۂ حدیبیہ: ۶ سنہ ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے چودہ سو صحابہ کے ساتھ زیارتِ کعبہ وعمرہ کا عزم فرمایا، جب مکہ کے قریب پہنچے تو خبر ملی کہ قریش مزاحم ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے یہ سن کر صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ قتل وخونریزی کے لیے نہیں؛ بلکہ زیارتِ کعبہ کے لیے روانہ ہوئے ہیں، جو کوئی اس راہ میں سدِّ راہ ہوگا ہم اس سے لڑیں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا: بسم اللہ چلو، چناں چہ آگے بڑھے اور مقامِ حدیبیہ پر پڑاؤ ڈالا، اور اسی جگہ بیعتِ رضوان ہوئی۔ (بخاری، باب غزوۂ حدیبیہ بحوالہ سیر الصحابہ:۱/ ۳۵)

غزوۂ خیبر: ۷ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی، قموص نامی قلعے پر لشکر کسی کے

لیے، پہلے حضرت ابوبکرؓ سالار تھے؛ لیکن یہ کارنامہ حضرت علیؓ کے لیے مقدر ہو چکا تھا، آخر وہی فاتحِ خیبر بنے۔ (بخاری، باب مناقب علی ابن ابی طالب)

حضرت ابوبکر اسی سال ماہِ شعبان میں بنی کلاب کی سرکوبی کے لیے مامور ہوئے، وہاں سے کامیاب واپس آئے تو بنوفزارہ کی تنبیہ کے لیے ایک جماعت کے ساتھ روانہ کیے گئے، اور بہت سے قیدی اور مالِ غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔ (مسلم بحوالہ سیر الصحابہ ۱/ ۳۶)

فتحِ مکہ: قریشِ مکہ کی عہد شکنی کے باعث ۸ ھ میں دس ہزار کا لشکر لے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فاتحانہ شان کے ساتھ مکہ میں داخل ہوئے، حضرت ابوبکرؓ بھی ہمراہ تھے، مکہ پہنچ کر اپنے والد ابو قحافہ کو دربارِ نبوی میں پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیر کو نورِ ایمانی سے مشرف فرمایا۔

غزوۂ حُنین: فتحِ مکہ کے بعد بنو ہوازن سے جنگ ہوئی، جو ''غزوۂ حنین'' سے مشہور ہے، دشمنوں کی ابتدائی یورش میں سب لوگ بھاگ گئے، بھگدڑ مچ گئی، صرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور چند صحابہ آپ کے ہمراہ رہ گئے۔ حضرت ابوبکرؓ اس میں بھی ثابت قدم اصحاب کی صف میں شامل تھے۔

غزوۂ تبوک: ۹ ھ میں افواہ پھیلی کہ قیصرِ روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اور یہ قحط و تنگ دستی کا زمانہ تھا؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگی تیاریوں کے لیے صحابہؓ کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی، تمام صحابہؓ نے حسبِ حیثیت اس میں

شرکت کی، اس موقع پر بھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا امتیاز قائم رہا، گھر کا سارا اثاثہ لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ: تم نے پیچھے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول کو چھوڑ آیا ہوں۔

اسی سال ۹ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو امارتِ حج کے منصب پر مامور فرمایا۔

نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرض الوفات کا آغاز

۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بھی ہم رکاب تھے، واپسی پر آپ نے ایک تقریر فرمائی، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے (اپنے ایک) بندہ کو دنیا اور جو اللہ کے پاس ہے دونوں میں سے (ایک) کا اختیار دیا، اس میں سے بندہ نے اس چیز کو پسند کیا جو اللہ کے پاس ہے۔ یہ سن کر حضرت ابو بکر رونے لگے، ہمیں ان کے رونے پر تعجب ہوا کہ رسول اللہ تو ایک بندہ کی خبر دے رہے ہیں کہ اس نے یہ پسند کر لیا (مگر یہ معلوم نہ تھا کہ) یہ پسند کرنے والے خود آپ ہی ہیں، آں حضرت نے بجائے دنیا کے اللہ تعالیٰ کو اور اللہ کی نعمتوں کو قبول فرمالیا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے بڑے (اسرارِ نبوی کے) جاننے والے تھے؛ اس لیے وہ سمجھ گئے کہ اب حضور ہم میں زیادہ دن نہیں رہیں گے۔

ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنت البقیع میں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر اہلِ بقیع کے لیے دعائے مغفرت فرما کر اپنے دولت خانہ پر واپس تشریف لے آئے، گھر میں داخل ہو کر حضرت عائشہؓ کو دیکھا کہ وہ دردِ سر سے کراہ رہی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے سر میں بھی درد ہے۔ یہی آغازِ مرض تھا جو رفتہ رفتہ بڑھتا گیا، اس حالت میں بھی آپ ہر بیوی کے ہاں باری باری جاتے رہے، جب مرض کی شدت زیادہ ہوگئی تو تمام ازواجِ مطہرات کو جمع فرما کر ایامِ مرض میں حضرت عائشہؓ کے یہاں قیام کی اجازت حاصل کی، ضعف اس قدر بڑھ گیا تھا کہ آپ حضرت عائشہؓ کے حجرے میں تشریف لائے تو اس طرح کہ سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی اور پاؤں فرطِ ضعف سے زمین پر کھینچے جاتے تھے اور دو شخص حضرت فضل بن عباس اور حضرت علی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تھامے ہوئے تھے۔

(البدایہ والنہایہ: ۵ / ۲۲۴ بحوالہ صدیقِ اکبر از سعید احمد اکبر آبادی: ۵۸)

حضرت ابوبکر کو امامتِ صلوٰۃ کا حکم: جب تک آمد و رفت کی طاقت رہی آپ مسجد میں نماز پڑھانے تشریف لاتے رہے؛ لیکن جب حد سے زیادہ معذوری ہوگئی تو حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ: ابوبکرؓ سے کہو کہ نماز پڑھائیں، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: ابوبکر رقیق القلب ہیں، وہ امامت کا بار سنبھال نہ پائیں گے، آپ حضرت عمرؓ کو حکم دے دیجیے؛ لیکن آپ نے کوئی عذر قبول نہ کیا، پھر اصرار کے ساتھ حکم دیا کہ ابوبکرؓ سے ہی کہو کہ نماز پڑھائیں۔ تعمیلِ حکم کی بجا

آوری میں آپ رضی اللہ عنہ نے تین دن تک نماز پڑھائی، ایک دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ افاقہ محسوس ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجرے کا پردہ اٹھایا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز شروع کر چکے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پُرنور چہرہ ظاہر ہوا تو شمعِ رسالت کے پروانوں کی خوشی کی حد نہ رہی، حضرت ابو بکر پیچھے ہٹنے لگے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ کیا، پھر آپ نے پردہ گرادیا۔ (بخاری: ۱/ ۹۴، ایضاً: ۶۰)

حافظ عماد الدین نے لکھا ہے کہ یہ آخری نماز ۔ جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ نمازِ فجر تھی۔ (البدایہ والنہایہ: ۵/ ۲۴۴)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے دل محبوبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شدید علالت کی وجہ سے مرجھائے ہوئے تھے، چہرۂ انور کی ایک جھلک دیکھ کر خوشی سے شگفتہ ہو گئے؛ لیکن انھیں کیا خبر تھی کہ یہ آخری جلوۂ عام اور آفتابِ لبِ بام تھا۔ (صحیح بخاری ۱/ ۹۴)

وفات رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ رضی اللہ عنہ کی استقامت وثابت قدمی

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز سے فارغ ہو کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے میں آئے، چوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قدرے افاقہ تھا؛ اس لیے اجازت لے کر اپنے گھر مدینہ سے باہر مقامِ سنخ چلے گئے، ادھر چاشت کے وقت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رفیقِ اعلیٰ سے جا ملے۔ (صدیقِ اکبر: ۶۰)

اس روح فرسا خبر کو سنتے ہی مدینہ میں بھگدڑ مچ گئی، اور لوگ حواس باختہ ہو گئے، یہاں تک کہ سیدنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر سکتہ طاری ہو گیا، سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ تو

روتے روتے بے ہوش ہو گئے، ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن پر گویا رنج والم کا ایک بھاری پہاڑ ٹوٹ پڑا، ہر صحابی غم اور بے چینی کے سامنے سپر ڈال چکا تھا، دن کی روشنی بھی ان حضرات کے حق میں اب تاریکی بن چکی تھی، سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حالت بھی عجیب سی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کی خبر سنتے ہی ان کے ہوش اڑ گئے اور برہنہ تلوار لیے مسجد میں اِدھر اُدھر چکر لگا رہے تھے، کسی کی کیا مجال کہ ان کے سامنے یہ کہہ سکے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو چکا۔ ادھر جیسے ہی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اطلاع پہنچی، اپنی سواری کو ایڑ لگائی اور دیکھتے ہی دیکھتے مسجدِ نبوی میں پہنچ گئے، کیا دیکھتے ہیں کہ صحابۂ کرام کے ایک جمِ غفیر پر اضطراب وقلق طاری تھا، اور ہر ایک کی آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا امنڈ رہا تھا، کچھ تو اپنے ہوش ہی کھو بیٹھے تھے، جو بیٹھے تھے وہ اٹھنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، اور کچھ تو یہ ماننے کو تیار ہی نہ تھے کہ پیارے آقا کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی ہے۔ حضرت ابوبکر غم واندوہ کے عالَم میں کاشانۂ رسالت پر پہنچے، اور اپنی صاحبزادی سے اجازت طلب کر کے اندر تشریف لے گئے، چہرۂ انور سے چادر ہٹائی، اور دوزانو بیٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشانی مبارک کا بوسہ لیا اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں بازوؤں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا: ”وا نبیاہ، واصفیاہ، واخلیاہ“۔ (شمائلِ ترمذی: ۲۸ بحوالہ امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ: ۱۸۶)

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا چشم کشا خطاب

اس کے بعد حجرۂ مبارک سے باہر تشریف لائے اس وقت بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ

لوگوں سے یہی فرمارہے تھے کہ رسول اللہ کی وفات نہیں ہوئی، یہ حالت دیکھ کر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا: عمر! بیٹھ جاؤ، سیدنا عمرؓ پر عجیب کیفیت طاری تھی، سنی ان سنی کردی۔ سیدنا ابوبکرؓ حضرت عمر کو چھوڑ کر ایک دوسری جانب بڑھے، صحابۂ کرام نے حضرت ابوبکرؓ کو دیکھا تو وہ ان کی جانب متوجہ ہوئے، تب حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: خاموش بیٹھ جاؤ۔ تمام لوگ بات سننے کے لیے خاموش بیٹھ گئے، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا: لوگو! جو کچھ میں کہنا چاہتا ہوں اسے نہایت غور سے سنو، بے شک اللہ عز وجل نے اپنے نبی کو وفات کی خبر اس وقت دے دی تھی جب کہ حضور تم لوگوں کے درمیان زندہ تھے، پھر آپؓ نے یہ آیت پڑھی: وما محمد إلا رسول إلخ (آلِ عمران: ۱۴۴) ترجمہ: ''اور محمد تو ایک رسول ہے، ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول، پھر کیا اگر وہ مر گئے یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں، اور جو کوئی پھر جائے گا الٹے پاؤں تو ہرگز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ اور اللہ ثواب دے گا شکر گزاروں کو''۔ (ترجمہ شیخ الہند) پھر قرآنِ کریم کی یہ آیت پڑھی: إنک میت وإنھم میتون (الزمر: ۳) ''اے محمد آپ کو بھی موت آنی ہے اور بلاشبہ وہ بھی مرنے والے ہیں''۔ (تاریخ ابن کثیر ۵ / ۴۲۴) حضرت ابوبکرؓ کے درد بھرے لہجے میں قرآن کی آیتیں سن کر صحابہؓ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے؛ مگر انہیں ساتھ ہی ایسا لگا کہ آج سے پہلے یہ آیت انہیں معلوم ہی نہیں تھی، جب حضرت ابوبکرؓ نے تلاوت کی تو اب ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور اب ہر شخص کی زبان پر یہ آیت تھی،

روایت میں ہے: ”لقد بصر أبو بكر الناس الهدى وعرفهم الحق الذي عليهم وخرجوا به يتلون“. (بخاری شریف: ۱/ ۵۱۸ بحوالہ صدیقِ اکبر: ۱۹۰)

ادھر سیدنا حضرت عمر فاروقؓ کے پاؤں لڑکھڑا گئے، ان کی آنکھوں سے پردہ اٹھ گیا اور انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا یقین ہو گیا، اور خود ان کی تقریر کی وجہ سے جو لوگ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بارے میں متذبذب ہو گئے تھے، اب انہیں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا پورا یقین ہو گیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیت انہوں نے آج ہی سنی ہے، سیدنا حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ: میری حالت بھی کچھ یہی ہو گئی کہ گویا میں نے آج ان آیات کو پڑھا ہو۔ (تفسیر قرطبی: ۴/ ۲۲۳ بحوالہ صدیقِ اکبر: ۱۹۱)

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب خطبے سے فارغ ہوئے تو حضرت عمرؓ سے فرمایا: عمر! تو ہی وہ شخص ہے جس کے بارے میں مجھے پتہ چلا ہے کہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروازے پر یہ کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوت نہیں ہوئے، پھر فرمایا اور اللہ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: إنك ميت وإنهم ميتون سیدنا حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ: یہ سن کر میرا یہ حال ہوا گویا میں نے کتاب اللہ کی یہ آیت اس سے قبل سنی ہی نہ تھی۔ (روض الانف: ۲/ ۳۷۶)

حضرت امام محمد بن علیؒ کہتے ہیں کہ: حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے اس خطبے کے بعد یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: اے لوگو! اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک

عمر عطا فرمائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہم میں اتنی دیر تک باقی رکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم اور اس کے حکم کو ظاہر اور واضح فرما دیا اور اس کے پیغام کو ہم تک پہنچا دیا اور اس کی راہ میں جہاد کیا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلا یا۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمہیں ایک سیدھے اور صاف راستہ پر چھوڑا ہے، اب اس کے بعد جو ہلاک وگمراہ ہوگا وہ حق وہدایت کے کھل جانے کے بعد گمراہ ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ جس کا رب ہے اسے جان لینا چاہیے کہ اس کا رب زندہ وسلامت ہے، اس کو کبھی موت نہیں آسکتی، اور جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبادت کرتا تھا اور ان کو معبود سمجھتا تھا اسے بھی معلوم ہو جانا چاہیے کہ اس کا معبود مر چکا ہے۔ (صدیقِ اکبر: ۱۹۴)

عہدِ خلافت

سقیفۂ بنی ساعدہ اور مسئلۂ خلافت: ابھی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز وتکفین کا سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ ادھر انصار سقیفۂ بنی ساعدہ میں جمع ہو گئے اور خلافت کے مسئلہ پر بات چیت ہونے لگی، حضرت سعد بن عبادہ مشہور انصاری صحابی ہیں، غزوات میں انصار کا علَم ان کے ہاتھ میں رہتا تھا، انصار یہ چاہتے تھے کہ حضرت سعد بن عبادہ کو خلیفہ بنایا جائے اور معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو وقت پر مطلع نہ کیا جاتا تو مہاجرین اور انصار جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات میں بھائیوں کی طرح رہتے تھے باہم دست وگریباں

ہوجاتے۔ یہ دونوں حضرات جلدی سے سقیفۂ بنوساعدہ میں پہنچے، انصار نے دعویٰ کیا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا۔ (ظاہر ہے کہ اِس دوعملی کا نتیجہ کیا ہوتا؟ ممکن تھا کہ مسندِ خلافت مستقل طور پر صرف انصار ہی کے سپرد کردی جاتی؛ لیکن دِقت یہ تھی کہ قبائلِ عرب خصوصا قریش ان کے سامنے گردنِ اطاعت خم نہیں کر سکتے تھے، پھر انصار میں بھی دو گروہ تھے اوس وخزرج، جن کے مابین مدت سے منافست چلی آرہی تھی، اس بنا پر اسلام کی وحدتِ اجتماعی کے لیے یہ انتہائی نازک وقت تھا، ان تمام تر مشکلات کو سامنے رکھتے ہوئے) حضرت ابوبکرؓ نے بڑی ہوشیاری سے کام لیا اور انہوں نے یہ کہا کہ: امیر ہماری جماعت سے ہوں اور وزیر تمہاری جماعت سے، یہ سن کر انصار کی طرف سے حضرت خباب بن منذر بول اٹھے، نہیں ایسا نہیں ہوسکتا، ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا، یہ صورتِ حال دیکھ کر حضرت صدیقِ اکبرؓ نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا، اول حمد وثنائے الٰہی بیان کی پھر کہا:

واقعہ یہ کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی مخلوق کے پاس رسول اور ان کی امت کے واسطے رہنما بنا کر بھیجا، اس غرض سے کہ بندے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی توحید کا اقرار کریں، اس وقت لوگ متفرق معبودوں کو اس خام خیال سے پوجتے تھے کہ وہ اللہ کے سامنے ان کے شفیع بن کر نفع پہنچائیں گے، ان معبودوں کی حقیقت یہ تھی کہ جو پتھر سے تراش لیے گئے تھے، (پھر آیت پڑھی جس کا ترجمہ یہ ہے) اور وہ لوگ اللہ کے سوا ایسے معبود پوجتے ہیں جو نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع، اور

کہتے ہیں کہ ہم ان کی پرستش اس لیے کرتے ہیں کہ وہ ہمارا بارگاہِ الٰہی میں قرب بڑھائیں گے۔عربوں کو اپنا آبائی دین چھوڑنا گراں گذرا، اس وقت اللہ نے رسول کی قوم میں سے ”مہاجرین اولین“ کو یہ خصوصیت بخشی کہ انہوں نے آپ کی تصدیق کی اور ایمان لائے، خدمت کے لیے کمر بستہ ہوئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سخت مصیبتیں جھیلیں، اس حالت میں کہ تمام آدمی ان کو جھٹلاتے تھے اور جانی دشمن ہورہے تھے، وہ باوجود اپنی قلت اور دشمنوں کی سختی کے گھبرائے نہیں؛ لہٰذا یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سب سے اول روئے زمین پر اللہ کی عبادت کی، اللہ اور رسول پر ایمان لائے، اسی کے ساتھ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفقا اور کنبے والے بھی ہیں، اور آپ کے بعد خلافت کے سب سے زیادہ حقدار، سوائے ظالم کے اس معاملہ میں ان سے کوئی شخص نزاع نہیں کرسکتا۔اور اے گروہِ انصار! تمہاری اپنی فضیلت اور اسلامی شرف سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، تم کو اللہ نے دین اور رسول کی مدد کے لیے منتخب کیا، اپنے رسول کو ہجرت کے بعد تمہاری پناہ میں بھیجا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اکثر ازواج واصحاب تم میں سے ہیں، لہٰذا مہاجرین اولین کے بعد تمہارا مرتبہ سب سے زیادہ ہے، پس ہم امرا ہوں اور تم وزرا، تم اپنے مشورہ پر ضد واصرار مت کرنا، ہم بغیر تمہارے مشورے کے معاملات طے نہیں کریں گے۔(سیرۃ الصدیق:۱۵۱)

بیعتِ خلافت

ایک طرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے دوسری طرف حضرت

عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بیٹھے تھے، انہوں نے ان میں سے ایک کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: عمر اور ابوعبیدہ یہاں موجود ہیں، ان میں سے جس کے ہاتھ پر تمہارا جی چاہے بیعت کرلو۔

حضرت عمرؓ نے بلند آواز سے سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا: ابوبکر اپنا ہاتھ بڑھائیے، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے ہاتھ بڑھایا اور حضرت عمرؓ نے فوراً ان کے ہاتھ پر بیعت کرلی اور ساتھ ہی فرمایا: ابوبکر! آپ کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز کی امامت کے لیے اپنا جانشین بنایا تھا، آپ دوسرے تمام لوگوں کے مقابلے میں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں زیادہ پسندیدہ تھے، آپ مہاجرین میں سب سے افضل ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رفیقِ غار ہیں، لہٰذا خلافت کے سب سے زیادہ حقدار آپ ہیں، ہم یہ گراں بار ذمہ داری آپ کے سپرد کرتے ہیں۔

دوسرے نمبر پر حضرت ابوعبیدہؓ نے بیعت کی، ان دونوں کے بعد انصار میں سے خزرج کے سردار حضرت بشیر بن سعدؓ نے بیعت کی، روایات میں ہے کہ اس وقت مجلس میں حضرت اسید بن حضیرؓ بھی موجود تھے، جو قبیلۂ اوس کے رئیس تھے، انہوں نے قبیلہ کے لوگوں کی طرف دیکھ کر کہا: اٹھو اور حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کرو، قبیلۂ اوس کے لوگوں نے اپنے رئیس کے کہنے پر آپؓ کے ہاتھ پر فوراً بیعت کرلی، دوسری طرف قبیلۂ خزرج کے لوگوں نے بھی بلا تامل آپؓ کے

ہاتھ پر بیعت کرلی، پھر تو یہ حال ہوگیا کہ ہر شخص چاہتا تھا کہ پہلے میں آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کروں، صورتِ حال بالکل بدل گئی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دور بینی اور بصیرت اور حضرت عمرؓ کی ذہانت کی وجہ سے خلافت کا یہ فتنہ فرو ہوگیا۔ اور سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ بغیر کسی اختلاف اور مخالفت کے اسلامی مملکت کے خلیفۂ اول منتخب ہوگئے۔ (امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین سیدنا صدیقِ اکبرؓ: ۲۰۹)

سقیفۂ بنی ساعدہ کے ہنگامہ سے فارغ ہوکر کاشانۂ اقدس پر حاضر ہوئے اور آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تدفین میں شریک ہوئے، یہاں جائے تدفین کا مسئلہ اٹھا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ سے ایک حدیث سنی ہے جس کو میں نہیں بھولا ہوں، اور وہ یہ ہے: ''ماقبض الله نبيا إلا في الموضع الذي يحب أن يدفن فيه''، ترجمہ: اللہ کسی نبی کی روح اسی جگہ قبض کرتا ہے جہاں اس کو دفن کرنا محبوب ہوتا ہے۔ اُس کے بعد آپؓ نے فرمایا: ''ادفنوه في موضع فراشه''. تم لوگ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو آپ کی اُسی خوابگاہ میں دفن کرو۔

(شمائلِ ترمذی بحوالہ صدیقِ اکبرؓ: ۶۵)

بیعتِ عامہ

سقیفۂ بنی ساعدہ میں تو چند لوگوں نے بیعت کی تھی، آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے دوسرے دن یعنی بروز سہ شنبہ ۱۳ / ربیع الاول ۱۱ھ، مطابق: ۲۸ / مئی ۶۳۲ء مسجدِ نبوی میں بیعتِ عامہ کا نظم کیا گیا، سب مسلمان جمع ہوئے، پہلے

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر خطبہ دیا، فرمایا: میں امید کرتا تھا کہ رسول اللہ ہم لوگوں کے بعد تک زندہ رہیں گے؛ لیکن وہ وفات پا گئے، خیر! اللہ نے تمہارے سامنے ایک ایسا نور رکھ دیا ہے جس سے تم وہی ہدایت حاصل کر سکتے ہو جو رسول اللہ سے حاصل کرتے تھے، بلا شبہ ابوبکر، رسول اللہ کے ساتھی اور غار کے رفیق ہیں، لوگوں کے معاملات کے لیے وہ مسلمانوں میں سب سے زیادہ بہتر ہیں، پس اُٹھیے اور بیعت کر لیجیے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تقریر سے فارغ ہوئے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ خاموش بیٹھے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بولے: آپ منبر پر تشریف لائیے؛ لیکن آپ رضی اللہ عنہ بیٹھے رہے، آخر اصرار کے بعد آپ رضی اللہ عنہ منبر پر چڑھے اور مسلمانوں سے بیعت لی۔

(صحیح بخاری: ۲ / ۱۰۷۳ صدیقِ اکبر از سعید احمد اکبر آبادی: ۶۷)

خلافت کا پہلا خطبہ

خلافت کا بارِ گراں اُٹھانے کے بعد اور بیعتِ عامہ سے فارغ ہونے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے اللہ کی حمد و ثنا اور سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام کے بعد ارشاد فرمایا: لوگو! میں تمہارے امور کا حاکم بنایا گیا ہوں اور میں تم میں سب سے بہتر نہیں ہوں، قرآنِ حکیم نازل ہوا اور سید الکونین نے سنتیں قائم کیں، ہمیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سکھایا اور ہم نے سیکھا، جان لو! بہترین دانائی تقویٰ اور اللہ تعالیٰ کا خوف ہے اور سب سے بڑی بیوقوفی اور حماقت فسق و فجور میں مبتلا ہونا ہے۔ بیشک تم میں سے قوی ترین شخص میرے

نزدیک کمزور اور ضعیف ہے جب تک اس کے لیے اس کا حق حاصل نہ کرلوں، اور تم میں سے کمزور ترین شخص میرے نزدیک قوی اور طاقتور ہے جب تک کہ اُس کا حق نہ لے دوں، اے لوگو! میں رسول اللہ کی راہ پر چلنے والا ہوں، نئی راہ نکالنے والا نہیں ہوں، اگر میں اچھے کام کروں تو میری مدد کرو، اور اگر میں کج روی اختیار کروں تو مجھے سیدھا کردو۔

یہ تھا وہ خطبہ جو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہونے کے ساتھ مسجدِ نبوی میں دیا اور اپنی علمی پختگی کے باعث اسلامی حکومت کے منشور اور آئین کو چند جملوں میں ایسا بیان کیا کہ دنیا اتنی ترقی کرنے کے باوجود بھی ایسا عظیم الشان منشور پیش نہیں کرسکتی۔ (صدیقِ اکبر: ۲۳۰)

جیشِ اسامہ رضی اللہ عنہ کی روانگی

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی وفات کے بعد اندرونی اور بیرونی فتنوں نے مملکتِ اسلامی کو گھیر لیا تھا، مکہ و مدینہ اور پورے عرب میں یکا یک ارتداد و بغاوت کا طوفان اس زور و شور سے اُٹھا کہ اسلامی عمارت کے در و دیوار ہل گئے؛ لیکن اس وقت سب سے اہم اور سب سے پہلا معاملہ لشکرِ اسامہ کی روانگی کا تھا جس کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت اسامہ ابنِ زید رضی اللہ عنہ کی زیرِ قیادت اپنی زندگی میں ترتیب دیا تھا، جب یہ لشکر مقامِ جرف میں پہنچا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سخت علیل ہونے کی خبر پہنچی تو وہیں ٹھہر گیا، اب سوال یہ تھا کہ اس لشکر کو اُس مہم پر بھیجا جائے یا اس کو مرتدین کی

سرکوبی کے لیے روک لیا جائے؟ مدینۂ طیبہ اور اس کے گردونواح میں فتنوں کی وجہ سے جو صورتِ حال پیدا ہوگئی تھی بیشتر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اس سے پریشان تھے، اُن کا یہ خیال تھا کہ اِس لشکر کو روک لیا جائے اور اس کے ذریعہ فتنوں کو مٹایا جائے؛ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اِس بات کو ماننے کے لیے بالکل تیار نہ تھے، اس معاملے میں دوسرے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم آپ رضی اللہ عنہ سے اختلاف رکھتے تھے؛ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہاڑ کی طرح اپنی بات پر ڈٹے ہوئے تھے۔ امام طبری رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو مخاطب ہوکر فرمایا: قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے اگر تمام مدینہ خالی ہوجائے، میں تنہا رہ جاؤں، درندے اور کتے مجھے کھانا شروع کردیں تب بھی اسامہ اور اس کے لشکر کو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق روانہ کروں گا۔ (طبری: ۲/ ۶۶۱، ابن عساکر: ۱/ ۱۱۷)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو جب یقین ہوگیا کہ خلیفۂ اول کسی صورت میں بھی جیشِ اسامہ کو روکنے کے لیے تیار نہیں، تو اب آپ نے انصار کی نمائندگی کرتے ہوئے خلیفۂ رسول کی خدمت میں عرض کیا کہ اس لشکر میں چوں کہ سن رسیدہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم موجود ہیں اور اُسامہ نوجوان ہیں؛ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ قیادت کو تبدیل کردیا جائے اُسامہ کے بجائے کسی سن رسیدہ اور تجربہ کار صحابی رضی اللہ عنہ کو امیرِ لشکر بنایا جائے۔ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جب یہ بات سنی تو باوجود اپنی طبیعت کی نرمی کے غصّہ میں قابو سے باہر ہوگئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فرمایا: "استعمله رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

وتأمرني أن اعزله"۔ (تاریخِ طبری: ۴/۴۶) اے خطاب کے بیٹے! اسامہ کو رسول اللہ نے لشکر کا قائد مقرر کیا ہے میں نے نہیں؛ لیکن تم مجھے کہتے ہو کہ میں اس کو لشکر کی قیادت سے علاحدہ کردوں، بخدا ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔

الغرض حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کے تمام تر اعتراضات کا دفعیہ کرتے ہوئے یہ اعلان کردیا کہ جیشِ اسامہ کے لیے جو حضرات نامزد کیے گئے تھے وہ تمام مقامِ جرف میں پہنچ جائیں، جب لوگ وہاں اکٹھے ہوگئے تو آپؓ بھی وہاں پہنچ گئے، اور آپؓ نے مختصراً خطبہ دیا، فرمایا: لوگو! میں تمہاری طرح کا ایک انسان ہوں، مجھے کیا پتہ تھا کہ تم لوگ مجھ پر بوجھ ڈال دوگے جس کے اٹھانے کی طاقت صرف سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں تھی؛ کیوں کہ میں ان کے مقابلہ میں بہت کمزور ہوں، اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام جہانوں کی مخلوق میں سے منتخب فرمایا اور ہر قسم کی آفتوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محفوظ فرمایا، مجھ میں کوئی ہمت اور طاقت نہیں ہے، میرا کام صرف اور صرف سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور ان کے اقوال وافعال کی تابعداری کرنا ہے، میں تم لوگوں کے سامنے کوئی نئی شے پیش نہیں کروں گا، اگر میں سیدھا رہوں تو میری اطاعت کرو اور اگر میں ٹیڑھا ہوجاؤں تو مجھے سیدھا کردو۔ (صدیقِ اکبرؓ: ۲۴۶) غرض خلیفۂ اول نے خطرات ومشکلات کے باوجود حضرت اسامہؓ کو روانگی کا حکم دیا اور خود دور تک پیادہ پا لشکر کے ساتھ چلے اور ان کو نہایت زرّیں ہدایات فرمائیں:

اے مجاہدینِ اسلام! تم اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کے لیے شام جیسے دور دراز علاقہ میں جا رہے ہو، اس موقع پر میں تمہیں چند باتیں کہنا چاہتا ہوں، ان کو غور سے سنو اور اس پر ضرور عمل کرو:

۱-خیانت نہ کرنا۔

۲-بدعہدی نہ کرنا۔

۳-چوری نہ کرنا۔

۴-جنگ میں کسی کا مثلہ نہ کرنا (یعنی ان کے اعضا نہ کاٹنا)۔

۵-بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل نہ کرنا۔

۶-کھجور کے اور دوسرے پھلدار درخت نہ کاٹنا۔

۷-بھیڑ، بکری، گائے یا اونٹ کو کھانے کے سوا ذبح نہ کرنا۔

۸-راہبوں اور تارک الدنیا لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دینا، اور ان سے کوئی تعرض نہ کرنا۔

۹-تم ایسے لوگوں کے پاس جاؤ گے جو تمہارے لیے مختلف اقسام کے کھانے برتنوں میں ڈال کر پیش کریں گے، انہیں ''بسم اللہ'' پڑھ کر شروع کرنا۔

۱۰-تم ایسے لوگوں سے بھی ملو گے جنہوں نے سر کا درمیانی حصہ تو منڈوایا ہوگا؛ لیکن سر کے چاروں طرف بڑی بڑی لٹیں لٹکی ہوں گی انہیں قتل نہ کرنا۔

۱۱-اپنی حفاظت اللہ کے نام سے کرنا۔

اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو شکست سے اپنی حفظ وامان میں رکھے۔آمین

اس کے بعد خاص طور پر حضرت اسامہ بن زیدؓ کو نصیحت فرمائی کہ اللہ کے رسول نے تمھیں جو امور انجام دینے کے لیے ہدایت فرمائی تھی ان کو پوری توجہ سے سر انجام دینا۔(صدیقِ اکبر:۲۴۷)

چوں کہ حضرت اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے اور جانشینِ رسول پیادہ پا گھوڑے کے ساتھ چل رہے تھے، اس لیے انھوں نے تعظیماً عرض کیا کہ: اے جانشینِ رسول! خدا کی قسم آپ گھوڑے پر سوار ہولیں؛ ورنہ میں بھی اترتا ہوں، بولے: اس میں کیا مضائقہ ہے، اگر میں تھوڑی دیر تک راہِ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کرلوں! غازی کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔(طبری:۱۸۵)

حضرت اسامہؓ کا لشکر رخصت ہو کر حدودِ شام میں پہنچا اور اپنا مقصد پورا کر کے نہایت کامیابی کے ساتھ چالیس دن میں واپس آیا، حضرت ابو بکرؓ نے صحابۂ کرامؓ کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کر نہایت مسرت سے ان کا استقبال فرمایا۔(سیر الصحابہ:۱/۴۴)

مدعیانِ نبوت، مرتدین اور باغیوں کی سرکوبی

جزیرہ نما عرب میں حضرت صدیقِ اکبر کو جن لوگوں سے مقابلہ درپیش تھا وہ دو گروہ تھے، ایک وہ جو نجد و یمن اور حضر موت وغیرہ میں جھوٹے مدعیانِ نبوت کے ساتھ متفق ہو گئے تھے، اور دوسرے وہ قبائل تھے جنھوں نے زکوٰۃ کا انکار کر

دیا تھا، اول الذکر کے ساتھ قتال کرنے میں سب صحابہؓ متفق تھے؛ لیکن دوسرے کے ساتھ قتال کرنے میں عام صحابہ کو تردّد تھا؛ لیکن رائے صدیقی کے بعد تمام صحابہؓ متفق ہو گئے۔

سردارانِ قبائل کی جانب قاصدوں کے ذریعہ خطوط وفرامین روانہ کرنے کے بعد آپ نے گیارہ علَم تیار کیے اور گیارہ سرداروں کو منتخب فرمایا، اور ہر ایک سردار کو ایک علَم اور دستۂ فوج دے کر یہ حکم فرمایا کہ مکہ، طائف وغیرہ مقامات میں جہاں جو قبائل اسلام پر قائم ہیں ان میں سے کچھ لوگوں کو گھر بار کی حفاظت کے لیے چھوڑ دے، اور کچھ لوگوں کو لشکر میں شریک کرتے جائیں، نیز ہر سردار کو ایک خط بھی دیا جس کا مضمون ایک ہی تھا، یہ تمام سردار جمادی الاول ۱۱ھ میں مدینۂ منورہ سے روانہ ہو کر اور اپنے اپنے علاقوں کی طرف جا کر مصروفِ عمل ہوئے۔

پہلا علَم خالد بن ولید کو دیا اور یہ حکم دیا کہ تم طلیحہ اسدی پر چڑھائی کرو اور اس مہم سے فارغ ہو کر مقامِ بطاح کی طرف مالک بن نویرہ پر حملہ کرو، یہ وہ شخص تھا جو عہدِ نبوی میں مسلمان تھا؛ لیکن وفاتِ نبوی پر اس نے مسرت کا اظہار کیا تھا اور سجاح مدعیٔ نبوت سے مصالحت کر لی تھی۔

دوسرا علَم عکرمہؓ بن ابی جہل کو دیا گیا اور یہ حکم ہوا کہ تم یمامہ کی طرف مسیلمہ کذاب پر حملہ کرو۔

تیسرا علَم شرحبیل بن حسنہ کو سپرد کر کے یہ حکم دیا کہ عکرمہ کی امداد کرو اور

یمامہ سے فارغ ہو کر حضر موت کی طرف بنو کندہ اور بنو قضاعہ پر حملہ آور ہو۔

چوتھا علَم خالد بن سعید کو ملا اور حکم ہوا کہ ملکِ شام کی سرحد پر پہنچ کر اس طرف کے قبائل کو درست کرو۔

پانچواں علَم حضرت عمرو بن عاص کو سپرد کر کے حکم دیا کہ مرتدینِ بنو قضاۃ کی طرف جاؤ۔

چھٹا علَم حذیفہ بن محسن کو دے کر ملکِ عمان کی طرف جانے کا حکم دیا۔

ساتواں علَم عرفجہ بن ہرثمہ کو سپرد کر کے اہلِ مہرہ کی طرف جانے کا حکم دیا، حذیفہ اور عرفجہ کے لیے یہ شرط تھی کہ دونوں ساتھ ساتھ رہیں، عمان میں حذیفہ اور مہرہ کی طرف عرفجہ امیر ہوں گے۔

آٹھواں علَم طریفہ بن عامر کو دیا گیا اور حکم ہوا کہ بنو سلیم اور ان کے شریکِ حال بنو ہوازن کی طرف جاؤ۔

نواں علَم سوید بن مقرن کو دیا گیا اور ان کو حکم ملا کہ یمن کی جانب جاؤ۔

دسواں علَم علاء بن الحضرمی کو دیا گیا اور حکم ملا کہ بحرین کی طرف جاؤ۔

گیارہواں علَم مہاجر بن ابی امیہ کو دیا گیا کہ تم صنعاء کی طرف جاؤ۔

یہ تمام سردار اپنے اپنے دستوں سمیت مقرر شدہ علاقوں پر حملہ آور ہوئے اور کامیابی حاصل کی۔

الغرض سنہ ۱۱ ھ کے اختتام سے قبل ایک سال سے کم مدت میں صدیقِ

اکبر فتنۂ ارتداد کے مقابلے میں پورے طور پر غالب آگئے، اور جزیرہ نما عرب مرتدین ومشرکین سے بالکل پاک وصاف ہوگیا، اتنی قلیل مدت میں اتنے بڑے فتنے کو فرو کرنا اور اس پر قابو پالینا دبستانِ محمدی کے تربیت یافتہ حضرت صدیقِ اکبرؓ ہی کا کام تھا، جس کام کو سکندرِ یونانی اور جولیس، سیزر روبی مل کر بھی پورا کرنے کی جرأت وہمت نہیں کر سکتے تھے، اس کو خیر البشر کے شاگردِ رشید اور خاتم النبیین کے خلیفۂ اول ٹھیک اپنے مرتبہ کے موافق ہمت واستقلال کے ساتھ چند مہینے میں بحسن وخوبی پورا کر کے دکھا گئے۔

اس میں شک نہیں کہ لشکرِ صدیق میں خالد، عکرمہ، شرجیل اور حذیفہ جیسے بے نظیر مردانِ صف شکن موجود تھے؛ لیکن ان کی حیثیت آپؓ کے سامنے شطرنج کے مہروں کی طرح تھیں جس کو آپ کی انگشتِ تدبیر جس جگہ مناسب سمجھتی اٹھا کر رکھ دیتی تھی، اور حقیقت بھی یہی ہے کہ خلیفۃ الرسول نے مدینہ میں بیٹھ کر شام ونجد سے مسقط وحضر موت تک اور خلیج وفارس سے یمن وعدن تک تمام برِ اعظم کو تنہا اپنی تدبیر سے چند مہینے کے اندر خس وخاشاک سے پاک وصاف کر دیا، اس فتنے کی ابتدا میں حضرت صدیقِ اکبرؓ کے سوا کوئی متنفس ایسا نہیں تھا جو اس کی انتہا کو دیکھ سکتا، صرف آپ کو دور بینی کا وہ ملکہ حاصل تھا جس کے باعث نہ لشکرِ اسامہ کی روانگی کو ملتوی کرنا مناسب سمجھا نہ مسجدِ نبوی میں فاروقِ اعظم سے مرعوب ومتاثر ہوئے اور نہ منکرینِ زکوۃ کے مطالبات کو کوئی وقعت دی اور نہ ہی مدعیانِ نبوت کے ساتھ

نرمی روا رکھی۔

فتوحات: بعثتِ نبوی کے وقت دنیا میں دو سلطنتیں سب سے بڑی تھیں اور پوری دنیا پر چھائی ہوئی تھیں، ایک روم کی سلطنت اور دوسری ایرانی شہنشاہی، آدھی دنیا پر رومی تمدن اور آدھی پر ایرانی تمدن چھایا ہوا تھا، جزیرہ نما عرب میں۔ جو کہ بالکل کسمپرسی اور تاریکی کے عالم میں سانسیں لے رہا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور اور اسلام کے ذریعہ ایک نئی سلطنت اور نئے تمدن کی ابتدا ہوئی اور آگے جا کر اسی عربی اور اسلامی سلطنت کے مقابلے میں رومی و ایرانی سلطنتیں ہوا اور فنا ہو گئیں، اور ساری دنیا اسلامی حکومت و تمدن کے زیرِ سایہ زندگی بسر کرنے لگی۔

عراق وشام پر لشکر کشی

وفاتِ نبوی کے بعد عرب میں فتنۂ ارتداد اور بدامنی کی خبر کو ان دونوں سلطنتوں نے اطمینان و مسرت کے ساتھ سنا اور ان خبروں نے دونوں حکومتوں کو اس بات پر بھی ابھارا کہ ملکِ عرب کے پامال کرنے اور اس کی طرف سے آئندہ خطرات کے مٹا دینے کا یہ بہترین وقت ہے، چناں چہ ایک طرف ہرقل کی فوجیں شام میں، اور دوسری طرف ایرانی فوجیں عراق میں جمع ہونے لگیں، یہ آپ رضی اللہ عنہ کی مآل اندیشی، موقع شناسی اور کامل مستعدی ہی کا نتیجہ تھا جس نے فتنۂ ارتداد اور اندرونی بدامنی کو جلد سے جلد مٹایا اور اس کے بعد ایک دن بھی ضائع کیے بغیر فوراً رومیوں اور ایرانیوں کے روکنے اور مدافعت کرنے کے لیے تمام ملکِ عرب کو

آمادہ کردیا، اگر آپؓ فتنۂ ارتداد کو مٹانے پر قادر نہ ہوتے یا مٹانے میں چند روز اور نکال دیتے یا مٹ جانے کے بعد چند روز تساہل اور تامل میں گذار دیتے تو اسلام کا دارالخلافہ مدینہ منورہ رومیوں یا ایرانیوں کے محاصرہ میں آچکا ہوتا۔

آپؓ نے جب لشکرِ اسامہ کو شام کی جانب روانہ کیا تھا تو وہ ایرانیوں سے غافل نہیں تھے، آپؓ نے ان خطرناک حالات میں جب کہ مدینہ منورہ کی حفاظت اور عرب میں فتنۂ ارتداد کو مٹانے کے لیے افواج کی بے حد ضرورت تھی، مذکورہ گیارہ لشکروں کی روانگی سے قبل ایک چھوٹا سا دستہ حضرت مثنیٰ بن حارثہ شیبانی کی سر کردگی میں بجانبِ عراق روانہ کردیا تھا اس حکم کے ساتھ کہ کسی بھی جگہ جم کر لڑائی نہ کریں؛ بلکہ وقتاً فوقتاً چھاپے مارتے رہیں، اور عراقی رؤسا کو ڈراتے رہیں؛ تاکہ ارتداد کے ختم ہونے تک وہ ملکِ عرب پر حملہ آور نہ ہوں اور مسلمانوں کی پریشانیوں اور مصیبتوں سے پورے طور پر واقف نہ ہوسکیں اور یہی مقصد آپ نے رومیوں کی طرف سے اطمینان کے لیے لشکرِ اسامہ سے بھی حاصل کیا تھا۔

جب نجد و یمامہ کے حالات قابو میں آگئے تو آپ نے نجد میں مقیم عیاض بن غنم کو بذریعۂ خط یہ امر فرمایا کہ تم غیر مرتد مسلمانوں کو لے کر راستے میں دیگر مسلم قبائل کو شریک کرتے ہوئے بجانبِ عراق روانہ ہوجاؤ،۔ اثنائے راہ خالد بن ولید آکر مل گئے اور دونوں نے مل کر ذات السلاسل، قارن، ولجہ، لیس اور حیرہ وغیرہ کی جنگیں لڑیں، اس کے بعد خالد بن ولید نے مقامِ حیرہ کو جائے قیام اور ہیڈ کوارٹر بنا

کر ارد گرد کے مقامات کا اہتمام وانصرام کیا اور لڑتے لڑتے دریائے فرات کے پاس واقع مقام فراض سرحدِ شام تک پہنچ گئے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ ۱۲ھ میں مقامِ حیرہ میں داخل ہوئے تھے، اور ۱۳ھ تک رہے، اس قلیل مدت میں ان کو قدم قدم پر دشمنوں سے مقابلہ پیش آیا اور بیسیوں خونریز لڑائیاں لڑیں، ہر لڑائی میں ان کی فوج کم اور دشمن کی فوج کئی کئی گنا ہوتی تھی، مگر انہیں ہر مرتبہ فتح نصیب ہوئی، کسی موقع پر بھی ان کو ہزیمت وشکست کا سامنا نہیں کرنا پڑا، اور مغرور ایرانیوں کے دلوں پر عربوں کی قوتِ بازو اور عزم واستقلال کی دھاک بیٹھ گئی۔

خالد بن ولید کی بے نظیر شجاعت اور قابلیتِ سپہ سالاری پر درود وسلام بھیجتے ہیں؛ لیکن ان تمام خالدی کارناموں کی روح: انتخابِ صدیقی، تربیتِ صدیقی اور ہدایاتِ صدیقی ہے۔ حضرت صدیقِ اکبرؓ مدینۂ منورہ سے لشکرِ اسلام کے ساتھ برابر سلسلۂ خط وکتابت جاری رکھے ہوئے تھے اور ایک ایک واقعہ کی خبر آپ تک بہت جلد پہنچ جاتی تھی۔

خالد بن ولید عراق کے علاقوں کو فتح کرتے کرتے دریائے فرات کے پاس مقام فراض سرحد شام تک پہنچ چکے تھے، ہرقل شاہِ روم نے اسلامی لشکر کے حدود شام میں موجود ہونے کی خبریں سن کر اول سرحدی قبائل اور رؤسا کو مقابلے کے لیے ابھارا، یہ چھوٹے چھوٹے رئیس اور عرب مستنصرہ کے قبائل اسلامی لشکر

کے مقابلے میں مغلوب ہوتے گئے تو قیصرِ روم ہرقل نے ہامان نامی رومی کو لشکرِ عظیم کے ساتھ آگے بڑھایا؛ لیکن اس کو شکستِ فاش نصیب ہوئی، اس شکست کا حال سن کر ہرقل خود سلطنتِ قسطنطنیہ سے روانہ ہو کر ملکِ شام میں آیا اور تمام افواج کو جمع کیا اور لڑائی کا اہتمام براہِ راست اپنے ہاتھ میں لیا۔ خالد بن ولید نے بذریعۂ خط تمام حالات سے حضرت صدیقِ اکبرؓ کو آگاہ کیا، اتفاقاً جس روز حضرت خالدؓ کا یہ خط دربارِ خلافت میں پہنچا، اسی روز حضرت عکرمہ بن ابی جہلؓ اپنی مہم سے فارغ ہو کر مدینہ پہنچے تھے، آپؓ نے حضرت عکرمہؓ کو فوراً حضرت خالدؓ کی طرف روانہ کر دیا اور ملک کے ہر مقام سے لڑائی کے لیے آمادہ اور جہاد کے لیے مدینہ میں جمع شدہ قبائل کے چار حصے کیے اور چار علَم بنائے: ایک علَم حضرت عمرو بن عاصؓ کو دے کر فلسطین کی طرف، دوسرا حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو دے کر دمشق کی طرف، تیسرا علَم حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو دے کر حمص کی جانب اور چوتھا اسی عرصے میں عراق سے تشریف لائے ہوئے حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کو دے کر اردن کی جانب حملہ کرنے کا حکم دیا۔ یہ چاروں لشکر ۱۳ھ میں چار مختلف راستوں سے شام کی طرف روانہ ہوئے۔

جب یہ چاروں لشکر حدودِ شام میں داخل ہوئے تو ہرقل کو اطلاع ملی کہ عربوں نے چار حصوں میں منقسم ہو کر چار مقامات پر حملہ آوری کا قصد کیا ہے، تو اس نے بھی چار سپہ سالاروں کو چار عظیم الشان لشکر دے کر الگ الگ روانہ کیا،

حضرت عمرو بن عاصؓ کے مقابلے کے واسطے اپنے حقیقی بھائی تذارق کو نوے ہزار فوج دے کر فلسطین کی طرف روانہ کیا، جرجہ بن نوذر کو چالیس ہزار فوج دے کر یزید بن ابی سفیانؓ کے مقابل دمشق کی طرف بھیجا، راقص نامی سردار کو پچاس ہزار فوج کے ساتھ شرحبیل بن حسنہ کے مقابلے پر اردن کی جانب روانہ کیا اور قیقار بن نسطور کو ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ حضرت ابوعبیدہؓ کے مقابلہ کے لیے حمص کی طرف روانہ کیا۔

جب مسلمانوں کو ہرقل کی اس تیاری کی اطلاع ملی کہ اس نے ہر لشکر کے مقابلہ پر اس سے آٹھ گنا رومی فوج جو ہر طرح کیل کانٹے سے لیس ہے بھیجی ہے، تو ایک طرف امیر المؤمنین کو اطلاع دی اور دوسری طرف انہوں نے مناسب سمجھا کہ ہم کو ایک جگہ متحد ہو کر مقابلہ کرنا چاہیے، اتفاق کی بات کہ ادھر چاروں سردار اپنی اپنی فوجوں کو لیے یرموک میں جمع ہوئے، ادھر حضرت صدیقِ اکبرؓ نے رومی لشکر کی کثرت اور تیاریوں کا حال سن کر ایک طرف تو چاروں سرداروں کو جمع ہو کر مقابلہ کرنے کا حکم دیا اور دوسری طرف حضرت خالدؓ کو لکھا کہ تم حیرہ میں اپنی جگہ مثنیٰ بن حارثہ کو وہاں کا ذمہ دار افسر بناؤ اور نصف فوج مثنیٰ کے پاس چھوڑ و اور نصف خود لے کر شام کی طرف چلے جاؤ، اور وہاں کی تمام افواجِ اسلام کا اہتمام بحیثیتِ سپہ سالارِ اعظم اپنے ہاتھ میں لے لو۔

راستہ میں خالد بن ولید کو کئی دشمن قبائل اور رئیسوں کی فوجوں نے روکا، ہر

جگہ حضرت خالدؓ لڑتے اور دشمنوں کو مارتے، بھگاتے اور سامنے سے ہٹاتے ہوئے ماہ ربیع الاول ۱۳ھ میں یرموک پہنچ گئے اور اپنے چالیس یا چھتیس ہزار کے لشکر سے اپنے سے آٹھ گنا رومیوں کے لشکر کو ایسی شکستِ فاش دی ہے کہ دنیا آج تک انگشتِ بدنداں ہے، ہرقل اپنی کئی لاکھ آہن پوش لشکر کا مٹھی بھر مسلمانوں کے ہاتھ سے تہس نہس ہونا سن کر ششدر رہ گیا اور فوراً حمص سے روانہ ہو کر کسی دوسرے مقام کی طرف چل دیا، اس طرح صدیقِ اکبر نے اپنے سوا دو سالہ عہدِ خلافت میں اسلامی حکومت کو ملکِ عرب میں مستقل اور پائدار بنا کر ایران و روم کی فوجوں کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ (ملخص از تاریخِ اسلام نجیب آبادی: از ۲۲۹۔۲۶۰)

استخلافِ عمر فاروقؓ اور وفات حسرت آیات

آپؓ کی خلافت کو ابھی صرف دو برس ہوئے تھے جس میں آپؓ نے مدعیانِ نبوت، مرتدین اور منکرینِ زکوٰۃ کی سرکوبی کے علاوہ بھی بہت سارے کارہائے نمایاں انجام دیے اور ابھی تو فتوحات کی ابتدا ہی ہوئی تھی کہ پیامِ اجل آپہنچا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: ایک دن جب کہ موسم نہایت سرد و خنک تھا، آپ نے غسل فرمایا، غسل کے بعد بخار آ گیا اور مسلسل پندرہ دن تک شدت کے ساتھ قائم رہا، اس درمیان مسجد آنے جانے سے بھی معذور ہو گئے، چناں چہ آپؓ نے حضرت عمرؓ کو امامت کے فرائض انجام دینے کا حکم دیا، مرض روز بروز بڑھتا ہی جارہا تھا، جب زندگی سے آپ مایوس ہو گئے تو صحابۂ کرام کے مشورہ سے

آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جانشین منتخب فرمایا اور پھر انہیں چند ہدایات بھی کیں، اس کے بعد آپ نے پوچھا: آج کونسا دن ہے؟ لوگوں نے جواب دیا دوشنبہ، پھر پوچھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وصال کس روز ہوا تھا؟ کہا گیا کہ دوشنبہ کے روز، تو پھر فرمایا کہ: میری آرزو ہے کہ آج ہی رات اس عالمِ فانی سے رحلت کر جاؤں۔ چناں چہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوگئی اور دوشنبہ کا دن ختم کر کے منگل کی رات تریسٹھ برس کی عمر میں اواخر جمادی الاول ۱۳؁ھ کورہ گزینِ عالَم جاودانی ہو گئے، انا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

وصیت کے مطابق آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا نے غسل دیا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے قبر میں اتارا اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلو میں مدفون ہو کر دائمی رفاقت رفاقت کا شرف پا گئے۔

(سیر الصحابہ ۱/۵۶-۵۷)

ازواج واولاد

آپ رضی اللہ عنہ نے متعدد اوقات میں متعدد شادیاں کیں:

① اسلام سے قبل آپ نے بنی عامر بن لوی کے خاندان میں قتیلہ بنت عبد العزیٰ سے شادی کی، ان سے ایک صاحبزادے عبداللہ اور ایک صاحبزادی اسماء پیدا ہوئی، اسماء کی شادی حضرت زبیر بن عوام سے ہوئی، حضرت عبداللہ بن

زبیران ہی کے فرزند تھے۔

②اسی زمانہ میں آپ نے دوسری شادی بنی کنانہ کے خاندان میں امِ رومان بنت عامر سے کی، ان سے ایک صاحبزادے عبدالرحمٰن اور ایک صاحبزادی حضرت عائشہ صدیقہؓ پیدا ہوئیں جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نکاح میں آئی۔

③اسلام کے بعد آپ نے خاندان خثعم میں حضرت اسماء بنتِ عمیس سے شادی کی، یہ حضرت جعفر بن ابی طالب کی بیوی تھیں، ان سے ایک صاحبزادے محمد پیدا ہوئے۔

④اسی زمانے میں آپ نے خاندان خزرج میں حبیبہ بنت خارجہ سے شادی کی، ان سے حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد ایک صاحبزادی امِ کلثوم پیدا ہوئیں۔(تاریخِ ملت ۱/ ۸۸)

بابِ دوم

اوصاف وکمالات

اللہ رب العزت نے آپؓ کو بے شمار نمایاں اوصاف وکمالات سے نوازا تھا، آپؓ نہ صرف یہ کہ حلقہ بگوشِ اسلام ہونے کے بعد ان اوصاف سے آراستہ ہوئے تھے؛ بلکہ قبولِ اسلام سے پہلے ہی اوصافِ حمیدہ کے حامل تھے، اس میں اسلامی اخلاق واوصاف نے چار چاند لگادیے، آپؓ کے اوصاف وکمالات میں

سے چند کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے:

تقویٰ اور خوفِ خدا: تقویٰ آپؓ کی کتابِ حیات کا روشن وتابناک باب ہے، زندگی کے ہر موڑ پر آپ نے اس عظیم الشان وصف کا دامن تھامے رکھا، زندگی کی آخری سانس تک ”لا یبلغ العبد أن یکون من المتقین حتی یدع ما لا بأس به حذر اًلما به بأس“. (جامع الترمذی) بندہ اس درجے کا نہیں پہنچتا کہ وہ متقین میں شامل ہوجائے یہاں تک کہ وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے جن میں شبہ ہو ان چیزوں سے بچنے کے لیے جو ممنوع ہیں، کے حقیقی مصداق بنے رہے۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپؓ کے غلام نے کوئی چیز لاکر پیش کی، شدتِ بھوک کی وجہ سے بغیر تحقیق کے آپ اُسے تناول فرمانے لگے، غلام نے کہا کہ: آپ کو معلوم بھی ہے یہ چیز کیسے حاصل ہوئی؟ فرمایا: بتلاؤ کیسے حاصل ہوئی؟ اس نے کہا: میں نے زمانۂ جاہلیت میں ایک شخص کے لیے کہانت کی تھی، جس میں اس کو دھوکا دیا تھا، آج اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے اس کہانت کا بدلہ دیا، بس اتنا سننا ہی تھا کہ آپ بے چین ہوگئے اور فوراً حلق میں انگلی ڈال کر قے کردی۔ اور فرمایا کہ: اگر اس کھانے کو نکالنے میں جان بھی نکل جاتی تب بھی اس کھانے کو نکال کر رہتا۔ (صحیح بخاری: ۱/ ۵۴۲ بحوالہ حیاۃ الصحابہ: ۳/ ۲۴۱-۲۴۲)

کبھی کسی درخت کو دیکھ کر فرماتے کاش میں درخت ہوتا کہ آخرت کے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا، کبھی کسی چڑیا کو دیکھ کر فرماتے: پرندو! تم کتنے اچھے ہو کہ

چرتے پھرتے ہو، درخت کے سایے میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے روز تمہارا کوئی حساب نہیں، کاش! ابوبکر بھی تمہاری طرح ہوتا۔ (کنز العمال ۶/۳۲۱، بحوالہ سیر الصحابہ ۱/۹۱)

تواضع: آپ نہایت متواضع تھے، کسی بھی کام سے عار اور شرم نہ کرتے تھے، بھیڑ بکریاں خود ہی چرا لیا کرتے، محلہ والوں کی بکریوں کا دودھ دوہ دیتے۔ منصبِ خلافت پر فائز ہو جانے کے بعد محلہ کی ایک لڑکی نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا: اب ہماری بکریوں کا دودھ کون دوہے گا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے سن لیا تو فرمایا: ضرور؛ میں ہی دوہوں گا، خلافت کی یہ ذمہ داری میرے اندر تبدیلی پیدا نہیں کر سکتی، کبھی آپ رضی اللہ عنہ اس لڑکی سے کہتے: بتاؤ! جھاگ والا دودھ دوہوں یا بنا جھاگ والا۔ (حیاۃ الصحابہ ۳/۱۶۸)

جب کوئی آپ کی تعریف کرتا تو آپ رضی اللہ عنہ فرماتے: اے اللہ! آپ میرے حال سے زیادہ واقف ہیں۔ اے اللہ! جیسا یہ لوگ گمان کرتے ہیں مجھے اس سے بہتر بنا دے، اور جن گناہوں کو یہ لوگ نہیں جانتے ان کو معاف فرما دے، اور یہ لوگ جو میری تعریف کرتے ہیں اس کا مجھ سے مؤاخذہ نہ فرما۔

(اسد الغابہ ۳/۱۳۱ بحوالہ سیر الصحابہ ۱/۸۸-۸۹)

خدمتِ خلق: اللہ کی مخلوق کو نفع پہچانا، ان کی خدمت کرنا آپ کا خاص مشغلہ تھا، محلہ والوں کا کام انجام دینا، ضعیف اور کمزوروں کے کام آنا آپ کے لیے خوشی کا باعث تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک نابینا بڑھیا کی خبر گیری اور خدمت کرنا

چاہا تو دیکھا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے اس بڑھیا کی خدمت کر جاتا ہے، ایک دن تاک میں بیٹھ گئے، دیکھا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس ضعیفہ کی خدمت کر رہے ہیں؛ حالاں کہ اس وقت آپ خلیفۃ المسلمین تھے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: اللہ کی قسم! آپ ہی ہر روز یہ خدمت انجام دے رہے ہیں۔

(اسد الغابہ ۳/ ۳۱۴ بحوالہ ندائے شاہی)

زہد اور دنیا سے بے رغبتی: اسلام سے پہلے مکۂ مکرمہ میں آپ کا شمار بڑے بڑے تاجروں اور صاحبِ ثروت لوگوں میں ہوتا تھا؛ مگر اسلام لے آنے کے بعد ساری دولت دینِ اسلام کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قدموں پر نچھاور کردی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، اسلام لانے کے بعد سب کے سب راہِ خدا میں صَرف کر دیے۔

(فتح الباری ۷/ ۱۴ مناقبِ ابوبکر)

تاریخ نے وہ وقت بھی دکھایا کہ کپڑے کے کرتے کی جگہ ٹاٹ کا کرتہ پہن رکھا ہے اور بٹن کی جگہ ببول کے کانٹے لگا رکھے ہیں، اسی حال میں اللہ تعالیٰ کا سلام آتا ہے، اور یہ بھی ارشاد ہوتا ہے کہ ابوبکر سے پوچھو کہ کیا وہ اس حال میں بھی مجھ سے راضی ہیں؟ پوچھے جانے پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ عرض کرتے ہیں: یا رسول اللہ! میں اس حال میں اپنے رب سے راضی ہوں۔

اپنی گزران اوقات کے لیے مختصر سی تجارت کرتے تھے، بارِ خلافت

کندھوں پر آجانے کے بعد بھی کچھ دنوں یہ سلسلہ قائم رہا؛ مگر حضرت عمرؓ اور حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے دیگر صحابۂ کرامؓ سے مشورہ کیا اور بیت المال سے ڈھائی ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر کردیا۔ (کنز العمال ۵/ ۲۴۲)

ایک روز اہلیہ محترمہ نے کچھ میٹھا کھانے کی فرمائش کی، آپ نے فرمایا کہ: بیت المال سے میں اس سے زیادہ نہیں لے سکتا، جو وظیفہ ملتا ہے اسی سے بچا کر بنا لو، چناں چہ چند روز کے بعد انہوں نے کوئی میٹھی چیز تیار کرکے سامنے رکھی، آپؓ نے پوچھا: پیسے کہاں سے آئے؟ عرض کیا کہ: روزانہ تھوڑے تھوڑے بچا کر جمع کیے، پوچھا کہ: روزانہ کتنی مقدار بچائی تھی؟ انہوں نے بتلا دیا۔ آپ نے بیت المال کے ذمہ دار کو حکم دے دیا کہ میرے وظیفہ سے اتنی مقدار کم کردی جائے؛ کیوں کہ میٹھا کھائے بغیر بھی زندگی بسر ہوسکتی ہے۔ (سیرت خلفائے راشدین: ۵۴)

<u>علم وفضل:</u> آپؓ صحابۂ کرام میں سب سے زیادہ ذی علم اور ذکی تھے، جب کسی مسئلہ کے متعلق صحابۂ کرامؓ میں اختلاف ہوتا تو وہ مسئلہ حضرت ابوبکرؓ کے سامنے پیش کیا جاتا، عرب کے بڑے نسّابوں میں آپؓ کا شمار ہوتا تھا، حتی کہ حضرت جبیر بن مطعم - جو عرب کے ایک نساب تھے- کہا کرتے تھے: میں نے علمِ نسب، سب سے بڑے نساب یعنی حضرت ابوبکرؓ سے سیکھا ہے۔

امام محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ: رسولِ خدا کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ سب سے بڑے معبِّر ہیں۔

صحابۂ کرامؓ کا اس پر اتفاق ہے کہ سب سے زیادہ فصیح ابوبکرؓ وعلیؓ ہیں۔
تمام صحابہؓ نے آپ کی عقلِ کامل اور اصابتِ رائے کو تسلیم کیا ہے۔ (تاریخِ اسلام: ۲۵۵)

سخاوت: آپؓ صحابۂ کرام میں سب سے زیادہ فیاض تھے، وسيجنبها الاتقى الذي يؤتي ماله يتز کی شانِ نزول آپ ہی ہیں۔ چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جتنا مجھے ابوبکرؓ کے مال سے نفع پہنچا ہے کسی کے مال سے نہیں پہنچا، آپؓ روکر فرمانے لگے کہ میں اور میرا مال کیا چیز ہے؟ جو کچھ ہیں سب آپ ہی کے طفیل ہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: میں سب کا احسان اتار چکا ہوں؛ البتہ ابوبکرؓ کا احسان باقی ہے، اس کا بدلہ قیامت کے دن خدائے تعالیٰ دے گا۔ (تاریخِ اسلام: ۲۵۴)

عشقِ رسول: حضرت ابوبکر صدیقؓ محبتِ رسول میں غرق تھے، حضرت عروہ نے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے دوسرے سال حضرت ابو بکرؓ نے ایک خطبہ دیا اور فرمایا: ”إني سمعت نبيكم صلى الله عليه وآله وسلم عام الأول“ یعنی میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے گذشتہ سال سنا تھا، اس لفظ پر حادثۂ وفات یاد آ گیا، بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور بے تاب ہوگئے، یہ سلسلہ بڑھتا ہی گیا، پھر آپ نے تیسری دفعہ بڑی ہمت کر کے خطبہ کو اختتام پر پہنچایا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت امِ ایمنؓ کے پاس گاہے گاہے تشریف لے جایا کرتے تھے، ایک دن حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: ”چلو سنتِ نبوی

کی پیروی کریں اور امِ ایمن سے چل کر ملیں وہاں پہنچے تو وہ رونے لگیں، دونوں نے کہا: روتی کیوں ہو؟ اللہ کا تقرب اس کے رسول کے واسطے بہتر ہے، کہا: یہ میں بھی جانتی ہوں، صدمہ اس کا ہے کہ وحی آسمانی کا سلسلہ منقطع ہو گیا، یہ سن کر دونوں صاحب رونے لگے۔ (سیرۃ الصدیق: ۱۲۴)

بابِ سوم

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل قرآن وحدیث کی روشنی میں

آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل قرآن کریم کی روشنی میں:

واقعہ یہ ہے کہ تمام صحابۂ کرام میں سب سے زیادہ فضیلت، شرف اور سعادت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی کو حاصل ہے، قرآن نے جابجا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کے خصوصی تعلق کو آپ کے خاص خاص اعمال وافعال کو جن سے اسلام کو بڑا فائدہ پہنچا، پوری وضاحت وصراحت کے ساتھ بیان کیا ہے، قرآن نے آپ کی فیاضی وسخاوت اور بے جگری سے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے پر اس طرح داد دی ہے: لا يستوي منكم من أنفق من قبل الفتح وقتل، اولئک أعظم درجة م الذين أنفقوا من بعد (الحديد: ۱۰) ترجمہ: تم میں سے جنہوں نے فتح سے پہلے خرچ کیا، اور لڑائی لڑی وہ (بعد والوں کے لیے) برابر نہیں ہے، وہ درجے میں ان لوگوں سے بڑھے ہوئے ہیں، جنہوں نے (فتحِ مکہ کے) بعد خرچ کیا۔

محمد بن فضیل کلبی نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی شان میں

نازل ہوئی ہے؛ اس لیے کہ وہی سب سے پہلے اسلام لائے اور انہوں نے ہی پہلے اللہ کے راستے میں اپنی دولت خرچ کی۔ (اسباب النزول للواحدی: ۲۸۴ مطبوعۂ مصر)

حضرت ابوبکرؓ نے بلال حبشی کو آزاد کیا تو مشرکین نے کہنا شروع کیا کہ ابو بکر پر بلال کا کوئی احسان تھا، انہوں نے اس کا بدلہ چکایا ہے، قرآن اس کی بھی تردید کی اور اعلان کیا: وما لأحد عنده من نعمة تجزیٰ إلا البتغاء وجه ربه الأعلیٰ ولسوف یرضیٰ، ان متفرق محامد کے علاوہ قرآن مجید میں حضرت ابوبکر کا سب سے اہم تذکرہ وہ ہے جو غارِ ثور میں رفاقت سے متعلق ہے، فرمایا گیا: ثاني اثنین إذهمافي الغار۔

یہ آیت حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت کی ایک اہم اور مستند دستاویز ہے، حضرت ابوبکرؓ کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ رفاقت فی الغار کے عنداللہ وعندالناس مقبول ہونے کی دلیل اس سے بڑھ کر کیا ہوگی کہ گہری دوستی کے لیے ''یارِ غار'' بطور استعارہ ہی بولا جانے لگا۔

امام ابن جوزیؒ نے اس پر امت کا اجماع نقل کیا ہے کہ: وسیجنبها الأتقی والی آیت حضرت ابوبکرؓ کی شان میں نازل ہوئی، یہ تمام تر آیات آپؓ کی علوِ شان اور بلند مرتبے کی وضاحت کرتی ہیں۔ (سیرۃ الصدیق: ۱۲۶)

آپؓ کے فضائل احادیث نبویہ کی روشنی میں:

خالص حضرت ابوبکر کی فضیلت میں ایک سو اکیاسی حدیثیں مروی ہیں،

ستتر حدیثیں ایسی ہیں جن میں حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی فضیلت کا بیان ہے، سترہ حدیثیں ایسی ہیں جن میں مجموعی طور پر خلفائے ثلاثہ کے فضائل مذکور ہیں، چودہ حدیثیں ایسی ہیں جن میں خلفائے اربعہ کے فضائل کے ساتھ اور صحابۂ کرام بھی شریک ہیں۔ اس طرح تین سو سولہ حدیثیں حضرت ابوبکرؓ کی فضیلت میں روایت کی گئی ہیں۔ علاوہ ازیں جن ہزاروں حدیثوں میں مہاجرین ومؤمنین کا ذکر اہلِ ایمان کے فضائل وغیرہ مذکور ہیں وہ بھی حضرت صدیقِ اکبرؓ کی ذات پر صادق آتی ہے۔ چند حدیثیں بطورِ نمونہ اور تبرک کے یہاں بیان کی جاتی ہیں:

حضرت ابنِ عمرؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جس نے از راہِ تکبر پائیجامہ ٹخنوں کے نیچے رکھا تو روزِ قیامت اللہ اس کی طرف (نظرِ رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: میرے کپڑے کی ایک جانب لٹک جاتی ہے؛ البتہ میں اس کا خیال رکھتا ہوں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم از راہِ تکبر ایسا نہیں کرتے۔ (بخاری، رقم الحدیث: ۳۶۶۵)

حضرت ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج تم میں سے کس نے روزہ رکھا ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: میں نے، حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج تم میں سے کس نے جنازہ میں شرکت کی ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: میں نے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: آج تم میں سے کس نے مسکین کو کھانا کھلایا؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: میں نے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

فرمایا: آج تم میں سے کس نے مریض کی عیادت کی ہے؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا: میں نے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص میں یہ اوصاف پیدا ہو جائیں وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسلم بحوالہ سیرت صدیق: ۲۸-۲۹)

حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرے بعد ابوبکر اور عمر کی اقتدا کرنا۔ (ترمذی، باب المناقب)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا: جیسا کہ تم غار میں میرے ساتھ تھے ویسے ہی حوضِ کوثر پر بھی میرے ساتھ رہو گے۔ (ترمذی، ابواب المناقب)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”لو کنت متخذا خلیلا لا تخذت أبا بکر ولکن أخي وصاحبي“.

ترجمہ: اگر میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکرؓ کو بناتا، تاہم وہ میرے دینی بھائی اور دوست ہیں۔ (بخاری شریف، صدیقِ اکبر: ۴۶۴)

محدثِ شہیر حضرت ملا علی قاری علیہ الرحمہ اس کہ وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ حضرت ابوبکر سے بھی ایسی باتیں صادر ہوئی ہیں جو (حضرت ابراہیم علیہ السلام) خلیل اللہ سے ظاہر ہوئیں، مثلاً بتوں کو ضرب لگانا اور اپنے باپ کی مخالفت کرنا وغیرہ۔ (مرقاۃ ۱۱/۲۹۱ بحوالہ صدیقِ اکبرؓ: ۴۶۶)

حضرت ابوبکرؓ کی ایک خاص فضیلت یہ بھی ہے کہ ان کی چار نسلیں صحابی

تھیں، وہ خود، ان کے والد ابو قحافہ، ان کے بیٹے حضرت عبد الرحمٰن اور حضرت عبد الرحمٰن کے بیٹے حضرت ابو عتیق محمد رضی اللہ عنہم اجمعین۔ (سیرۃ الصدیق: ۱۵۵)

اولیاتِ صدیق

① مردوں میں سب سے اول اسلام قبول کیا۔

② سب سے اول قرآن شریف کا نام مصحف رکھا۔

③ سب سے پہلے وہ شخص جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت میں کفار سے لڑے، اس لیے وہ اسلام میں سب سے پہلے مجاہد ہیں۔

④ سب سے پہلے خلیفۂ راشد ہیں۔

⑤ پہلے خلیفہ ہیں جن کو باپ کی حیات میں خلافت ملی۔

⑥ سب سے پہلے بیت المال قائم کیا۔

⑦ سب سے پہلے ان کا لقب خلیفہ ہوا۔

⑧ سب سے پہلے اسلام میں انہوں نے مسجد بنائی۔ (سیرۃ الصدیق: ۱۵۵)

سیرتِ صدیق تاریخ کا وہ باب ہے جسے اصحابِ سیر، مؤرخین، کتبِ تواریخ اور مقررین نے برسرِ منبر کروڑہا کروڑ مرتبہ اپنا موضوعِ گفتگو بنایا، لیکن آخر میں ”أفضل البشر بعد الأنبیاء بالتحقیق“ کا علان کر کے ان کی فضیلت کی سچی شہادت علی رؤوس الاشہاد ادا کی ہے، اللہ ہم سب کو بھی حیاتِ صدیق کا کچھ حصہ عطا فرمائے۔ آمین

پروانے کو چراغ، بلبل کو پھول بس		صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

شاعرِ رسول حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کی شان میں کیا ہی خوب کہا ہے:

وثاني اثنين في الغار المنيف وقد		طاف العد به إذ صعد الجبلا
وكان حب رسول الله وقد علموا		من البرية لم يعدل به أحدا

مراجع ومصادر:

① ترجمۂ شیخ الہند ② آسان ترجمۂ قرآن ③ تاریخ الخلفا للسیوطی ④ ازالۃ الضیق بسیرۃ سیدنا ابی بکر الصدیق ⑤ طبقات ابن سعد ⑥ الخلیفۃ الاول أبوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ⑦ سیر الصحابہ ⑧ تاریخ ملت ⑨ صدیق اکبر ⑩ امیر المؤمنین خلیفۃ المسلمین سیدنا صدیق اکبر ⑪ سیرت صدیق اکبر ⑫ حیاۃ الصحابہ ⑬ سیرت خلفائے راشدین ⑭ تاریخ اسلام ⑮ سیرۃ الصدیق۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

از قلم: اسعد ایلولوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس عالمِ رنگ و بو میں انسانوں کے بے شمار قافلے آتے جاتے رہیں، لوگ آتے گئے اور وقتِ محدود گذار کر چلے گئے، اور گئے تو ایسے کہ:

ع داستان تک باقی نہ رہی داستانوں میں

زمانہ انہیں بھول گیا؛ لیکن کچھ نیک فطرت اور پاک طینت بندے خاک کے پردہ سے ایسے اٹھے کہ زمانہ انہیں فراموش نہ کرسکا، ان کی ہر ہر ادا تاریخ نے اپنے سینہ میں محفوظ کی؛ تاکہ بعد میں آنے والی نسلوں کے لیے مشعلِ راہ ثابت ہو، ان ہی ربّانی شخصیات میں ایک دنیا کا عظیم المرتبت انسان اور شمعِ نبوت کا پروانہ بھی ہے، جس کے سر پر صحابیت کا تاج اور ہاتھ میں نصف دنیا کا راج تھا، جو تھا تو خاکی؛ مگر اوصاف میں مشابہ بہ مَلکِ عالی، شان وشوکت اور رعب ودبدبہ ایسا کہ آج بھی نام سن کر قلوب پر برق گرتی ہے، یہ وہی ہے جس کا لقب ''فاروق'' ہے، لوگ جسے امیر المؤمنین ثانی کہتے ہیں، ہاں وہی جس کا نام ''عمر بن الخطاب'' ہے۔

نام ونسب اور ولادت: آپ کا نامِ نامی اسمِ گرامی ''عمر'' تھا، والد کا نام ''خطاب'' اور والدہ کا نام ''خنتمہ'' تھا، آپ کا نسب یہ ہے: عمر بن خطاب بن نفیل بن عبدالعزی بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب۔

(فتح الباری: ۷/ ۴۹)

آپ کا شجرۂ نسب ''کعب'' پر جاکر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب نامے

سے مل جاتا ہے۔ آپ کے جدِ اعلیٰ عدی بن کعب کا شمار قریش کے ان دس افراد میں ہوتا ہے جو بزورِ صلاحیت ولیاقت سارے عرب پر فائق اور اعلیٰ مرتبہ رکھتے تھے۔ (الفاروق ۱/ ۲۲)

امام نووی رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ آپ عام الفیل کے تیرہ سال بعد ۵۸۴ء میں پیدا ہوئے، آپ کی جائے پیدائش سرزمینِ مکہ ہے۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی: ۸۶)

ایامِ جاہلیت میں

آپ عہدِ طفولیت میں عرب کے عام دستور اور قومی شعار کے مطابق جانور چرانے پر مامور ہوئے، آپ مقام ضجنان میں جانور مکہ سے قریب چرایا کرتے تھے۔ کہتے ہیں کہ آپ کے والد بڑے سخت مزاج تھے، جنگل آنے جانے کے اوقات کی پابندی کرواتے تھے اور بصورتِ دیگر پیٹا بھی کرتے تھے، اور کہتے تھے کہ عمر تو کیا کرے گا تجھے تو اونٹ چرانا بھی نہیں آتا؛ لیکن خطاب کو کیا معلوم تھا کہ ایک دن یہی عمر اونٹوں کی گلہ بانی کے بجائے دنیا جہاں پر حکمرانی کرے گا۔ (الفاروق: ۱/ ۲۶)

عبدالرحمٰن بن حاطب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ہم لوگ حضرت امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی معیت میں مکہ سے روانہ ہوئے، جب مقامِ ضجنان سے گذر ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ ٹھہر گئے اور کہنے لگے کہ: میں نے ایسا زمانہ بھی دیکھا ہے کہ میں اس جگہ خطاب کے اونٹ چرایا کرتا تھا، آج میری حالت یہ ہے کہ لوگ دور دور تک میرے زیرِ

نگیں مقامات میں گھومتے پھرتے ہیں اور مجھ پر کوئی حاکم نہیں۔ پھر آپ نے یہ شعر پڑھا:

لاشيء فيما ترى إلا بشاشة		يبقى الإله ويودي المال والولد

(طبقات ابن سعد مترجم: ۳/۵۶)

تعلیم وتربیت

آپ رضی اللہ عنہ نے جب ہوش سنبھالا تو ساتھ ہی علوم وفنون کی تحصیل کا خیال پیدا ہوا، چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ ان علوم وفنون کے حصول میں سرگرم ہو گئے جو عرب کے رئیس زادوں کو سکھائے جاتے تھے اور عظمت وشرافت کا باعث خیال کیے جاتے تھے، وہ یہ ہیں: نسب دانی، سپہ گری، شہسواری، پہلوانی اور خطابت وسیاست۔

آپ رضی اللہ عنہ نسب دانی میں ماہر تھے، یہ فن آپ رضی اللہ عنہ کے قبیلہ کا مخصوص امتیاز تھا، جاحظ کہتے ہیں کہ: آپ اور آپ کے والد اور دادا سب ''نسّاب'' تھے۔ (الفاروق: ۱/۲۷)

شہسواری میں اس قدر مہارت تھی کہ بھاگتے گھوڑے پر کود کر اس طرح سوار ہوتے کہ بدن میں مطلق حرکت نہ ہوتی تھی۔ (تاریخ ابن خلدون مترجم: ۱/۳۹۸)

آپ کی پہلوانی کے تذکرے زبان زدِ عام وخاص تھے، کہتے ہیں کہ: اوائلِ ذی القعدہ میں کوہِ عرفات کے قریب وسیع میدان میں عکاظ نامی میلہ لگا کرتا تھا، جہاں بیس دن تک گرم بازاری رہتی تھی، ہر جگہ سے ہر فن کے ماہر آتے اور اپنے اپنے فن کا مظاہرہ کرتے تھے، آپ بھی ان معرکوں اور مسابقوں میں

شرکت کرتے تھے اور کئی معرکوں میں بازی لے جاتے تھے، جس کی وجہ سے آپ کی پہلوانی کا چرچا سارے عرب میں ہوتا تھا۔ (سیرت عمر فاروق: ۵۳)

آپ کا ایک خصوصی امتیاز یہ بھی ہے کہ عرب کے عام امّیانہ ماحول میں آپ کا شمار ان قلیل التعداد افراد میں ہوتا تھا جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے، ابن خلدون نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے: ''ظہورِ اسلام کے وقت تمام قبائلِ قریش میں صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے اور ان میں سے ایک عمر بن خطاب تھے''۔ (تاریخ ابن خلدون مترجم ۱/ ۳۹۸)

قوتِ بیان اور زورِ خطابت میں بھی بلند رتبہ پر فائز تھے، یہی سبب تھا کہ ایامِ جاہلیت میں منافرت ومفاخرت کے وقت آپ ہی ثالث اور سفیر ہوتے تھے۔ (تاریخ الخلفاء للسیوطی: ۸۶)

فکرِ معاش

تعلیم وتربیت کے مرحلہ سے گذرے تو آپ کو معاش کا فکر دامن گیر ہوا، آپ نے عرب کے عام دستور کے موافق پیشۂ تجارت اختیار کیا، یہی تجارتی پیشہ آپ کی تعمیر وترقی میں بے حد مفید ثابت ہوا؛ کیوں کہ اس سے منسلک ہونے کی وجہ سے دور دراز ملکوں کے سفر کرنے کا موقع ملا اور دنیا کے بڑے بڑے لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں جس کے طفیل آپ خودداری، بلند حوصلگی، تجربہ کاری اور معاملہ فہمی جیسے اعلیٰ اوصاف کی مجسم تصویر بن گئے۔ (الفاروق ۱/ ۲۹)

ظہورِ قدسی اور عمر

آپ عین شباب میں تھے کہ آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور ہوا، رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو بت پرستی چھوڑ کر توحید کی دعوت دی، پھر کیا تھا؟ دیکھتے ہی دیکھتے سارے عرب میں عداوت ومخالفت کی آگ لگ گئی، جو دوست تھے دشمن ہوگئے، جو اپنے تھے بے گانے ہوگئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے پیروؤں پر ظلم وستم کے پہاڑ ٹوٹنے لگے، ہر شخص اسلام دشمنی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگا، عمر بن خطاب نے بھی اسلام کے خلاف محاذ کھول دیا، ہر وقت اسلام دشمنی میں نورِ نبوت کو مٹانے کی منصوبہ بندی کرنے لگے، جس کسی پر قابو پاتے حد درجہ زد وکوب کرتے تھے، کہتے ہیں کہ لبینہ۔ جو آپ کے قبیلہ کی کنیز تھی۔ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئی تو اس کو بے تحاشا مارنا شروع کردیا، مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ''ذرا دم لے لوں، پھر ماروں گا''۔ (الفاروق: ۱/ ۳۰)

ابن الخطاب نبی کے قتل کا بیڑا اٹھاتے ہیں

مسلمانوں کی روز افزوں ترقی قریشِ مکہ کے لیے ایک لمحۂ فکریہ تھی، وہ ہر لحظہ چراغِ حق کو گُل کرنے کی سوچتے تھے، ایک دفعہ مشاورت کے لیے جمع ہوئے، ابوجہل بولا کہ: کون ہے جو محمد کا کام تمام کرے، تو ابن الخطاب کھڑے ہوئے کہ میں محمد کے قتل کا بیڑا اٹھاتا ہوں عمر شمشیر بکف ہوکر دوپہر کو نکلے، اتفاق سے راستے میں حضرت نعیم بن عبداللہ مل گئے۔ عمر کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے، کہاں کا ارادہ

ہے؟ عمر بولے محمد کے قتل کا، جس نے مکہ میں انتشار پھیلا رکھا ہے۔ نعیم نے کہا کہ: بنو ہاشم اور بنو زہرہ سے مطمئن ہو گئے ہو؟ کہنے لگے: لگتا ہے تو بھی بد دین ہو گیا ہے، لا! پہلے تجھے نمٹا تا ہوں، تلوار سونتی کہ حضرت نعیم کے منہ سے نکلا: پہلے اپنے گھر کا حال لو، اسلام تمہارے گھر میں داخل ہو چکا ہے، تمہارے بہنوئی سعید بن زید اور بہن فاطمہ بنت خطاب حلقہ بگوشِ اسلام ہو چکے ہیں، یہ سن کر غصّہ سے تلملائے اور رخ بدل کر اپنی بہن کے گھر پر پہنچے، دروازہ کھٹکھٹایا، اس وقت گھر میں حضرت خباب رضی اللہ عنہ قرآن پڑھا رہے تھے، کسی کی آہٹ محسوس کر کے وہ چھپ گئے، دروازہ کھلتے ہی بہن سے پوچھا، یہ دھیمی دھیمی آواز کیسی تھی؟ بہن نے کہا: کچھ نہیں، ہم بات کر رہے تھے، بولے: نہیں مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ تم بد دین ہو چکے ہو، اور اپنے بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے اور زد و کوب کرنے لگے، بہن مدافعت کے لیے آئی تو اس زور سے طمانچہ مارا کہ چہرہ خون آلود ہو گیا، خطاب کی بیٹی نے جب خون دیکھا تو خطابی رگ حرکت میں آئی، آگے بڑھ کر بڑی استقامت سے کہا: عمر! جو کرنا ہے کرلو، ہم ہرگز دامنِ اسلام نہیں چھوڑیں گے۔

مرادِ رسول: کتابِ جہل میں علم و ہنر کا باب کھلا

حد سے زیادہ زد و کوب کے بعد جب غصہ کم ہوا تو بہن کی حالتِ زار دیکھ کر شرمندگی ہوئی، اسی حالت میں صحیفۂ قرآنی پر نظر پڑی جو جلدی میں باہر رہ گیا تھا، کہا: لاؤ! ذرا میں بھی دیکھوں تم کیا پڑھتے تھے، بہن نے کہا: تو ناپاک ہے،

ہاتھ نہیں لگا سکتا، پہلے غسل کر۔ عمر اٹھے، غسل کیا اور صحیفہ لے کر سورۂ طٰہٰ کی ابتدائی آیات پڑھنے لگے، جوں جوں پڑھتے گئے توں توں پتھر دل موم ہوتا گیا اور دل کے نہاں خانے میں شمعِ اسلام روشن ہوتی گئی۔ آخر جب "إنني أنا اللّٰه لا إله إلا أنا فاعبدني واقم الصلوٰة لذكري" (طٰه: ۱۴) پر پہنچے تو بول اٹھے: **مجھے محمد کے درِ اقدس پر لے چلو۔** جب گھر کے کونے میں چھپے حضرت خبابؓ نے سنا تو باہر نکل آئے اور گویا ہوئے اے عمر! تو مرادِ رسول ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شبِ جمعہ میں دعا فرمائی تھی "اللهم أعز الإسلام بأبي جهل بن هشام أو بعمر بن الخطاب"۔ اے اللہ! اسلام کو ابو جہل بن ہشام یا عمر بن خطاب سے عزت عطا فرما۔ (ترمذی، باب مناقب عمرؓ ۲/ ۲۰۹)

قافلہ بہاروں کا کس چمن میں ٹھہرا ہے؟

اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے پروانوں سمیت دارِ ارقم میں تشریف فرما تھے، حضرت عمرؓ وہاں پہنچے تو سب گھبرائے کہ خدا جانے کیا معاملہ ہوگا، حضرت حمزہؓ نے کہا: آنے دو، اگر نیک نیتی سے آیا ہے تو ٹھیک ہے؛ ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر اڑا دوں گا، پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آگے بڑھ کر عمر کا گریبان پکڑا اور فرمایا: کیوں عمر! اب بھی اگر اسلام نہیں لائے تو تمہارے متعلق وہی کچھ نازل ہوگا جو ولید بن مغیرہ کے بارے میں نازل ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اسی وقت کلمۂ شہادت پڑھا، مسلمانوں میں خوشی کی لہر دوڑ پڑی اور فرحت ومسرت سے بآوازِ بلند ایسا نعرۂ

تکبیر بلند کیا کہ اس کی صدائے بازگشت کعبہ میں سنی گئی۔(تاریخ الخلفاء للسیوطی:۸۸)

زمانہ آ گیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یاد ہوگا

حضرت عمرؓ کے اسلام سے مسلمانوں کو غیر معمولی قوت وطاقت اور فتح حاصل ہوئی، ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کا اسلام: مسلمانوں کے لیے غیر معمولی فتح، آپ کی ہجرت: نصرت اور آپ کی امامت: رحمت تھی۔ہم بیت اللہ میں نماز نہیں پڑھ سکتے تھے؛ لیکن جب حضرت عمرؓ اسلام کی بیش بہا نعمت سے بہرہ ور ہوئے تو مسلمانوں کو کعبہ میں لے جا کر باجماعت نماز پڑھنے کا موقع فراہم کیا۔
(تاریخ الخلفاء للسیوطی:۹۱)

زمانہ آیا ہے بے حجابی کا، عام دیدارِ یار ہوگا
سکوت تھا پردہ دار جس کا، راز اب آشکارا ہوگا

سوئے یثرب ہجرت

حضرت عمرؓ کا اسلام کفار کے غیظ وغضب میں طغیانی کا باعث بنا، جس سے عدوّانہ جذبہ بھڑک اٹھا اور مسلمانوں کو بیخ وبن سے اکھیڑ کر ختم کرنے کی ناپاک سازشیں کرنے لگے؛ یہاں تک کہ سرزمینِ مکہ باوجود اپنی کشادگی کے مسلمانوں پر تنگ ہوگئی، تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کا حکم فرمایا کہ مدینہ چلے جاؤ، اللہ تعالیٰ تمھیں وہاں امن وامان اور چین وسکون نصیب فرمائے گا۔اصحابِ وفا نے تعمیلِ ارشادِ نبوت میں گھر بار چھوڑے اور جانبِ مدینہ چل دیے، یہ بھی کفارِ مکہ کو

برداشت نہ ہوا، مزاحمتیں شروع ہوئیں، تعاقب کیا گیا، پکڑ کر واپس لایا گیا، مارا گیا؛ لیکن جاں نثاروں کے قافلے تھے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خفیہ مدینہ جانے کی ہر ممکن سعی کرتے رہے۔

حضرت عمرؓ نے جس شان کے ساتھ ہجرت فرمائی اس کا نقشہ حضرت علیؓ نے اس طرح کھینچا ہے: حضرت عمرؓ نے جب ہجرت کے ارادہ سے رختِ سفر باندھا تو شمشیر بکف ہوئے، کمان شانہ پر لٹکائی، ترکش میں تیر بھرے، پھر کعبہ میں تشریف لے گئے، بہ اطمینان طواف کیا، مقامِ ابراہیم پر دوگانہ پڑھے، پھر صنادیدِ قریش کے حلقوں کو للکار کر کہا: ہے کوئی؟ جو چاہتا ہے کہ اس کی ماں اس پر روئے، اس کی بیوی سوگ منائے اور اس کی اولاد یتیم ہو، تو اس وادی سے نکل کر عمر بن خطاب سے ملے اور اس کی راہ روکے؛ لیکن کسی نے جرأت نہیں کی۔

(تاریخ الخلفاء للسیوطی:۹۱)

یہ ماجرا دیکھ کر غریب و کمزور مسلمان جو اکیلے ہجرت نہ کر سکتے تھے حضرت عمرؓ کے ساتھ ہو لیے اور ''فردِ واحد'' ''انجمن'' بن کر مدینہ پہنچا؛ اسی لیے عبد اللہ ابن مسعودؓ آپ کی ہجرت کو ''نصرت'' فرمایا کرتے تھے۔

نبوت کے شانہ بہ شانہ

کتبِ سیر کے مطالعہ سے یہ بات بخوبی واضح ہوتی ہے کہ عہدِ نبوی میں اشاعتِ دین کی غرض سے جس قدر غیر قوموں سے غزوات اور لڑائیاں ہوئیں اور

جتنے معاہدات اور صلحیں ہوئیں، اس میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شرکت سے خالی ہو۔ (الفاروق:۱/۳۶)

ان تمام کی تفصیلات کا یہ موقع نہیں، تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے کچھ اہم کردار ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:

غزوۂ بدر

یہ اسلام اور کفر کے درمیان پہلا معرکہ تھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس میں رائے وتدبیر اور جانبازی و پامردی کے لحاظ سے حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست و بازو بنے رہے، آپ رضی اللہ عنہ نے اس غزوہ میں اسلام کے علاوہ سارے رشتوں کا بے سود ہونا واضح کر دیا اور عاص بن ہشام بن مغیرہ۔ جو آپ رضی اللہ عنہ کا ماموں ہوتا ہے۔ کو اپنے خنجر سے واصلِ جہنم کیا۔ (خلفائے راشدین:۱۰۶)

اس معرکے میں کفار کے ستّر آدمی اسیر ہوئے، ان کے بارے میں مسئلہ موضوعِ بحث بنا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ انہیں فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور ہم میں سے ہر ایک اپنے عزیز کو قتل کر کے دنیا کو پیغام دے کہ عزت و اکرام اسلام کی وجہ سے ہے نہ کہ قرابت داری سے؛ لیکن نبوت کی شانِ رحیمی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر رہا کر دیا؛ لیکن قسّامِ ازل کو کچھ اور ہی منظور تھا؛ اس لیے آیتِ کریمہ: وما كان لنبي أن يكون له

أسرىٰ حتى يثخن في الأرض إلخ (الانفال: ٦٧) نازل کرکے عتاب فرمایا۔ (کشف الباری ۸/ ۸۰)

غزوۂ احد

۳ھ میں یہ معرکہ پیش آیا، ابتدا میں میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا؛ لیکن ادنیٰ لغزش کی وجہ سے جنگ کا پانسا پلٹا، حالات نے کروٹ لی اور مسلمانوں کا شیرازہ بکھر گیا، ہر طرف خوف وہراس کا مہیب منظر آنکھوں کے سامنے پھر گیا، ایسے پُر ہیبت ماحول میں جن پروانوں نے تادمِ آخر شمعِ نبوت کی رفاقت نہ چھوڑی ان میں ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ (الفاروق: ۱/ ۴۶)

غزوۂ احد میں جب جوش وخروش کم ہوا اور کچھ اطمینان کی فضا ہموار ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تیس یاروں کو لے کر ایک پہاڑی پر تشریف لے گئے، چوں کہ دورانِ لڑائی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی افواہ اڑ چکی تھی، ابوسفیان دور سے چلایا: "أفي القوم محمد"؟ کیا تم میں محمد ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اشارے سے فرمایا کہ: جواب مت دو، ابوسفیان کو جواب نہ ملا تو ابوبکر اور عمر کا نام لے کر پوچھا کہ یہ دونوں ہیں؟ لیکن اس کا بھی جواب نہ پایا، تو خود ہی فیصلہ کرکے بولا کہ یہ سب مارے گئے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صبر کا پیمانہ چھلک گیا اور غیرتِ ایمانی نے خموشی گوارا نہ کی اور بول اٹھے، اے دشمنِ خدا! اللہ تعالیٰ تیرے حزن وغم کو باقی رکھے، ہم سب زندہ ہیں، ابوسفیان بولا: "اُعْلُ هُبل" ہبل کی جے ہو، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ

نے حسبِ ارشادِ نبوت "اللّٰہ أعلیٰ و أجل" کے نعرۂ پُر کیف سے فضا مہکا دی۔

(بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ احد: ۲ / ۸۹۳، حدیث: ۳۸۹۷، مطبوعہ ادارۂ دینیات)

غزوۂ خندق

۵ ھ میں سارے عرب نے متحد ہو کر مدینہ کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے چڑھائی کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے کے مطابق مدینہ سے باہر خندق کھدوائی، اس کے کناروں پر اکابرِ صحابہ کے مختلف محاذ متعین فرمائے؛ تا کہ کفار خندق پار نہ کر سکے، ان میں ایک محاذ پر حضرت عمرؓ مقرر تھے۔

(خلفائے راشدین: ۱۰۸)

صلح حدیبیہ اور حضرت عمرؓ کی غیرتِ ایمانی

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ اور صحابہ بیت اللہ کا طواف کر کے سر مونڈوا رہے ہیں، آپ نے صحابہؓ کے سامنے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے اپنے ارادۂ عمرہ کا اظہار فرمایا، چودہ سو یا پندرہ سو صحابہ پر مشتمل ایک بڑی جماعت آپ کی ہم کاب ہوگئی۔ آپ مدینۂ منورہ سے روانہ ہوئے اور سفر کرتے کرتے مقامِ حدیبیہ پر پہنچے تو آپ کی قصواء نامی اونٹنی بیٹھ گئی، بہت کوشش کی؛ پر اٹھنے کا نام نہیں، آپ اشارۂ غیبی سمجھ گئے کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی کچھ اور ہی ہے؛ اس لیے آپ نے وہیں ڈیرہ ڈال دیا اور کفارِ مکہ کو اپنے ارادہ سے باخبر کیا کہ ہم قتال کی غرض سے نہیں آئے؛ بلکہ مقصد بیت اللہ کی زیارت ہے۔ پھر کفار کی جانب سے یکے بعد دیگرے

لوگ آتے گئے؛ لیکن مسئلہ حل نہ ہوسکا، آخر میں سہیل بن عمرو آئے، ان کو آتا دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بطورِ نیک فال کے فرمایا: ”قد سهل لكم من أمر كم“ کہ تمہارا معاملہ آسان ہوگیا، گفتگو کے بعد طے ہوا کہ مسلمان اور کفار کے درمیان صلح کا عہد ہوجائے۔ اس کے لیے کچھ دفعات مقرر ہوئیں، ان سب دفعات سے بظاہر مسلمانوں کی پسپائی نظر آرہی تھی، صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عمل پر حیران وششدر تھے؛ لیکن کس کی ہمت تھی کہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے کہے؟ آخر حضرت عمرؓ کی غیرت ایمانی نے خموشی گوارا نہ کی، صبر نے دم توڑ دیا اور درِ اقدس میں آکر عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے سچے نبی اور رسول نہیں؟ فرمایا: کیوں نہیں؟ پھر عرض کیا: کیا ہم جادۂ حق پر اور ہمارے دشمن راہِ باطل پر نہیں؟ ارشاد ہوا کیوں نہیں؟ تو کہا پھر ہم دین کے معاملہ میں پسپائی ورسوائی کیوں اختیار کریں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکیمانہ جواب دیا کہ: بے شک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ اور کوئی چیز اللہ کے امر کے بغیر نہیں کرتا، یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے، اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرلو۔

(بخاری ۱/ ۵۸۰ باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب، حدیث: ۲۶۵۱)

حقیقت تو یہ ہے کہ نبوت کی دوررس اور عاقبت اندیش نگاہوں نے محسوس کرلیا تھا کہ اس صلح میں اگرچہ بظاہر مسلمانوں کی کمزوری اور پسپائی ہے؛ لیکن یہی مسلمانوں کی فتح ہے، چناں چہ دنیا نے مشاہدہ کیا کہ یہ مسلمانوں کے لیے کس طرح

فتح ثابت ہوئی؟ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم نے بھی اس کو ’’فتحِ مبین‘‘ سے یاد کیا ہے۔

الغرض! ہمارا اس واقعے کو تحریر کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ حضرت عمرؓ ہی کی غیرت تھی جس نے صحابہ کی اجتماعی بے چینی کو ہمت وحوصلے کے ساتھ ادب ملحوظ رکھتے ہوئے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گوش گزار کیا۔

فتحِ مکہ

۸ھ میں مکۂ مکرمہ مفتوح ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بابِ کعبہ پر کھڑے ہوکر تاریخی خطبہ ارشاد فرمایا، پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر کوہِ صفا پر تشریف لے گئے، لوگ گروہ در گروہ درِ اقدس پر حاضر ہوئے اور بیعت کر کے داخلِ اسلام ہوئے، جب عورتوں کا مجمع آیا تو حضرت عمرؓ نے حسبِ ارشادِ نبوت ان سے بیعت لی، یہ آپؓ کا شرف تھا عہدِ رسالت ہی میں عورتوں نے آپ کے واسطے سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بیعت لی۔ (خلفائے راشدین:۱۱۱)

غزوۂ تبوک

غزوۂ تبوک۔ جو بڑی عسرت وتنگی کا غزوہ تھا۔ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لوگوں کو مالی امداد کرنے کی ترغیب دی تو حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے تمام مال کا آدھا حصہ راہِ خدا میں نچھاور کر دیا۔ (ترمذی، مناقب ابی بکر الصدیق، ۲/۲۰۸)

کی عرض نصف مال ہے فرزند وزن کا حق		باقی جو ہے وہ ملتِ بیضا پہ ہے نثار

وفات النبی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا جذبۂ عشق

۱/ ربیع الاول ۱۱ھ دوشنبہ کا دن دنیا کا تاریک ترین دن تھا، بڑے حزن والم کا دن تھا؛ کیوں کہ یہ اس ہستی کی رحلت کا دن تھا، جس کے لیے کون ومکان کو سجایا گیا تھا، خادمِ رسول حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب نورِ نبوت مدینۂ منورہ میں طلوع ہوا تو ہر چیز روشن تھی اور جب غروب ہوا تو ہر چیز پر سیاہی اور تاریکی چھا گئی تھی۔ (الشمائل المحمدیۃ:۳۳۵)

حزن وملال کی وہ فضا قائم ہوئی کہ آج تک دنیا نے کبھی ایسی فضا نہ دیکھی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے جری وشجاع اور مستقل مزاج انسان کے پائے استقلال میں تزلزل آ گیا اور بے اختیار شمشیر بکف ہو گئے اور کہنے لگے: سر قلم کر دوں گا جس کسی نے کہا کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی ہے۔ بعد میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو سنبھالا۔ (الشمائل المحمدیۃ:۳۳۸)

استخلاف ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عظیم الشان کارنامہ

اِدھر رسول خدا کی روحِ مبارک جسدِ عنصری سے پرواز ہوئی اور اُدھر صحابہ رضی اللہ عنہم میں خلافت کا مسئلہ اٹھا، انصار نے سقیفۂ بنوساعدہ میں جمع ہو کر نعرہ بلند کیا ''امیر ہم میں سے ہوگا''۔ جب یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے گوش گزار ہوئی تو بڑی فکر لاحق ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی معیت میں وہاں تشریف لے گئے، آپ رضی اللہ عنہ کی خواہش تھی کہ کلام میں پہل کرے؛ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خموشی کا امر فرمایا اور خود آگے بڑھ کر

مناسب لب ولہجہ میں انصار کو سمجھایا کہ: ''امیر ہم میں سے ہوگا اور وزیر تم میں سے''۔ حضرت ابوبکرؓ کی بات سن کر آپؓ دل ہی دل میں گویا ہوئے جو باتیں میں سوچ کر آیا تھا وہی تمام باتیں حضرت صدیقِ اکبرؓ نے ارشاد فرمائی، غالب نے ایسے ہی موقع کے لیے کہا تھا:

دیکھنا تقریر کی لذت کہ جو اس نے کہا
میں نے جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

الغرض! حضرت ابوبکرؓ نے سلسلۂ کلام کو طول دیتے ہوئے فرمایا: ''بايعوا عمر أو أبا عبيدة'' کہ اٹھو اور عمر یا ابوعبیدہ میں سے کسی کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کرو۔ آپؓ نے کہا: نہیں، بیعت تو حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر ہوگی اور آگے بڑھ کر حضرت صدیقِ اکبرؓ کا ہاتھ پکڑ کر بیعت ہو گئے اور لوگوں کو بھی بیعت کروایا، پھر جماعتِ انصار سے مخاطب ہوئے: تمہیں معلوم ہے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی حیاتِ طیبہ میں صدیقِ اکبر کو امامت صغریٰ (نماز کی امامت) پر مامور کیا تھا جو صریح اشارہ تھا کہ امامتِ کبریٰ کے حقدار وہی ہیں۔

(سیرۃ عمر بن الخطاب للدکتور علی محمد الصلابی: ٦٩)

عہدِ صدیقی میں حضرت عمرؓ کی خدمات

مرتدین کے مسئلہ پر حضرت عمرؓ کی رائے

روئے زمین پر نیک لوگوں کا وجود فتنوں کے لیے سدِّ باب ہوتا ہے، آپ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد ارتداد کی ہوائیں چلیں، کچھ لوگ مسیلمۂ کذاب کے ساتھ ہوگئے، ایک گروہ مانعینِ زکوٰۃ کا کھڑا ہوا، ان کے بارے میں حضرت ابو بکرؓ کی رائے ہی نہیں؛ بلکہ پختہ عزم وارادہ تھا کہ ان کے ساتھ قتال کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اس رائے سے اختلاف کیا کہ اے خلیفۃ الرسول! آپ ان سے کس طرح قتال کریں گے جب کہ یہ لوگ کلمہ گو ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "أمرت أن أقاتل الناس حتی یقولوا لا إله إلا الله فمن قالها فقد عصم مني ماله ونفسه إلا بحقه وحسابه علی الله"، حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ: نماز اور زکوٰۃ دونوں حقوق اللہ میں سے ہیں، جو دونوں میں تفریق کرے گا میں اس سے قتال کروں گا، بخدا جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں ایک رسی بھی دیتا تھا وہ آج زکوٰۃ سے منع کرے گا تو میں اس سے قتال کروں گا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: بخدا اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجھے شرحِ صدر ہوگیا اور مجھے یقین ہوگیا کہ حضرت ابوبکرؓ جادۂ حق پر ہے۔ (بخاری، مطبوعہ دینیات: ۱/ ۲۸۸، حدیث: ۱۳۸۳)

جمعِ قرآن اور حضرت عمرؓ کی فراستِ ایمانی

کاتبِ وحی زید بن ثابت انصاریؓ کا بیان ہے کہ جنگِ یمامہ کے بعد حضرت صدیقِ اکبرؓ نے مجھے طلب کیا اور کہا کہ: حضرت عمرؓ نے آکر مجھ سے درخواست کی کہ جنگِ یمامہ میں حفاظ بکثرت شہید ہوئے ہیں، مجھے اندیشہ ہے کہ اگر اس طرح حفاظ شہید ہوتے رہے اور قرآنِ کریم یکجا جمع نہ کیا گیا تو قرآن کا اچھا

خاصا حصہ ضائع ہو جائے گا اور آنے والی امت دستورِ خداوندی سے محروم رہ جائے گی؛ اس لیے قرآن کو جمع کر کے حکومت کی تحویل میں لے لیا جائے۔ پہلے پہل مجھ کو اس کام پر اقدام کی جرأت نہ ہوئی کہ میں ایسا کام کیوں کر کر سکتا ہوں جو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا تھا؛ لیکن حضرت عمرؓ باصرار درخواست کرتے رہے؛ تا آں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے شرحِ صدر فرمایا۔

پھر حضرت صدیقِ اکبرؓ نے مجھ (حضرت زید بن ثابتؓ) سے عرض کیا کہ تم نوجوان، دانشمند اور کاتبِ وحی ہو، میں جمعِ قرآن کا کام تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ حضرت زیدؓ بھی ابتداءً آمادہ نہ ہوئے، یہ دونوں حضرات کہتے رہے؛ تا آں کہ اللہ تعالیٰ نے شرحِ صدر فرمادیا، پھر بڑے اہتمام اور محنت سے قرآن کو جمع کر دیا۔ (بخاری، کتاب فضائل القرآن، باب جمع القرآن: ۲/۱۱۵۶، حدیث: ۴۷۹۵) یہ جمعِ قرآن کا عظیم کارنامہ بھی حضرت عمرؓ کی مؤمنانہ فراست کا آئینہ دار تھا۔

استخلافِ عمرؓ

حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ جب حضرت صدیق اکبرؓ کو اپنی رحلت کا یقین ہو گیا تو حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین مقرر کرنے کا ارادہ فرمایا، آپ چاہتے تھے کہ اپنی زندگی میں ہی استخلاف کا مسئلہ طے کر جائے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عثمان بن عفانؓ سے مشاورت کی، دونوں نے ہامی بھری۔ پھر حضرت علیؓ اور حضرت طلحہؓ نے آکر دریافت کیا کہ آپ خلافت کس کے سپرد کرتے ہیں؟

تو حضرت صدیقِ اکبرؓ نے کہا: حضرت عمرؓ کے حوالہ کرتا ہوں، دونوں نے عرض کیا: اے خلیفۃ الرسول! آپ اپنے رب کے حضور کیا جواب دیں گے؟ حضرت صدیقِ اکبرؓ نے کہا: کیا تم دونوں مجھے اللہ سے خوف دلاتے ہو؟ میں تم دونوں سے زیادہ عمر کو جانتا ہوں۔ واللہ! میں اپنے رب کے حضور کہوں گا کہ میں تیرے بندوں پر ایسے شخص کو خلیفہ مقرر کر کے آیا ہوں جو سب سے زیادہ بہتر تھا۔ رہ گئی بات ان کی سختی کی تو خلافت کا بارِ گراں آنے کے بعد وہ بھی ختم ہو جائے گی۔

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۶۲)

پھر مجمعِ عام میں لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ: میں نے حضرت عمر بن خطابؓ کو اپنا جانشین مقرر کیا ہے، تمہاری کیا رائے ہے؟ تو سب نے سرِ تسلیم خم کر دیا اور حضرت عمرؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔ (سیرۃ عمر بن الخطاب: ۸۵)

خلافت کے بعد پہلا خطبہ

حضرت عمرؓ؛ حضرت ابوبکرؓ کی تدفین سے فارغ ہوئے اور ہاتھ سے قبر کی مٹی جھاڑی اور اپنی جگہ کھڑے ہو کر خطبہ ارشاد فرمایا:

"إن الله ابتلاكم بي وابتلاني بكم بعد صاحبي، فوالله لا يحضرني شيء من أمركم فيليه أحد دوني، ولا يتغيب عني فآلو فيه عن أهل الجزء والأمانة، والله لئن أحسنوا الأحسنن إليهم ولئن أساؤوا الأنكلن بهم"۔

لوگو! میرے دو رفیقوں کے بعد اللہ تم کو میرے ذریعہ اور مجھ کو تمہارے

ذریعہ آزمانا چاہتا ہے، بخدا میرے پاس تمہارا جو بھی معاملہ پیش ہوگا میں خود ہی حل کروں گا، اور جو آدمی غائب رہا تو میں اس کفایت کرنے میں کوتاہی اور تقصیر نہیں کروں گا، بخدا لوگ میرے ساتھ اچھا سلوک کریں گے تو میں ضرور ان کے ساتھ حسنِ سلوک کروں گا، اور اگر بدسلوکی کریں گے تو میں ضرور انہیں سخت سزا دوں گا۔

(سیرۃ عمر بن الخطاب للدکتور علی محمد الصلابی: ۸۵)

عہدِ فاروقی ایک نظر میں

حکومت کی ترقی اور فتوحات کا دور عہدِ صدیقی سے شروع ہو چکا تھا، جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ برسرِ اقتدار ہوئے اور زمامِ حکومت سنبھالی تو فتوحات کے سلسلہ کو مزید وسعت دی، مقالہ کا حجم ان فتوحات کی تفصیلات کا متحمل نہیں، اس لیے صرف نقشہ پیش کرنا ہی مناسب ہے:

نمبر شمار	سن	مفتوحہ علاقے اور اہم کارنامے
۱	۱۴ھ - ۶۳۵ء	دمشق، حمص، بعلبک، بصرہ، آبُلّہ
۲	۱۵ھ - ۶۳۶ء	واقعۂ یرموک، جنگِ قادسیہ
۳	۱۶ھ - ۶۳۷ء	فتح بیت المقدس، اہواز، مدائن، جلولاء، تکریت، قنسرین، حلب، انطاکیہ، منبج، سروج، قرقیساء، جابیہ
۴	۱۷ھ - ۶۳۸ء	عام الرمادۃ، مسجدِ نبوی کی توسیع، ایلیاء، سرخ

۵	۱۸ھ - ۶۳۹ء	طاعون عمواس، حلوان، جندیسابور، فتح رہا، سمیساط، حران، نصیبین، موصل اور اس کے اطراف
۶	۱۹ھ - ۶۴۰ء	فتحِ قیساریہ
۷	۲۰ھ - ۶۴۱ء	مصر، تستر، خیبر اور نجران سے یہود کی جلاوطنی
۸	۲۱ھ - ۶۴۲ء	نہاوند، اسکندریہ
۹	۲۲ھ - ۶۴۳ء	آذربائیجان، دینور، ماسبذان، ہمدان عسکر، قومس، طرابلس
۱۰	۲۳ھ - ۶۴۴ء	کرمان، سجستان، مکران، اصفہان اور اس کے نواحی

(ماخوذ از تاریخ الخلفاء للسیوطی: ۱۰۴، ۱۰۵۔ تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام، عہد الخلفاء الراشدین: ۲۷۵)

حکومتِ فاروقی

خلافتِ اسلامیہ کا دور حضرت صدیقِ اکبرؓ کے عہد سے شروع ہو چکا تھا؛ لیکن باقاعدہ منظم نظامِ حکومت تشکیل نہیں دیا گیا تھا، جب فاروقِ اعظمؓ نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالی تو ایک طرف فتوحات کے جاری شدہ سلسلہ کو اس قدر وسیع کیا کہ قیصر و کسریٰ جیسی سپر پاور حکومتیں نیست و نابود ہو کر حکومتِ اسلامیہ میں ضم ہو گئیں تو دوسری طرف حکومت کا ایسا نہج اور نظام قائم کیا اور ایسے قوانین و آئین وضع کیے کہ آج تک دنیا ان ہی آئین کی روشنی میں ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

حکومتِ فاروقی شخصی تھی یا جمہوری؟

یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ حکومتِ فاروقی شخصی تھی یا جمہوری؟ اس اہم نقطہ کو حل کرنے کے لیے حکومتِ شخصیہ اور جمہوریہ کا تعارف نہایت ناگریز ہے۔اس کے متعلق علامہ شبلی نعمانیؒ تحریر کرتے ہیں کہ:

''شخصی اور جمہوری نظامِ حکومت میں مابہ الامتیاز چیز عوام کی مداخلت ہے، جس قدر نظامِ حکومت میں عوام اور رعایا کا دخل ہوگا اس قدر جمہوری عنصر زیادہ ہوگا؛ اس لیے جمہوری سلطنت کی آخری حد یہ ہے کہ مسند نشینِ حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہوجائے اور وہ جماعت کا رکنِ محض بن کررہ جائے، برخلاف شخصی حکومت کے، اس میں تمام دارومدار صرف ایک شخص پر ہوتا ہے''۔(الفاروق:۲/ ۱۳)

کچھ آگے چل کر مزید تحریر کرتے ہیں کہ:''جمہوری حکومت کی اساسی بنیادیں تین ہیں: (۱) مجلسِ مشاورت، (۲) ہر شخص کو اپنے حقوق واغراض کی حفاظت کا پوری آزادی کے ساتھ اختیار، (۳) بادشاہِ وقت کا ہر قسم کے حقوق میں عام رعیت کے برابر ہونا''۔(الفاروق ۲/ ۱۹) اس نقطۂ نظر سے اگر خلافتِ فاروقی کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخصی ہوکر بھی جمہوری حکومت تھی، کیوں کہ حضرت فاروقِ اعظمؓ نے نظامِ حکومت کو ان ہی ضابطوں پر قائم کیا تھا؛ بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ نام نہاد جمہوری حکومتوں سے بڑھ کر مقاصدِ جمہوریت اپنی تئیں لیے ہوئے تھی۔

مجلسِ مشاورت

حضرت فاروقِ اعظم نے اپنے دورِ خلافت میں مجلسِ مشاورت کا انعقاد فرمایا، تمام پیش آمدہ مسائل اسی مجلس میں طے کیے جاتے تھے، طریقۂ کار یہ تھا کہ ایک آدمی ''الصلاۃ الجامعۃ'' کہہ کر ندا دیتا، سب لوگ جمع ہوجاتے، حضرت عمرؓ مسجدِ نبوی میں تشریف لے جاتے اور دوگانہ پڑھتے، پھر برسرِ منبر خطبہ دیتے اور بحث طلب امر لوگوں کے سامنے پیش کرتے اور امور طے کیا کرتے۔ (الفاروق: ۲/۱۶)
اس مجلس میں انصار و مہاجرین کے خصوصی ارکان کا حاضر ہونا ضروری تھا، اور جن لوگوں کو بطورِ خاص مندوب کیا جاتا تھا ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں: حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت علی بن ابی طالبؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ۔ (سیرۃ عمر بن الخطاب: ۹۲)

اس مجلسِ مشاورت کا اجلاس خاص خاص موقع پر ہی ہوتا تھا؛ لیکن اس کے علاوہ ایک اور کمیٹی تھی جس کے ارکان خاص مہاجرین تھے، اس میں یومیہ امور اور ضروریاتِ زندگی پر گفتگو ہوتی تھی، یہ مجلس مسجدِ نبوی میں منعقد ہوتی تھی، جو رپورٹ صوبجات اور اضلاع کی دربار میں پہنچتی تھی اس کے متعلقہ امور کی تعیین وتشخیص اسی مجلس میں ہوتی تھی۔ (الفاروق ۲/۱۸)

آزادانہ اختیار

حضرت عمرؓ نے سب لوگوں کو اپنے حقوق واغراض کے متعلق پورا اختیار

دیا تھا، لوگ آزادانہ اور بے باکانہ اپنے حقوق کا اظہار کیا کرتے تھے، ہر سال ممالکِ اسلامیہ کے اطراف واکناف سے سفارتیں صرف اس مقصد سے آتی تھیں کہ خلیفۂ وقت کو رعایا کے احوال وضروریات سے باخبر کیا جائے، خود حضرت امیر المؤمنینؓ اس جمہوری عنصر کا اپنی تقریروں اور تحریروں میں اعلان کیا کرتے تھے، اور تمام حقوق میں اپنے آپ کو رعیت کا ایک فرد خیال کرتے تھے اور اپنے تصرفات کا دائرہ محدود رکھتے تھے، ایک مرتبہ تقریر میں تصریح کردی کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے؟

"إنما أنا ومالكم كولي اليتيم، إن استَغْنَيْتُ اِسْتَعْفَفْتُ، وإن افتقرتُ أكلتُ بالمعروف، لكم عليَّ أيها الناس! حضالٌ، فخذوني بها، لكم عليَّ أن لا اجتبى شيئا من خراجكم ومما افاء الله عليكم إلا من وجهه، لكم عليَّ إذا وقع في يدي أن لا يخرج مني إلا في حقه، ولكم عليَّ أن أزيدَ في أعطياتكم وأسُدَّ ثغوركم، ولكم عَليَّ أن لا أُلقِيَكُمْ في المَهالک". ترجمہ: میرا تمہارے مال کے ساتھ تعلق ایسا ہی ہے جیسا یتیم کے ولی کا یتیم کے مال کے ساتھ ہوتا ہے کہ اگر مجھے مال کی حاجت نہ ہوگی تو میں تمہارے مال سے بچتا رہوں گا، اور اگر ضرورت محسوس ہوگی تو قاعدہ کے موافق لوں گا۔ اے لوگو! تمہارے مجھ پر چند حقوق ہیں جن کے بارے میں تم کو میری گرفت کا پورا حق ہے: ایک یہ کہ خراج اور مالِ غنیمت کو صحیح طریقہ پر وصول کروں، دوسرا یہ کہ میرے قبضہ میں آئے ہوئے

مال کو بیجا طور پر صرف نہ کروں، تیسرا یہ کہ تمہارے روزینے بڑھادوں، چوتھا یہ کہ تمہاری سرحدوں کو مضبوط کروں، پانچواں یہ کہ تمہیں خطروں میں نہ ڈالوں۔

(خلفائے راشدین: ۱۳۳)

صوبجات کی تقسیم

تمدن کی ترقی یافتہ صورت یہ ہے کہ ہر شعبہ، ہر محکمہ جدا جدا ہو، حکومت کے نظم ونسق کی کامیابی بھی یہی ہے کہ انتظامات کے تمام شعبے اور محکمے علاحدہ علاحدہ ہوں، تاریخِ اسلام میں حضرت عمرؓ وہ پہلے آدمی ہے جنہوں نے حکومت کو صوبہ، ضلع اور پرگنہ میں منقسم کیا، اس بارے میں آپؓ کا طریقۂ کار یہ تھا کہ مفتوح علاقے اگر پہلے ہی سے منقسم ہوتے تو اس کو بحال رکھتے، نئی تقسیم نہ فرماتے؛ البتہ جہاں ضرورت متقاضی ہوتی تو قدرے تصرف کرلیا کرتے۔ فلسطین دس اضلاع پر مشتمل ایک ہی صوبہ تھا، جب حضرت عمر فاروقؓ نے ۱۵ھ میں بنفسِ نفیس فلسطین جاکر معاہدۂ امن لکھا، تو اس کو دو حصوں میں تقسیم کردیا، ایک کا صدر مقام ایلیا اور دوسرے کا صدر مقام رملہ مقرر کیا، علقمہ بن حکیم اور علقمہ بن مُحرز کو ایک ایک حصے پر عامل متعین کیا۔ (الفاروق: ۲/ ۲۳)

غرض یہ کہ تمام ممالکِ مفتوحہ کو آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا۔ مکہ، مدینہ، شام، جزیرہ، بصرہ، کوفہ، مصر اور فلسطین۔ اس کے سوا تین اور صوبے تھے: خراسان، فارس اور آذربائیجان۔ ہر صوبہ میں مندرجۂ ذیل عہدے دار مقرر کیے۔

والی، کاتب، کاتبِ دیوان (فوجی محکمہ کا منشی)، صاحب الخراج (کلکٹر)، صاحبِ احداث (پولیس)، صاحبِ بیت المال اور قاضی۔

(تاریخ ابن خلدون ۱/ ۳۸۵)

عمال کی تقرری کا نرالا طریقہ: عمال کی تقرری عام طور پر مجلسِ شوریٰ میں ہوتی تھی، اس کا طریقہ یہ تھا کہ آپؓ کسی لائق، راست باز اور متدین شخص کا نام پیش کرتے تھے۔ اربابِ مجلس اپنی رائے پیش کرتے تھے اور اس طرح عمال کی تقرری ہوتی تھی۔ (تاریخ ابن خلدون: ۱/ ۳۸۶) جب کسی کی تقرری ہوتی تھی تو ایک تحریر نامہ دیا جاتا تھا جس میں اس کے فرائضِ منصبی اور اختیارات کا بیان ہوتا اور مہاجرین وانصار کی گواہی ثبت ہوتی تھی، اور وہ اس بات کا پابند تھا کہ اپنے مقام پر جاکر مجمعِ عام میں تحریر پڑھ کر سنائے؛ تاکہ عوام گورنر کے تصرفات سے واقف ہو سکے اور بصورتِ دیگر گرفت کر سکے۔ (الفاروق: ۲/ ۳۰)

پیامِ فاروقی عمّال کے نام

فاروقِ اعظمؓ کو اس بات کا بڑا اہتمام تھا کہ لوگوں کے حقوق کی پاسداری کی جائے، اور اس بابت ہمیشہ عمّال کو تاکیدی حکم دیتے تھے، ایک مرتبہ لکھا:

"ألا وإني لم أبعثكم امراء ولا جبارين، ولٰكن بعثتم أيمة الهدى يهتدي بكم، فأَرَدُّوا على المسلمين حقوقهم، ولا تضربوهم فتذلوهم ولا تحمدوهم فتفتنوهم، ولا تغلقوا الأبواب دونهم، فيأكل قويهم ضعيفهم،

ولا تستأثروا علیھم فتظلموھم"۔ ترجمہ: میں نے تم کو امیر اور ظالم بنا کر نہیں بھیجا؛ بلکہ تم کو راہِ راست پر لانے والا بنا کر بھیجا ہے؛ تا کہ لوگ تمہارے ذریعہ راہِ حق پر آئے، تم مسلمانوں کے حقوق کی پاسداری کرنا اور ان کو مت مارنا؛ کیوں کہ اس سے ان کی ذلتی ہوگی، اور ان کی بے جا تعریف مت کرنا کہ وہ فتنہ میں پڑ جائے، اور ان کی ضرورت کو پوری کرنا اور دروازے بند نہ کرنا کہ طاقتور کمزور کو کھا جائے، اورتم اپنے آپ کو ان پر ترجیح مت دینا۔ (تاریخ ابن خلدون ۱/ ۳۸۶)

ہر عامل سے تاکید کے ساتھ عہد کیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سواری نہ کریں، باریک کپڑا زیب تن نہ کریں، چھنا ہوا آٹا نہ کھائیں، دروازہ پر دربان نہ رکھیں اور ہمیشہ اہلِ حاجت کے لیے ہمیشہ دروازہ کھلا رکھیں۔

(تاریخ الاسلام ووفیات المشاھیر والاعلام، عہد الخلفاء الراشدین:۲۶۶)

حکومتِ فاروقی کا مالی انتظام

عہدِ فاروقی میں مالی نظام اس قدر استوار ہوا کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوا تھا، ذرائعِ آمدنی یہ تھے: خراج، عشور، زکوٰۃ، عشر، جزیہ اور مالِ غنیمت کا خمس، ان میں سے اہم ذرائع کو کسی قدر تفصیل سے ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے:

خراج: یہ ارضی ٹیکس ہے، عرب کی تمدنی تاریخ اس کے نظم ونسق سے عاری تھی، سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ وہ پہلے شخص ہے جنہوں نے اس نظام کو مستحکم کیا اور اس کا پس منظر یہ ہے کہ ۱۶ھ میں عراق، حکومتِ اسلامیہ کے زیرِ دست آگیا اور جنگِ

یرموک کی وجہ سے رومیوں کے حوصلے پست ہو گئے اور فاروقِ اعظمؓ کو یک گونہ فراغت حاصل ہوئی، تو آپؓ نے خراج کا نظام مستحکم کرنے کے لیے عراق کی مردم شماری اور زمین کی پیمائش کروائی اور اس کام کے لیے سعد بن ابی وقاص، عثمان بن حنیف اور حذیفہ بن یمان کو مامور کیا، انہوں نے بڑی محنت کے بعد رپورٹ تیار کی کہ عراق کی مزروعہ زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ (۳،۶۰،۰۰،۰۰۰) جریب ہے۔

[جریب: حضرت مفتی محمد شفیع عثمانیؒ فرماتے ہیں: جریب ساٹھ مربع گز کو کہا جاتا ہے، جو ہمارے ملک کے مروجہ ''بیگہ'' کے قریب ہے۔ (الاوزان المحمودہ: ۸۲)] فاروق اعظمؓ نے ان تمام زمینوں کو مالکان کے قبضے میں بہ دستور باقی رکھا اور حسبِ ذیل خراج مقرر کیا۔

نمبر شمار	پیداوار کے اسما	پیداوار کی مقدار	خراج کی مقدار
۱	جَو	فی جریب (۱)	ایک یا دو درہم سالانہ
۲	نیشکر (گنّا)	فی جریب (۱)	چھ درہم سالانہ
۳	روئی	فی جریب (۱)	پانچ درہم سالانہ
۴	انگور	فی جریب (۱)	دس درہم سالانہ
۵	نخلستان	فی جریب (۱)	دس درہم سالانہ
۶	تِل	فی جریب (۱)	آٹھ درہم سالانہ
۷	ترکاری	فی جریب (۱)	تین درہم سالانہ

۸	گیہوں	فی جریب (۱)	چار درہم سالانہ
۹	افتادہ قابلِ زراعت زمین	فی جریبین (۲)	ایک درہم سالانہ

اس طرح عراق کے سالانہ خراج کا مجموعہ آٹھ کروڑ ساٹھ لاکھ (۸،۶۰،۰۰،۰۰۰) درہم ہوتا تھا، دوسرے سال حضرت فاروقِ اعظمؓ نے خراج کی شرح میں کمی کردی جس کی وجہ سے افتادہ زمینیں مزید آباد کی گئیں اور خراج کی مقدار آٹھ کروڑ سے بڑھ کر دس کروڑ بیس ہزار (۱۰،۰۰،۲۰،۰۰۰) درہم تک پہنچ گئی۔ (تاریخ ابن خلدون مترجم: ۱/ ۳۸۹۔۳۹۰)

خراج کی وصولیابی میں فاروق اعظمؓ کا احتیاط

حضرت فاروقِ اعظمؓ کی احتیاط کا یہ عالم تھا کہ جب عراق سے اس قدر خطیر رقم بطورِ خراج آتی تو دس دس افراد کو جو قابلِ اعتماد اور ثقہ ہو، کوفہ اور بصرہ سے طلب کرتے اور چار مرتبہ شرعی قسم دے کر پوچھتے کہ کہیں خراج کی وصولیابی میں کسی ذمی یا مسلمان پر ظلم تو نہیں ہوا؟ (الفاروق: ۲/ ۴۵)

عشر: عشر ایک نوع کی عبادت ہے اور زمین کی زکوٰۃ ہے، یہ عشری زمین پر لازم ہوتا ہے۔ عشری زمین تین طرح کی ہوتی ہے:

(۱) عرب کی وہ مقبوضہ زمین جس کے مالک اوائلِ اسلام میں مسلمان ہو گئے ہو۔

(۲) وہ مقبوضہ زمین جو ذمی کے قبضہ سے نکل کر مسلمان کے قبضہ میں آ گئی

ہو، مثلاً وہ لاوارث مر گیا۔

(۳) وہ غیر مملوک افتادہ زمین جس کو کسی مسلمان نے آباد کیا ہو۔

ان تمام زمینوں پر شرعی اعتبار سے عشر واجب ہوتا ہے، بخاری کی روایت ہے ''فیما سَقَتِ السماءُ والعیونُ أو کان عَثَرِیًّا العشر ''جن زمینوں کو بارش کے پانی یا چشموں کے ذریعہ سیراب کیا جائے یا جو نہر کے کنارے ہو تو اس میں عشر لازم ہوگا۔ (بخاری، کتاب الزکوٰۃ:۱/ ۳۰۸)

یہی دستور عہدِ فاروقی میں قائم رہا؛ البتہ ایران کی وہ مقبوضہ زمین جو مسلمانوں کے قبضہ میں تھی ان کی آبیاری ذمیوں کی قدیم نہریں کرتیں تو خراج لازم ہوتا اور اگر ان کی سینچائی مسلمانوں کے کنوؤں یا نہروں سے ہوتی تو عشر لازم کیا جاتا تھا۔ (الفاروق:۲/ ۵۷)

عشور: اس کو ''چنگی'' کہتے ہیں جو شہر کے باہر سے آنے والے مال تجارت پر لازم ہوتا ہے۔ یہ حضرت عمرؓ کی اولیات میں سے ہے، اس کا پس منظر یہ ہے کہ جو مسلمان تجار بغرضِ تجارت دوسرے ممالک میں جاتے تھے، ان سے وہاں کے آئین کے مطابق مالِ تجارت پر فی صد دس روپیہ ٹیکس لیا جاتا تھا۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے امیر المؤمنین کو اس سے باخبر کیا تو آپؓ نے حکم جاری کیا کہ ان ملکوں کے جو تاجر ہمارے ملک میں آئے تو ان سے بھی اسی قدر رقم وصول کی جائے، پھر رفتہ رفتہ تمام مفتوح علاقوں میں اس قانون کو نافذ کر دیا اور اس کے لیے

خاص محکمہ قائم کیا، اس طرح حکومتِ اسلامیہ کے لیے آمدنی کا بڑا ذریعہ ہوگیا۔

(الفاروق: ۲/ ۵۹)

حکومتِ فاروقی کے مختلف شعبے

یہ بات مسلّم ہے کہ حکومت کی تعمیر وترقی کے لیے ہر شعبہ کا جدا جدا ہونا ناگزیر ہے، آغازِ اسلام میں بعض مصالح کی وجہ سے حکومت کے مختلف شعبے قائم نہیں ہوئے تھے؛ لیکن جب عہدِ فاروقی میں حکومت کا دائرہ وسیع ہوا تو فاروقِ اعظمؓ نے محسوس کیا کہ حکومت کے ہر شعبہ اور محکمہ کو ممتاز کر دیا جائے، چناں چہ آپؓ نے ذیل میں مذکور شعبے قائم کیے: شعبۂ عدالت، شعبۂ افتا، شعبۂ فوجداری، شعبۂ بیت المال اور شعبۂ تعلیم۔

شعبۂ عدالت: تمدن کی ترقی کا پہلا دیباچہ یہ ہے کہ عدلیہ کو انتظامی شعبوں سے علاحدہ کر دیا جائے۔ دنیوی دیگر حکومتوں کا حال یہ تھا کہ مدتوں بعد شعبۂ انتظام اور شعبۂ عدلیہ الگ ہوئے، برخلاف حکومتِ فاروقی کے، حضرت عمرؓ نے زمامِ حکومت سنبھالنے کے چند روز بعد ہی عدلیہ کو الگ قائم کر دیا۔ بڑے حزم واحتیاط اور نکتہ شناسی وباریک بینی سے قضاۃ کا انتخاب کیا۔ مدینۂ منورہ میں حضرت زید بن ثابت انصاریؓ، بصرہ میں حضرت کعب بن الاسود ازدیؓ، فلسطین میں حضرت عبادہ بن صامتؓ اور کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور قاضی شریحؒ قاضی مقرر ہوئے، ان کے علاوہ جمیل بن معمر جمحی، ابومریم حنفی، سلمان بن ربیعہ

باہلی، عبد الرحمٰن بن ربیعہ، ابو قرۃ کندی اور عمران بن حصین رحمہم اللہ کا بھی عہدِ فاروقی کے قضاۃ میں شمار ہوتا ہے۔ (الفاروق: ۲/ ۶۷)

قضاۃ کو جادۂ حق سے منحرف ہونے سے بچانے کے لیے اور حسنِ انتظام کے خاطر بیش بہا مشاہرے مقرر کیے گئے، چناں چہ سلمان بن ربیعہ اور قاضی شریح کا مشاہرہ پانچ سو درہم بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے نام فرمان بھیجا کہ: ''دولت منداور معزز ہی کو عہدۂ قضا سپرد کیا جائے؛ کیوں کہ دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ ہوگا اور معزز آدمی کسی کے خلاف فیصلہ کرنے میں رعب وداب سے متاثر نہ ہوگا۔ (الفاروق: ۲/ ۶۷)

شعبۂ افتا: یہ بات اصولِ فقہ میں مصرح ہے کہ ہر مسلمان کا بنیادی احکامِ دینیہ سے واقف کار ہونا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ دار الاسلام میں مسائل سے عدمِ واقفیت کو عذر نہیں سمجھا جاتا، شعبۂ افتا سے عوام الناس کی یہی ضرورت پوری کی جاتی ہے۔ اس شعبہ کے قیام میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا طرز یگانہ تھا، آپ نے چیدہ چیدہ افراد کو نامزد کیا جو اس فن کے شہسوار تھے اور دوسرے لوگوں کو فتویٰ دینے سے منع کر دیا؛ تاکہ شعبۂ افتا بازیچۂ اطفال نہ بن جائے، چناں چہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کو افتا کی خدمت پر مامور کیا، آپ رضی اللہ عنہ بار بار مجمعِ عام میں اعلان

کیا کرتے تھے کہ دین سیکھنے اور مسائل معلوم کرنے کے لیے ان حضرات کی طرف رجوع کیا کرو، ایک مرتبہ خطبہ میں ارشاد فرمایا:

"من أراد القرآن فلیأتِ أبیًّا، ومن أراد أن یسأل الفرائضَ فلیأت زیداً، ومن أراد أن یسألَ عن الفقه فلیأت مُعاذًا"۔ (الفاروق: ۲/ ۷۲) جو آدمی قرآن سیکھنا چاہے تو ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے سیکھے، جو علمِ فرائض کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہے تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس جائے اور جو علمِ فقہ اور مسائل دریافت کرنا چاہے تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے پاس جائے۔

شعبۂ احداث: نظامِ حکومت کو صحیح نہج پر قائم رکھنے اور لوگوں کو قوانین پر عمل پیرا کرنے کے لیے قوت وطاقت کا ہونا از حد ضروری ہے، اور اس کے لیے حکومت شعبۂ احداث (پولیس محکمہ) قائم کرتی ہے۔ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں اس کی مستقل بنیاد ڈالی، اور اس خدمت کے لیے حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو مامور کیا، حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ کو مال گزاری کی وصولیابی پر مقرر کیا اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو پولیس کے اختیارات عطا کیے اور ذیل کے امور ان کے سپرد کیے:

(۱) دوکان دار ناپ تول میں کمی نہ کرے (۲) کوئی سڑک پر گھر نہ بنائے (۳) جانور پر زیادہ بوجھ نہ لادے (۴) علانیہ شراب نہ بکنے پائے۔ قانون سے سرِ موانحراف کرنے والوں کی سزا کے خاطر جیل خانہ بنوایا۔ سب سے پہلا

جیل خانہ صفوان بن امیہ کا گھر تھا جو مکۂ مکرمہ میں تھا، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے چار ہزار درہم کے عوض خرید کر جیل خانہ میں تبدیل کر دیا تھا۔ (الفاروق: ۲ / ۷۳)

بیت المال کا باقاعدہ انتظام

حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں بیت المال کا بالکل وجود ہی نہ تھا؛ بلکہ جو کچھ مال دربارِ رسالت میں آتا فوراً تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ عہدِ صدیقی میں بھی تقریباً یہی صورتِ حال رہی؛ لیکن جب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ برسرِ اقتدار ہوئے اور ۱۵ھ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جو بحرین کے گورنر تھے، پانچ لاکھ کی خطیر رقم لے کر آئے، تو آپ رضی اللہ عنہ کو فکر لاحق ہوئی کہ اس قدر خطیر رقم کو کہاں صرف کیا جائے؟ تو مجلسِ مشاورت کا انعقاد کر کے لوگوں سے رائے دریافت کی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: ''ساری رقم لوگوں میں تقسیم کر دی جائے، محفوظ نہ کی جائے''۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رائے دی کہ حکومت کے خزانے میں محفوظ کر لی جائے۔ ولید بن ہشام نے کہا کہ: میں نے سلاطینِ شام کے ہاں خزانہ کا دفتر دیکھا ہے۔ آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی رائے پسند کی اور بیت المال کی بنیاد ڈالی، اور دار الخلافت (مدینۂ منورہ) میں بڑا خزانہ قائم کیا اور اس کی حفاظت ونگرانی اور حساب وکتاب کے لیے عبد اللہ بن ارقم کو مقرر کیا اور معاونین کے طور پر عبد الرحمٰن بن عبید قاری اور معیقب کو طے کیا، پھر رفتہ رفتہ دیگر صوبجات اور صدر مقام میں بھی بیت المال قائم کیے۔

(الفاروق: ۲ / ۷۵)

صیغۂ فوج: آغازِ اسلام میں فوج کا کوئی منظم نظام نہ تھا اور نہ ہی ضرورت اس کی متقاضی تھی؛ لیکن جب ۱۵ھ میں حضرت ابو ہریرہؓ جو بحرین کے گورنر تھے پانچ لاکھ کی خطیر رقم لے کر دربارِ فاروقی میں تشریف لائے، حضرت فاروقِ اعظمؓ نے مجلسِ مشاورت میں یہ امر طے کیا کہ فوج کے دفاتر اور رجسٹر تیار کیے جائے، چناں چہ آپ نے حضرت مخرمہ بن نوفلؓ، حضرت جبیر بن مطعمؓ اور حضرت عقیل بن ابی طالبؓ کو یہ خدمت حوالہ کی جو علم الانساب کے ماہر استاذ تھے، انہوں نے اول قریش اور انصار کے دفتر مرتب کیے اور ہر شخص کا نام مع ولدیت ونسب بالتفصیل درج کیا، پھر آپؓ نے حسبِ ذیل وظیفے مقرر کیے:

نمبر شمار	مراتب	سالانہ مقدارِ وظیفہ
۱	جو لوگ جنگِ بدر میں شریک ہوئے تھے	۵۰۰۰ درہم
۲	مہاجرینِ حبشہ، شرکائے غزوۂ احد	۴۰۰۰ درہم
۳	فتحِ مکہ سے پہلے ہجرت کرنے والے	۳۰۰۰ درہم
۴	فتحِ مکہ کے وقت ایمان لانے والے	۲۰۰۰ درہم
۵	جنگِ یرموک اور قادسیہ کے شرکا	۲۰۰۰ درہم
۶	اہلِ یمن	۴۰۰ درہم
۷	قادسیہ اور یرموک کے بعد کے مجاہدین	۳۰۰ درہم
۸	بلا امتیازِ مراتب	۲۰۰ درہم

۹	انصار و مہاجرین کی ازواج	۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم
۱۰	اہلِ بدر کی اولادِ ذکور	۲۰۰۰ درہم

اس موقع پر یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ جن لوگوں کے جو وظیفے مقرر تھے ان کے غلاموں کو بھی اسی قدر وظیفے دیے جاتے تھے۔ (الفاروق: ۲/ ۹۲-۹۷)

مسجدِ نبوی کی توسیع: دورِ خلافت میں رفاہی امور اور تعمیرات کے تعلق سے بہت کچھ ہوا؛ لیکن اس میں خاص طور سے قابلِ ذکر مسجدِ نبوی کی توسیع ہے۔ ۱۷ھ میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو خیال ہوا کہ آبادی کی کثرت مسجدِ نبوی کی توسیع کی متقاضی ہے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کے باہمی مشورہ سے مسجد کے تین اطراف میں اضافہ کیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے پورے مکان کو اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نصف مکان کو ان کے ورثا سے ایک لاکھ درہم میں خرید کر مسجد میں شامل کیا۔ جانبِ مغرب بیس ہاتھ بڑھا کر دو ستون قائم کیے، جانبِ قبلہ ایک کمان بڑھائی جس کا عرض دس ہاتھ تھا، جانبِ شمال تیس ہاتھ رقبہ وسیع کیا، اس توسیع کے بعد مسجدِ نبوی کا طول ۱۴۰ ہاتھ اور عرض ۱۲۰ ہاتھ ہو گیا، چھ دروازے بنائے گئے: امام کے مصلے کی داہنی جانب دو، اور بائیں جانب دو، اور دو مصلے کے مقابل بنائے گئے۔

(سیرت احمد مجتبیٰ ۲/ ۸۹)

احتساب: یہ بات مسلّم ہے کہ خلیفۂ وقت کی ذمہ داری حکومت کے انتظامات تک محدود نہیں ہوتی؛ بلکہ سب سے اہم فریضہ حکّام کی نگرانی اور رعایا کے اخلاق

واطوار کی پاسبانی ہے۔سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے یہاں اس کا بڑا اہتمام ہوتا تھا۔

آپ گاہے گاہے عمّال ورعیت کا احتساب کیا کرتے تھے، ایک مرتبہ عمّال کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافہ ہوا، خالد بن صَعَق نے بذریعۂ اشعار امیر المؤمنین کو باخبر کیا، آپ نے تمام عمّال کی املاک کا جائزہ لیا اور آدھا مال بٹا کر بیت المال میں داخل کروادیا۔ (خلفائے راشدین:۱۳۶)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اخلاق کے تحفظ کے ضامن

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ جس طرح اسلامی اخلاق کے پیکرِ مجسم تھے، چاہتے تھے کہ تمام لوگ نبوی اخلاق سے آراستہ اور اسلامی تعلیمات سے مزین ہوجائے، آپ نے عرب جیسی فخّار اور غرور کی شیدائی قوم سے فخر وغرور کے سارے نشانات اس طرح نیست ونابود کیے کہ آقا وغلام، شاہ وگدا میں کوئی تمیز باقی نہ رہی۔ ''الادب المفرد'' کی روایت ہے کہ ابومحذورہ کا بیان ہے: میں امیر المؤمنین کی مجلس میں تھا کہ حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ ایک خوان لے کر آئے اور آپ کے سامنے رکھ دیا، آپ نے غربا، مساکین اور غلاموں کو بلایا اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا تناول کیا، پھر فرمایا: خدا لعنت کرے ان لوگوں پر جو غلاموں کے ساتھ کھانا معیوب سمجھتے ہیں۔ (الادب المفرد، مترجم:۱۱۹)

شعر وشاعری میں بدگوئی اور ہجو کرنا عربوں کا عام مذاق اور روزمرہ کی بات تھی، آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت سختی سے اس کی روک تھام کی۔ اُس زمانہ میں ایک مشہور

ہجو گو شاعر تھا، آپ نے اس کو پسِ زنداں کر دیا اور اس شرط پر رہا کیا کہ کسی کے متعلق بدگوئی نہیں کرے گا۔ (خلفائے راشدین: ۱۳۸)

آپ مسلمانوں کو اخلاقِ قبیحہ سے پاک صاف کرنے کے ساتھ اوصافِ جمیلہ سے آراستہ کیا کرتے تھے، بلفظِ دیگر تصوف کا کام بھی آپ ہی انجام دیتے تھے، عدل وانصاف آپ کی حکومت کا امتیاز تھا، تمام عمّال کو حکم تھا کہ اہلِ اسلام کے ساتھ زدوکوب کا معاملہ نہ کریں؛ کیوں کہ اس سے ان کی تذلیل ہوگی۔

(طبقات ابن سعد مترجم: ۲۰۱/۳)

اسلامی حکومت، عدل وانصاف کی تصویر

عہدِ فاروقی میں جس قدر فتوحات کا دائرہ وسیع وعریض ہوا، اسی قدر مختلف ممالک اور مذاہب، اسلام کے نظامِ سلطنت کے زیرِ دست آئے؛ لیکن اس کے باوجود پوری سلطنتِ اسلامیہ میں مغرب سے مشرق تک شمال سے جنوب تک ہر جگہ چین وسکون کی خوشگوار فضا قائم تھی، ویسے دنیا میں ایسے بادشاہ بھی گذرے ہیں جن کے رعب وداب، جاہ وجلال اور شان وشوکت کے بڑے چرچے تھے؛ لیکن حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی شان تو نرالی تھی اور اس کی وجہ علامہ شبلی نعمانیؒ نے تحریر کی ہے: دیگر شاہان کو جو شان وشوکت حاصل تھی اس کی بنیاد یہ اصول تھے: ایک شخص کے جرم کی پاداش میں تمام خاندان کو گرفتار کیا جائے، واقعات کے ثبوت میں بجائے یقین کے صرف تخمینہ اور قیاس کو مدار قرار دیا جائے اور بغاوت کے ذرا سے

احتمال پر انصاف کا قانون الٹ دیا جائے، برخلاف خلافتِ فاروقی کے کہ کبھی ذرا برابر بھی انصاف سے تجاوز نہیں ہوتا تھا۔ (الفاروق: ۲/ ۱۷۲)

حضرت عمرؓ کے عدل وانصاف کا اندازہ ذیل کے واقعات سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔ ایک مرتبہ گورنرِ مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ نے ایک مصری کو بے وجہ کوڑے مارے، اس نے حضرت عمرؓ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوکر شکایت کی، آپؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو خط لکھا کہ اپنے بیٹے کو لے کر حاضر ہوجائے، جب وہ آگئے تو اس مصری سے ان کو کوڑے لگوائے، پھر حضرت عمرو بن عاصؓ سے مخاطب ہوکر کہا: کب سے تم نے لوگوں کو اپنا غلام بنالیا ہے جب کہ ان کی ماؤں نے انہیں آزاد جنا ہے، حضرت عمروؓ نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! مجھے نہ اس واقعہ کا علم تھا نہ یہ میرے پاس آیا۔

(کنز العمال ۱۱-۱۲/ ۶۴۲)

جبلہ ابن ایہم رئیسِ شام نے کعبہ کا طواف کرتے وقت ایک شخص کو طمانچہ مارا، اس نے بھی جواب میں طمانچہ مارا، جبلہ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو آپؓ نے جواب دیا کہ جیسا کیا ویسا پایا، جبلہ کو اس جواب سے حیرت ہوئی اور مرتد ہوکر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔ (خلفائے راشدین: ۱۵۴)

شہادت ہے مقصود ومطلوبِ مومن

آپؓ کی تمنا تھی کہ راہِ خدا میں شہادت نصیب ہو، اور دعا کرتے تھے:

"اللھم ارزقني شھادۃً من بلد رسولک" اے اللہ! مجھے اپنے رسول کے شہر میں شہادت عطا فرما۔ (بخاری، کتاب الجہاد: ۱/ ۵۹۷) اس دعا کی قبولیت کا وقت آچکا تھا۔

ایک روز آپؓ بازار سے گذر رہے تھے، مغیرہ بن شعبہ کا غلام ابولؤلؤ آیا اور کہنے لگا کہ میرا آقا مجھ سے زیادہ رقم وصول کرتا ہے، آپ سفارش کر کے تخفیف کرائیے، آپ نے دریافت کیا کہ کتنی رقم لیتا ہے؟ کہا: یومیہ دو درہم، پھر دریافت کیا کہ کیا پیشہ اختیار کیا ہے؟ کہا: آہن گری، نقاشی اور نجاری، تو فرمایا: یہ رقم زیادہ نہیں، یہ جواب سن کر وہ بددل ہوگیا اور چل دیا، آپ نے اس کے بدلتے تیور سے محسوس کرلیا اور فرمایا: یہ مجھے قتل کی دھمکی دیتا ہے۔

ایک دن صبح کی نماز کے لیے تشریف لائے، ادھر ابولؤلؤ بھی خنجر بکف ہوکر آیا، جوں ہی آپؓ نے نماز شروع کی، اس نے حملہ کردیا، اور چھ کاری وار کیے، آپ نے عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو نائب بنایا اور خود صدمۂ زخم سے بے ہوش ہوکر گر گئے، بالآخر اس زخم سے جانبر نہ ہوسکے اور تین دن بعد جامِ شہادت نوش فرمایا۔

(تاریخ ابن خلدون: ۱/ ۳۸۲)

زہے قسمت کہ اپنا آشیاں ان کا چمن ہوتا

جب آپؓ کو یقین ہوگیا کہ اب رحلت کا وقت آگیا ہے تو اپنے نورِ نظر حضرت عبداللہ سے گویا ہوئے: اے پسر! ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے جا کر سلام کہو، اور درخواست کرو کہ عمر اپنے ساتھیوں کے پہلو میں سونا چاہتا ہے، حضرت عبداللہ

گئے تو دیکھا کہ حضرت ام المؤمنین رو رہی ہیں، سلام عرض کیا اور دفن کی اجازت چاہی، آپؓ نے اجازت دے دی۔ حضرت عبداللہ غمی خوشی کے ملے جذبات کے ساتھ والد گرامی کی طرف لوٹے۔ آپ نے پھر کہا: اے عبداللہ! جب میرا انتقال ہو جائے تو جنازہ لے کر حجرۂ عائشہ پر جانا اور پھر اجازت طلب کرنا، اگر اجازت ملے تو دفن کر دینا؛ ورنہ مسلمانوں کے عام قبرستان میں دفن کر دینا، آخر اجازت ملی اور آپؓ اپنے رفیقوں کے ساتھ ابدی نیند سو گئے۔ (سیرۃ عمر بن الخطاب: ۵۰۹)

آخری لمحاتِ زیست

حضرت عثمان بن عفانؓ راوی ہے کہ میں حضرت عمر فاروقؓ کی آخری ملاقات کے لیے گیا، تو دیکھا کہ آپ کا سر اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کی آغوش میں ہے اور آپؓ کہہ رہے ہیں: اے پسر! میرا سر زمین پر رکھو۔ حضرت عبداللہؓ نے عظمتِ پدری میں اپنی ران پر ہی رہنے دیا، پھر آپؓ نے پُر درد لہجے میں کہا: میری اور میری ماں کی خرابی ہے اگر میری مغفرت نہ ہوئی، بار بار یہی کہتے رہے؛ تا آں کہ روح پرواز کر گئی۔

حضرت سالم بن عبداللہ کہتے ہیں کہ: آپ نے آخری لمحات میں کہا: کاش میں کچھ نہ ہوتا، کاش! میں نسیاً منسیا ہوتا۔ پھر ایک لکڑی اپنی چادر میں لی اور کہا: کاش! میں اس کے مثل ہوتا، کوئی جلا کر راکھ کر دیتا۔

(طبقات ابن سعد مترجم: ۳/ ۱۳۳)

یہ اسرارِ علمِ دیں کے ضرور عقدہ کشا رہے ہیں

عرب عام طور پر امّیانہ مذاق رکھتے تھے، ان کا معاشرہ لکھنے پڑھنے کے رواج سے عاری تھا، یہی وجہ ہے کہ بعثتِ نبوی کے وقت قبیلۂ قریش میں صرف سترہ آدمی اس جوہر سے مزین تھے، آپ رضی اللہ عنہ کی شخصیتِ باکمال کا شمار اسی ممتاز گروہ میں ہوتا ہے۔ (تاریخ ابن خلدون: ۱/ ۳۹۸)

آپ کی قوتِ تحریر، برجستگیٔ کلام اور زورِ کتابت وخطابت ان فرامین میں جھلکتی ہے جو تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کیے ہیں، اولین خطبۂ خلافت کا ایک اقتباس ذیل میں مذکور ہے:

اللهم إني غليظٌ فَلَيِّنِيْ، اللهم إني ضعيف فَقَوِّنِيْ، ألا وإن العربَ جَمَلٌ أنف، وقد أُعْطِيْتُ خِطامَهٗ، ألا وإني حاملُه على الحجة. ترجمہ: اے اللہ! میں تندمزاج ہوں، میرے مزاج میں نرمی پیدا فرما، اے اللہ! میں کمزور ہوں مجھے طاقت عطا فرما۔ اہلِ عرب سرکش اونٹ کی طرح ہے، میرے ہاتھ میں اس کی لگام تھمائی ہے؛ لیکن یاد رکھو! میں ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑوں گا۔ (خلفائے راشدین: ۱۵۶)

اگر قوتِ تحریر کا اندازہ کرنا ہے تو پڑھیے وہ فرمان جو بنام حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ لکھا تھا:

”أما بعد! فإن للناس نفرة عن سلطانهم، فأعوذ بالله أن تدركني وإياك عمياءُ مجهولةٌ وضغائنُ حمولةٌ وأهواءٌ متبعةٌ، كُنْ مِنْ مالِ اللّٰه على

حَذَرٍ وَخِفُ الفُسَّاقَ، واجعلهم يدا يدا ورجلا رجلا، وإذا كانت بين القوم ثائرةٌ يا لفلان! يا لفلان، فإنما تلك نجوى الشيطان، فاضربوهم بالسيف حتى يفيئوا إلىٰ أمر اللّٰه ويكون دعوتُهم إلى الاسلام. (الفاروق:۲/۲۶۵)

قدرت نے آپ کو شعر وشاعری کا بھی عمدہ ذوق عطا کیا تھا، آپ کو شعرائے عرب کے کلام پر تنقیدی نظر حاصل تھی، مشاہیر میں سے زہیر کا کلام آپ کو نہایت پسند تھا، اس کو ''اشعر الشعراء'' کے خطاب سے نوازا تھا۔ یہ ذوقِ شاعری اپنی ذات تک محدود نہ تھا؛ بلکہ عمّال اور حکّام کو بذریعۂ تحریر تاکید کیا کرتے تھے کہ اشعار اور عربی ادب کی طرف لوگوں کی توجہ مبذول کرائی جائے۔ چناں چہ آپؓ نے تمام اضلاع میں جو حکم بھیجا تھا اس کے الفاظ یہ تھے: علِّموا أولادَكم العُوْمَ والفُرُوْسِيَّةَ ورَوُّوْهُمْ ما سار من المثل وحسن من الشعر، اپنی اولاد کو تیراکی اور شہسواری سکھاؤ اور ضرب المثل اور اچھے اشعار یاد کراؤ۔ (الفاروق:۲/۲۷۱)

علومِ اسلامیہ کے بنیادی اصول واساسی سرچشمہ؛ قرآن، حدیث اور فقہ میں بھی آپ کو یدِ طولیٰ حاصل تھا، اور بہت سے ایسے مسائل جو صدرِ اول میں اصحابِ رسولؐ کے مابین مختلف فیہ تھے انھیں آپ کے دورِ خلافت میں اجماعی صورت دی گئی۔

موافقاتِ عمر، قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

قسّامِ ازل نے آپ کو فطری طور پر ذہانت وفطانت اور اصابتِ رائے کا

وافر حصہ عطا کیا تھا، لسانِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "إن الله جعل الحق علىٰ لسان عمر وقلبه" (ترمذی، مناقب عمر بن الخطاب: ۲/ ۲۰۹) کا مژدہ سنا کر اس خوبی کو دوبالا کر دیا۔ آپ کے فرزند عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ: جب بھی کوئی مسئلہ صحابہؓ کے درمیان موضوعِ بحث بنا، لوگوں کی رائے کچھ ہوئی اور آپ کی کچھ ہوئی تو قرآن اُس رائے کی تصدیق میں نازل ہوا جو آپ نے پیش کی تھی۔ (أیضاً) آپ کی اس خصوصیت کو اہلِ سیر "مواقفاتِ عمرؓ" کے نام سے یاد کرتے ہیں جس کے چند اشارے ذیل میں مذکور ہے:

۱ - وما كان لنبي أن يكون له أسرىٰ حتى يثخن في الأرض. (الأنفال)

۲ - واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى (البقرة: ۱۲۵)

۳ - يسئلونك عن الخمر (البقرة: ۲۱۹)

۴ - فتبارك الله أحسن الخالقين (المؤمنون: ۱۴)

۵ - ولا تُصَلِّ علىٰ أحد منهم مات أبدا (التوبة: ۸۴

۶ - يأيها الذين اٰمنوا لا تقربوا الصلوٰة إلخ (النساء: ۴۳)

۷ - سواء عليهم استغفرت لهم إلخ (المنٰفقون: ۶)

۸ - كما أخرجك ربك من بيتك بالحق} (الأنفال: ۵)

۹ - سبحانك هذا بهتان عظيم (النور: ۱۶)

۱۰ - أحل لكم ليلة الصيام (البقرة: ۱۸۷)

۱۱-من كان عدوالله وملٰئكته ورسله إلخ (البقرة: ۹۷)

۱۲-فلا وربک لايؤمنون حتى يحكموک فيما شجر بينهم (النساء: ۶۵)

۱۳-ياأيها الذين اٰمنوا ليستأذنكم الذين ملكت أيمانكم والذين لم يبلغوا الحلم منكم ثلاث مرات (النور: ۵۸)

۱۴-ثلة من الأولين وثلة من الاٰخرين (الواقعة: ۳۹)

۱۵-الشيخ والشيخة إذازنيا کی **تلاوت کا منسوخ ہونا۔**

۱۶-عسىٰ ربه إن طلقكن أن يبدله أزواجا خيرا منكن (التحريم: ۵۱)

(تاریخ الخلفاء: ۹۶-۹۸)

فضائل ومناقب

آپؓ کی عبقری شخصیت فطری محاسن ومحامد سے آراستہ ہونے کے ساتھ ساتھ لسانِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بھی بار بار بشارتوں سے نوازی جا چکی تھی، جس سے آپ کی شخصیت اور نکھر کر سامنے آتی ہے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے: ”ہر امت میں کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی زبان پر حق جاری ہوتا ہے، اگر میری امت میں کوئی ہے تو وہ عمر بن خطاب ہے“۔

(بخاری، کتاب فضائل الصحابہ، باب مناقب عمرؓ ۱/۸۰۶، ح: ۳۵۵۷)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ: ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک خواب کا تذکرہ کیا کہ میں نے جنت دیکھی، وہاں ایک عورت محل کے پاس وضو کر رہی تھی، میں نے ملائکہ سے دریافت کیا کہ یہ محل کس کا ہے؟ تو جواب دیا: عمر بن خطاب کا ہے، میں اس میں داخل ہونا چاہا؛ لیکن عمر کی غیرت کی وجہ سے داخل نہ ہوا۔ (بخاری: ۱/ ۸۰۴، حدیث: ۳۵۴۸)

ابنِ عباس رضی اللہ عنہ راوی ہے کہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آج اللہ تعالیٰ عرفہ میں موجود لوگوں پر فخر کرتے ہیں اور خاص طور پر عمر بن خطاب پر فخر کرتے ہیں۔ (تاریخ الخلفاء: ۹۳)

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے بعد نبی اگر کوئی ہوتا تو عمر رضی اللہ عنہ ہوتے۔ (ترمذی: ۲/ ۲۰۹)

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے، تو ایک سیاہ فام عورت حاضرِ خدمت ہوئیں اور کہا کہ: اے اللہ کے رسول! میں نے نذر مانی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غزوہ سے صحیح سالم واپس لائیں گے تو آپ کے سامنے دُف بجاؤں گی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دُف بجا! اس نے دُف بجانا شروع کیا، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے وہ دُف بجاتی رہیں، حضرت علی رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تب بھی دُف بجاتی رہیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حاضرِ خدمت ہوئے تب بھی وہ بدستور بجاتی رہیں؛ لیکن جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ تشریف لائے تو اپنے

آلات چھوڑ کر بیٹھ گئی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عمر! اللہ نے آپ کو ایسا رعب دیا ہے کہ شیطان بھی آپ سے ڈرتا ہے۔ (ترمذی: ۲/ ۲۱۰)

سیرت وصورت

آپ رضی اللہ عنہ ہر نوع کے فضائل ومحامد سے مزین تھے، ظاہری وباطنی کمالات سے آراستہ تھے، اسلامی اخلاق واطوار کے پیکرِ مجسم تھے؛ بلکہ یوں کہیے کہ آپ رضی اللہ عنہ چلتا پھرتا اسلام تھے۔

حلیۂ مبارک: رنگت سفید؛ لیکن سرخی مائل، قد اس قدر لمبا تھا کہ پیادہ پا لوگوں میں سوار محسوس ہوتے تھے، رخسار پچکے ہوئے کم گوشت تھے، داڑھی گھنی اور مونچھیں بڑی، سر کا اگلا حصہ بالوں سے عاری تھا۔ بلال بن عبداللہ کہتے ہیں کہ: آپ تیز رفتار اور گندمی رنگ کے تھے، جیسے بنی سدوس کے لوگ ہوتے ہیں، دونوں پاؤں کے درمیان کشادگی تھی۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۰۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: آپ مہندی کا خضاب کرتے تھے۔ (تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام، عہد الخلفاء الراشدین: ۲۵۵)

وضع قطع: لباس معمولی اور سادہ ہوتا تھا، اکثر قمیص زیب تن کرتے تھے، بعض وقت بُرنس (ایک قسم کی ٹوپی) بھی پہنتے تھے، جوتیاں عربی وضع کی ہوتی تھیں جن میں تسمہ ہوتا تھا۔ (الفاروق: ۲/ ۲۹۸)

آدھی دنیا کے حکمراں ہونے کے باوجود سادگی اور بے تکلفی کا یہ عالم تھا کہ

انس بن مالکؓ کا بیان ہے: میں نے امیر المؤمنین کو دیکھا کہ آپ کے کرتے میں تین پیوند تھے، ایک دوسرے سے بڑا تھا۔ ابو عثمان نہدی کہتے ہیں: میں نے امیر المؤمنین کو دیکھا کہ آپ بیت اللہ کا طواف کررہے ہیں اور جسم پر تہبند ہے جس میں بارہ پیوند تھے اور ایک سرخ چمڑے کا تھا۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۰۴)

کپڑوں کی قلت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ جمعہ کی نماز میں تاخیر ہوگئی، منبر پر چڑھ کر لوگوں سے معذرت کی کہ میرے پاس ایک ہی کرتا ہے، سُکھانے میں دیر ہوگئی۔ سادگی کا اس قدر غلبہ تھا کہ بہت سی مرتبہ باہر سے آنے والے وفود اور قاصدوں کو یقین کرنا مشکل ہوتا تھا کہ یہی مسلمانوں کے امیر حضرت عمرؓ ہیں۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۰۵)

<u>غذا:</u> آپ کی غذا وخوراک بھی نہایت سادہ تھی، اکثر آپ کے دستر خوان پر روٹی اور روغنِ زیتون ہوا کرتا تھا، روٹی بے چھنے آٹے کی ہوتی تھی۔ عتبہ بن فرقد نے ایک مرتبہ عرض کی، اے امیر المؤمنین! کھانے میں کچھ تبدیلی کرلیں، تو آپؓ نے جواب دیا کہ کیا دنیا کی لذتوں سے مزہ لے کر عیش وعشرت میں کھو جاؤں۔ (تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام، عہد الخلفاء الراشدین: ۲۶۸)

حضرت انس بن مالکؓ کا بیان ہے: میں نے امیر المؤمنین کو دیکھا کہ آپ کے لیے ایک صاع کھجوریں ڈال دی جاتی تھیں۔ آپ اس میں سے ردی بھی کھالیا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۹۸)

اخلاق وعادات

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت مکارمِ اخلاق کی تعلیم کے لیے ہوئی تھی، خود لسانِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے فرمایا: ”إنما بعثت لأتمم مکارم الأخلاق“ میری بعثت مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لیے ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی معجزانہ تعلیم وتربیت سے شمعِ نبوت کا ہر ہر پروانہ مکارمِ اخلاق کا مجسم نمونہ تھا، فاروقِ اعظمؓ کی شان اس باب میں بھی نرالی تھی۔ آپؓ خوفِ خدا، حبِّ رسول، اتباعِ سنت، زہد وقناعت اور تواضع کی مجسم تصویر تھے۔

خوفِ خدا اور رجائے الٰہی: یہ بات مسلم ہے کہ اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصل سرچشمہ خشیتِ الٰہی ہے۔ یہ تمام فضائل ومحامد کی جڑ ہے، قلب جس قدر خوفِ الٰہی سے لرزاں ہوگا اسی قدر وہ بلند مقام پر ہوگا، اور جو قلب اس نعمت سے بہرہ ور نہ ہو وہ محض مضغۂ گوشت ہے۔ آپؓ خشیتِ الٰہی سے ہر لحظہ لرزاں وترساں رہتے تھے، نمازوں میں اکثر وہ سورتیں پڑھتے جن میں قیامت کے ہولناک مناظر اور اللہ تعالیٰ کی شانِ کبریائی کی عظمت وجلال کا بیان ہو اور زار وقطار روتے جاتے۔ عبد اللہ بن شدادؓ کہتے ہیں: آپؓ نماز میں انما أشکو بثي وحزني إلی اللہ پڑھ رہے تھے اور اس زور سے رو رہے تھے کہ میں باوجود آخری صف میں ہونے کے رونے کی آواز سنتا تھا، بسا اوقات روتے روتے دم گھٹنے لگتا تھا۔ (بخاری: کتاب الاذان، باب إذا بکی الامام فی الصلوٰۃ: ۱/ ۱۴۷)

آپؓ فرمایا کرتے تھے کہ اگر آسمان سے کوئی آواز لگائے کہ اے لوگو! تم سب جنت میں داخل ہوں گے سوائے ایک شخص کے، تو مجھے خوف ہوگا کہ کہیں وہ میں نہ ہوں، اور اگر یہ آواز آئے کہ تم سب جہنم میں جاؤں گے سوائے ایک کے، تو مجھے امید ہے کہ وہ میں ہوں۔ (کنز العمال:۱۱-۱۲/۶۲۷)

گویا آپؓ کا ایمان خوف ورجا کے مابین ہوتا تھا۔ بعض دفعہ خوفِ الٰہی سے اس قدر لرزتے کہ حضرت ضحاکؒ فرماتے ہیں: آپؓ خوفِ الٰہی کی وجہ سے کہا کرتے تھے: کاش! میں گھر والوں کا دنبہ ہوتا، وہ مجھے اپنی مرضی سے موٹا کرتے، جب میں خوب موٹا ہوجاتا، پھر ان کے ہاں کوئی محبوب مہمان آتا، وہ میرے بعض حصہ کو بھونتے اور بعض کو قدید بناتے، پھر مجھے کھا جاتے اور فضلہ بنا کر نکال باہر کرتے، کاش! میں انسان نہ ہوتا۔ (کنز العمال:۱۱-۱۲/۶۲۶)

حبِّ رسول اور اتباعِ سنت کا جذبہ

ہر مسلمان کا دل عشق سوزی اور اتباعِ سنت کے جذبے سے موجزن ہونا ضروری ہے۔ آپؓ اس وصف میں بھی ممتاز تھے، اس کے لیے اپنی جان ومال، آل واولاد سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، ایک مرتبہ آپ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عرض کیا کہ: آپ میری جان کے سوا ہر چیز سے زیادہ محبوب ہے، تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: نہیں، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، جب تک میں تمہاری جان سے بھی

زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں تب تک محبت میں سچائی اور ایمان میں کاملیت نہیں ہوسکتی۔ آپؓ نے عرض کیا: اب آپ میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہے، تو ارشاد فرمایا: اے عمر! اب ایمان تام ہوا۔ (مرقاۃ: ۱/ ۱۳۹)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت کے بعد جب بھی آپ کا تذکرہ سنتے تو رقت طاری ہوجاتی اور بے تاب ہوکر رو پڑتے تھے۔

اتباعِ سنت کا کیسا جذبہ موجزن تھا اس کا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہوتا ہے کہ خود آپؓ فرماتے ہیں کہ: جب سے میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے چھنے آٹے کی روٹی کھاتے دیکھا ہے تب سے میں بھی بے چھنے آٹے ہی کی روٹی کھاتا ہوں۔ (کنز العمال: ۱۱-۱۲/ ۶۰۳)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقامِ ذوالحلیفہ سے حج کا احرام باندھا تھا، حضرت عمرؓ نے جب یہ دیکھا تو ان کا معمول ہوگیا، جب بھی حج کے لیے تشریف لے جاتے تو مقامِ ذوالحلیفہ سے احرام باندھتے۔

(مسلم: ۱/ ۳۷۶)

زہد وقناعت: تمام معاصی، گناہ ونافرمانی اور بے راہ روی کی اصل جڑ حبِّ دنیا ہے، اسی چیز نے پہلی قوموں کو ہلاک کیا، اس لیے مشہور حدیث ہے: ”حب الدنیا رأس کل خطیئة“ (مشکوٰۃ: کتاب الرقاق: ۴۴۴، الجامع الصغیر للسیوطی: ۱/ ۲۲۳) دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے، دنیا سے بے رغبتی تمام طاعات کا منبع

ہے، اس لیے ہر مسلمان پر ضروری ہے کہ اس جوہرِ بیش قیمت سے اپنے آپ کو مزین کر کے زہد و قناعت کی زندگی گزارے۔

یہی آپ رضی اللہ عنہ کی بہت بڑی خوبی اور وصف تھا، زہد و دنیا طلبی سے بے اعتنائی آپ میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ۔ جو عشرۂ مبشرہ میں سے ہیں۔ کہتے ہیں کہ: قدامتِ اسلام اور ہجرت کے اعتبار سے لوگ آپ رضی اللہ عنہ سے سبقت لے گئے؛ لیکن زہد و قناعت میں آپ رضی اللہ عنہ سب کے امام و پیشوا تھے۔

(خلفائے راشدین:۱۶۶)

ایک مرتبہ رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو صدقات کے وصول کرنے پر مامور کیا، جب آپ رضی اللہ عنہ اپنی ذمہ داری سے فارغ ہوئے تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اجرت دینا چاہا، آپ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا کہ یہ کام میں نے خالص اللہ کی رضا مندی کی خاطر کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس کو قبول کر لو پھر جہاں دل چاہے خرچ کرو۔ (ابوداود، کتاب الزکوۃ، باب فی الاستعفاف: ۲۳۳)

یہ واقعہ آپ کی دنیا سے بے اعتنائی و بے رغبتی کی روشن مثال ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ جس طرح زاہد و قانع تھے ہر شخص کو اس حالت میں دیکھنا چاہتے تھے۔ ایک مرتبہ احنف بن قیس ایک جماعت کے ساتھ عراق کی ایک مہم پر روانہ کیے گئے، وہ وہاں سے کامیاب ہو کر تزک و احتشام کے ساتھ واپس آئے، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی زرق برق پوشاک دیکھ کر منہ پھیر لیا، وہ لوگ حضرت امیر

المؤمنین کو برہم دیکھ کر دربار سے اُٹھ آئے اور عرب کی سادہ پوشاک زیب تن کر کے حاضرِ خدمت ہوئے، حضرت عمرؓ اس لباس میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرداً فرداً ہر ایک سے بغل گیر ہوئے۔ (خلفائے راشدین:۱۶۹)

بے مثال خاکساری وانکساری

انسانی اخلاق واوصاف کا بہترین وصف تواضع وانکساری ہے، اسی سے آدمی بلندیوں کو طے کرتا ہے، ایک طرف آپؓ کا رعب ودبدبہ ایسا کہ قیصر وکسریٰ کا پایۂ تخت جس سے متزلزل، تو دوسری طرف تواضع وانکساری ایسی کہ گویا آپ تواضع کی مجسم تصویر۔

حضرت حسن بصریؒ کا بیان ہے: آپؓ گرمی کے دنوں میں گھر سے نکلے، چادر سر پر رکھی ہوئی تھی، ایک لڑکا آپ کے پاس سے گدھے پر سوار گذرا، اس سے کہا: مجھے اپنے ساتھ سوار کر لیجیے، لڑکا آپؓ کی عظمت میں گدھے سے اتر کر کہنے لگا، اے امیر المؤمنین! آپ سوار ہو جائیں، آپؓ نے کہا: نہیں، میں تنہا سوار نہ ہوں گا، بالآخر آپؓ اس لڑکے کے پیچھے سوار ہو کر مدینۂ منورہ میں داخل ہوئے اور لوگ اس منظر کو بنظرِ استعجاب دیکھتے رہے۔ (کنز العمال:۱۲/۶۴۰)

تقویٰ وطہارت

تقویٰ وطہارت میں بھی آپؓ کو امتیازی مقام حاصل تھا، حضرت زید بن اسلمؒ کا بیان ہے: ایک مرتبہ آپؓ نے دودھ نوش کیا، بہت پسند آیا تو لانے

والے سے پوچھا، یہ دودھ کہاں سے لائے ہو؟ بتلایا میں ایک چشمہ پر گیا تھا، جہاں صدقات کے اونٹ چرتے تھے، میں نے دیکھا کہ لوگ دودھ پی رہے ہیں، انہوں نے مجھے بھی دودھ دیا، وہ آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا ہوں، یہ سننا تھا کہ گھبرائے اور حلق میں انگلی ڈال کر سارا دودھ قے کر دیا۔ (کنز العمال: ۱۲/ ۲۴۱)

حضرت براء بن معرورؓ کے صاحب زادے بیان کرتے ہیں کہ: آپؓ کو کوئی تکلیف پیش آئی، طبیب نے علاج میں شہد کا نسخہ تجویز کیا، ان دنوں بیت المال میں شہد کا مٹکا بھرا ہوا تھا؛ لیکن آپؓ نے لوگوں سے فرمایا: اگر تم لوگ شہد استعمال کرنے کی اجازت دیتے ہو تو میں استعمال کروں؛ ورنہ میرے لیے حرام ہے، سب نے اجازت دی اور آپؓ نے شہد استعمال کیا۔ (کنز العمال: ۱۲/ ۲۴۰)

رفاہِ عام اور خدمتِ خلق

نصف دنیا کا عظیم حکمران ہونے کے باوجود آپؓ کا یہ حال تھا کہ ضعفا وغربا اور محتاجوں کی خدمت کیا کرتے تھے۔ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کا بیان ہے: ایک رات آپؓ تاریکی میں نکلے، ایک گھر میں داخل ہوئے، پھر دوسرے میں، میں نے صبح اس گھر میں جا کر دیکھا تو ایک بڑھیا تھی، پوچھا: یہ شخص تمہارے پاس کیوں آتا ہے؟ تو کہا: یہ ایک طویل عرصے سے میری خدمت کرتا ہے اور ضروری سامان مہیا کرتا ہے۔ (سیرۃ عمر بن الخطاب: ۱۳۵)

ایک رات آپ گشت کر رہے تھے، ایک خیمہ سے کسی کے کراہنے کی آواز

سنی، باہر ایک بدّ و بیٹھا تھا، حال دریافت کیا تو کہا مسافر ہوں، میری عورت دردِ زہ میں مبتلا ہے، کوئی خبر گیری کرنے والا نہیں، آپؓ فوراً گھر آئے اور اپنی زوجہ حضرت امِ کلثومؓ کو ساتھ لے کر بدّ و کے پاس گئے، حضرت امِ کلثومؓ خیمے میں تشریف لے گئی اور آپ بدّ و کے ساتھ باہر بیٹھ گئے، بچہ کی ولادت ہوگئی تو حضرت امِ کلثومؓ نے کہا: اے امیر المؤمنین! اپنے دوست کو مبارک باد دیجیے۔ بدّ و ''امیر المؤمنین'' کا لفظ سن کا گھبرایا اور چونک پڑا، آپؓ نے کہا: کچھ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آجانا، تمہارے بچہ کا وظیفہ مقرر کردوں گا۔ (خلفائے راشدین: ۱۷۸)

آپؓ کے غلام اسلم کا بیان ہے کہ ایک رات آپؓ نے گشت کرتے ہوئے ایک عورت کو دیکھا، اس کے ارد گرد بچے رو رہے ہیں، چولہے پر برتن رکھا ہوا ہے، آپؓ نے قریب جا کر دریافت کیا: اے اللہ کی بندی! یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ تو بتایا: بھوک کی وجہ سے، اور کہا کہ: برتن میں پانی رکھ کر ان بچوں کو بہلا رہی ہوں۔ آپؓ یہ ماجرا دیکھ کر رو پڑے اور بیت المال پر تشریف لائے، ایک بوری میں کچھ آٹا، گھی، کھجور، کپڑے اور دراہم ڈالے اور اپنے غلام اسلم سے کہا کہ: میرے کندھے پر رکھ دو، انہوں نے عرض کیا: اے امیر المؤمنین! میں اٹھاؤں گا، آپؓ نے فرمایا: کل قیامت کے روز بھی میرا بوجھ تم اٹھاؤ گے! پھر بوری اٹھا کر عورت کے پاس پہنچے، خود چیزیں نکال کر برتن چولہے پر رکھ کر آگ پر پھونک مارنے لگے؛ یہاں تک کہ دھواں آپؓ کی داڑھی کے درمیان سے نکل رہا

تھا، پھر کھانا تیار ہوا تو اپنے ہاتھ سے نکال کر بچوں کو کھلایا اور ایک طرف بیٹھ کر انہیں دیکھنے لگے اور فرمایا: ان کو روتے ہوئے دیکھا ہے تو جی چاہتا ہے کہ ایک مرتبہ ان کو ہنستا ہوا دیکھ لوں۔ (کنز العمال: ۱۱-۱۲ / ۶۳۸)

ازواج واولاد

عربوں میں عام دستور تھا کہ ہر شخص متعدد نکاح کرتا تھا، آپؓ نے بھی متعدد نکاح کیے، دورِ جاہلیت میں بھی اور دورِ اسلام میں بھی۔

۱-آپ نے سب سے پہلے زینب بنت مظعون سے رشتۂ ازدواج قائم کیا، جن سے عبداللہ، حفصہ اور عبدالرحمٰن اکبر پیدا ہوئے۔آپ کی یہ زوجۂ محترمہ اسلام کی دولت گراں مایہ سے بہرہ ور ہوئی، اور اسلام ہی کی حالت میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔

۲-آپ کا دوسرا نکاح مُلیکہ بنت جرول خُزاعیہ سے ہوا، جن سے عبیداللہ متولد ہوئے، چوں کہ یہ بیوی اسلام کی دولت سے محروم تھی، اس لیے ۶ھ صلح حدیبیہ کے بعد طلاق دے کر الگ کر دیا۔

۳-پھر آپؓ کا نکاح ام حکیم بنت الحارث بن ہشام سے طے پایا، جن سے فاطمہ پیدا ہوئی۔

۴-پھر مدینۂ منورہ ہجرت کرنے کے بعد جمیلہ بنت ثابت بن ابی الاقلح سے نکاح کیا جن سے عاصم کی پیدائش ہوئی۔

۵- پھر آپ رضی اللہ عنہ کی تمنا تھی کہ خاندانِ نبوت سے بھی شرفِ تزوج حاصل کیا جائے تو ام کلثوم بنت علی بن ابی طالب سے پیامِ نکاح دیا اور چالیس ہزار پر نکاح کر دیا۔ جن سے زید اور رقیہ پیدا ہوئے۔

۶- پھر آپ نے لہیّہ نامی یمنی عورت سے نکاح کیا جن سے عبد الرحمٰن اصغر پیدا ہوئے۔

۷- پھر آپ نے عاتکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل سے رشتۂ ازدواج قائم کیا۔

(تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام، عہد الخلفاء الراشدین: ۲۷۵)

یہ تھے چراغِ ہدیٰ، شمسِ ضحیٰ، ہدایت کے مینار، استقامت وعزیمت کے پہاڑ اور شمعِ نبوت کے پروانے، جو امت کے لیے صرف نمونۂ عمل ہی نہیں؛ بلکہ امت ان کی اقتدا واتباع کی مامور ہے، جنھیں بارگاہِ ایزدی سے رضامندی کا پروانہ ملا، اور لسانِ نبوت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے "عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين" کا مژدہ سنا کر مہرِ صداقت ووثوق ثبت کر دی، انہیں کی اتباع میں قوم کی فلاح وبہبودی ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ آج کے انحطاط پذیر زمانہ میں مغرب پرستی کے گندے ماحول میں ان کی حیاتِ طیبہ کی درخشندہ گوشوں کو اجاگر کیا جائے اور ان کے اخلاق وسیَر سے امت کو آشنا کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائیں۔ (آمین)

یہ فیض ہے مقدمِ عمر کا کہ در کھلا ہے خدا کے گھر کا
نماز کعبے میں ہو رہی ہے، فرشتے خوشیاں منا رہے ہیں
مِلا ہے ان کو وہ قلبِ روشن، نثار خود جس پہ فرقِ ایمن
جنابِ شیخین زندگی بھر، رفیقِ شمس الضحیٰ رہے ہیں
مزارِ اقدس کے دائیں بائیں، حضور کی لیتے ہیں بلائیں
نہ اُس جہاں میں جدا رہیں گے، نہ اِس جہاں میں جُدا رہے ہیں
خدا کے بندے خدا نہیں تھے، کسی کے مشکل کُشا نہیں تھے
مگر یہ اسرارِ علمِ دیں کے ضرور مشکل کشا رہے ہیں

مراجع ومصادر:

① بخاری شریف② مسلم شریف ③ترمذی شریف ④ابوداود شریف⑤ کشف الباری شرح بخاری⑥ شمائل ترمذی ⑦فتح الباری ⑧ کنز العمال ⑨تاریخ الخلفا⑩ تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام ⑪تاریخ ابن خلدون ⑫طبقات بن سعد مترجم ⑬سیرۃ عمر بن الخطاب عربی ⑭الفاروق ⑮خلفائے راشدین ⑯ سیرت احمد مجتبیٰ۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

از قلم: التمش ایلولوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت سے قبل انسانیت گراوٹ وپستی کی حدود پار کر چکی تھی، صنم خانے اپنے عروج پر تھے، آتش کدے مسلسل سلگتے ہی جا رہے تھے، کوئی ستاروں کے سامنے دست بستہ کھڑا تھا، کوئی آفتاب کے سامنے سر خم کر رہا تھا، کوئی بے جان بتوں کے سامنے مٹھائیاں پیش کر رہا تھا، غرض! مختصر یہ کہ انسانیت ضلالت وگمراہی کی وادی میں حیران وسرگشتہ گھوم رہی تھی، انسان انسان کا خون چوسے جا رہا تھا، حکمران اپنی محفلوں میں چراغاں کرنے کے لیے انسانوں کو جلاتے اور ان ہی کی چیخ وپکار سے موسیقی کا مزہ لوٹتے تھے، شراب سرِ عام پی جا رہی تھی، ایسا لگتا تھا کہ اب انسان کو دوبارہ تمدن کی راہ میسر نہ ہوگی؛ لیکن اللہ تعالیٰ کو بنی آدم پر ترس آ گیا اور رحمتِ الٰہی جوش میں آئی، تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ کے ایسے ماحول میں پیدا کیا جہاں انسان سانس لینے کو ترس رہا تھا، غرض حالات نے پلٹا کھایا، کفر کی تاریکی چھٹی، ایمان کی روشنی عالَم پر چھا گئی، انسانیت نے سکون کی سانس لی، جاہل قوم امت کی پیشوا بنی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ میں ایمان کی صدا بلند کی، تو ابتداءً جاں نثاروں کی ایک چھوٹی سی جماعت نے دعوتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لبیک کہا، جن میں عثمان بن عفانؓ بھی تھے۔ ذیل میں ان کی زندگی کی کچھ جھلکیاں پیشِ خدمت ہیں:

<u>ولادت:</u> حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ میں ہجرتِ مدینہ سے ۴۷

سال قبل ۵۷۶ء میں پیدا ہوئے۔

سلسلۂ نسب: عثمان بن عفان بن ابی العاص بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف، یہ سلسلہ والد کی جانب سے ہے۔

سلسلۂ نسب والدہ کی جانب سے کچھ اس طرح ہے: عثمان بن اروىٰ بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبد شمس بن عبد مناف، دونوں پشتوں میں عبد مناف کے بعد سلسلۂ نسب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ (عثمان ذوالنورین: ۶۰، حاشیہ: ۲)

کنیت: ابوعبداللہ، حضرت رقیہؓ سے آپ کا ایک لڑکا عبداللہ پیدا ہوا، اس کی وجہ سے آپ کو "ابوعبداللہ" کہا جانے لگا۔

حلیہ مبارک: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رنگ سفید مائل بزردی، قد درمیانہ، سینہ فراخ، بازو بھرے ہوئے، پنڈلیاں پُرگوشت، داڑھی گنجان، زلفیں دراز، چہرہ پر قدرے چیچک کے داغ، جسم سڈول، اعضا متناسب اور دانت ہموار تھے، جن کو سونے کے دھاگے سے باندھا گیا تھا۔ (خطبات خلفائے راشدین: ۲۹۲)

حالات قبل الاسلام

قبل الاسلام عرب جن حالات سے دوچار تھے، اس سے کوئی ناآشنا نہیں ہے، ہر طرف شراب وکباب کی رنگین محفلیں سجی ہوئیں تھیں، ہر بڑا چھوٹے کو کھائے جا رہا تھا، بچیوں کی ولادت منحوس خیال کی جاتی تھی، ایسے روح فرسا حالات میں سلیم الفطرت، راست باز، دیانت دار، پیکرِ شرم وحیا حضرت عثمان رضی

اللہ تعالیٰ عنہ شراب وزنا اور دیگر منکرات سے طبعاً محترز تھے، خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے عہدِ جاہلیت میں اور اسلام میں نہ کبھی زنا کیا، نہ شراب پی، نہ گایا اور بجایا۔ (عثمان ذوالنورین: ٦١)

اسی طبعی شرافت اور نیک فطرت ہی کی وجہ سے جب مکہ میں صدائے ایمان گونجی تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرف بہ اسلام ہوئے۔

اسلام قبول کرنے کا واقعہ

آپ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے واقعہ میں تاریخ نگاروں کا اختلاف ہے، صاحبِ طبقات ابن سعد میں لکھتے ہیں کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد حضرت عثمان حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان پر اسلام پیش کیا اور قرآن مجید کی تلاوت کی اور اسلام کے حقوق سے ان کو مطلع فرمایا تو انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعوت کو قبول کرلیا اور اسلام کے دامنِ آغوش میں جگہ پائی۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۳٦)

''الاصابہ'' سے قبولِ اسلام کی روایت اس طرح نقل کی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تبلیغ پر میں نے اسلام قبول کرنے کا عزم کرلیا تب اسی غرض سے ہم خدمتِ اقدس میں حاضری کا ارادہ کررہے تھے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے، اور مخاطب ہوکر فرمایا: عثمان! میں خلقِ خدا کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہوں، تو خدا کی جنت قبول کرلے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا

بیان ہے کہ ان دو سادہ جملوں نے میرے قلب پر اتنا گہرا اثر ڈالا کہ بے اختیار میری زبان سے کلمۂ شہادت جاری ہو گیا۔ (عثمان ذوالنورین: ۶۲)

ہجرت سے پہلے کے حالات اور مصائب وشدائد

حضرت عثمانؓ نے اسلام قبول کر لیا؛ لیکن اہلِ خانہ ایمان واسلام سے ناآشنا تھے؛ اس لیے جب حضرت عثمانؓ کے ایمان کی خبر ان کے چچا حکم بن عاص کو پہنچی تو سخت ناراض ہوا، اوّلاً نرمی ومحبت سے سمجھایا، پھر زبانی تنبیہ کی؛ لیکن جب اس کی دونوں کوششیں کارگر ثابت نہ ہوئیں تو اس نے آپؓ کے قدموں میں زنجیر ڈال دی، زدوکوب شروع کر دیا، اور طرح طرح کی اذیتیں دیں۔ ایک دن اس نے کہا: اے بھتیجے! تو نے آبا واجداد کا دین ترک کر دیا ہے اور نیا طریقہ اپنا لیا ہے، اگر تو اپنی حالت پر برقرار رہا تو تا زیست اسی عذاب میں مبتلا رکھوں گا، اس کی باتوں کا حضرت عثمانؓ پر قطعاً اثر نہ ہوا، اور زبانِ حق بول اٹھی، اے چچا! میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میرا سرتن سے جدا کر دو گے تو بھی میرا یہ جسم بے جان وبے سر آستانۂ محمد پر پڑا رہے گا اور اگر میرا بدن آتشِ سوزاں سے جلا کر راکھ کر دو گے تب بھی وہ راکھ بگولوں سے لپٹ کر کوچۂ محمد میں پہنچ جائے گی۔ (حضرت عثمان محافظِ امت: ۲۲)

حضرت عثمانؓ کے ایمان لے آنے کی وجہ سے ان کی والدہ بھی بڑی رنجیدہ ہوئیں، اور گھر بار چھوڑ کر اپنے بھائی عامر بن کریز کے گھر جا بیٹھیں، بالآخر مایوس ونامراد ہو کر ایک سال بعد اپنے گھر واپس آگئیں۔ (عثمان ذوالنورین: ۶۳)

ہجرتِ حبشہ

وقت گذرتا گیا، ساتھ ہی اسلام پھیلتا گیا، اہلِ حق کی ایک جماعت تیار ہوگئی؛ لیکن ابھی اسلام کی خفیہ اشاعت جاری تھی کہ امرِ خداوندی: فاصدع بما تؤمر کا ورود ہوا، اسلام کی اشاعت علی الاعلان ہونے لگی، رفتہ رفتہ اسلام لوگوں کے دلوں میں راسخ ہونے لگا، ادھر کفارِ مکہ نے مصائب وآلام اس قدر بڑھا دیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی جانب ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔

قافلہ جاتا ہے تو بھی جو چلا چاہے: اوّلاً دس یا بارہ مسلمان ہجرت کے لیے نکلے جن میں عثمان بن عفانؓ بھی اپنی اہلیہ حضرت رقیہؓ کے ساتھ شامل تھے۔ (عثمان ذو النورین: ۶۳) حاکم نے اپنی مستدرک میں عبد الرحمٰن بن اسحاق کی روایت نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ سے فرمایا: اے ابوبکر! سیدنا ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد سب سے پہلے ان ہی دو (عثمان ورقیہ) نے اللہ کے لیے ہجرت کی ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۴۳ مترجم)

چند مسلمان حبشہ کی جانب ہجرت کر گئے، اکثر مسلمان مکہ میں فروکش تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مکہ ہی میں مقیم تھے کہ وحیٔ الٰہی سورۂ نجم کی شکل میں نازل ہوئی۔

خامشی میں تھا رنگِ گویائی: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو آیت نازل ہوتی اس کو مجمعِ کفار میں سنایا کرتے تھے، جب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحنِ کعبہ میں بیٹھ کر سورۂ نجم کفار کے سامنے سنائی تو کفار بے اختیار سجدہ ریز ہو گئے۔

جب یادِ وطن آئے مہکائے بدن میرا: اس واقعہ کی خبر مہاجرینِ حبشہ کو پہنچی تو وہ سمجھے کہ کفار مسلمان ہو گئے اور مسلمان ظلم سے مامون ہو گئے، اسی زعم میں مہاجرین کا کارواں بشمول حضرت عثمان و رقیہ رضی اللہ عنہا کے مکہ واپس لوٹا، لیکن یہاں آئے تو پتہ چلا کہ یہاں تو وہی ظلم کا دور دورہ ہے تو ایک دوسرا قافلہ حبشہ کے لیے تیار ہوا جن میں آپ رضی اللہ عنہ بھی اپنی زوجۂ محترمہ کے ساتھ شامل تھے؛ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مکہ ہی میں رہ کر مصائب و آلام کا مقابلہ کرنا پسند کیا۔ (بخاری ۱/ ۸۰۹)

کوہِ غم ٹوٹ پڑے دیدہ و دل پر کتنے: قریشِ مکہ کی عداوتیں اور ایذا رسانیاں برابر جاری رہیں؛ بلکہ سلسلۂ رنج والم روز افزوں دراز سے دراز تر ہوتا گیا، بحکمِ خداوندی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرتِ مدینہ کا عزم کر لیا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی مدینہ بھیجنا شروع کیا، صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین وطنِ عزیز مکہ سے جدائی کا داغ دل میں لیے ہوئے مکہ سے روانہ ہوئے، چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت سے پہلے کئی مسلمان مدینہ میں مقیم ہو گئے، جن میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بھی مع اہل و عیال کے شامل تھے۔ (عثمان ذوالنورین: ۶۴)

ہجرت کے بعد کے حالات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مدینہ آنے کے بعد سب سے اول یہ شرف حاصل ہوا کہ جب مسجدِ نبوی کی تعمیر شروع ہوئی تو آپ رضی اللہ عنہ بھی اس میں ایک معمار تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو پہلا پتھر رسول

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اٹھا کر اس کی جگہ رکھا، دوسرا پتھر حضرت ابوبکرؓ نے اٹھا کر اسی طرح رکھا، اب حضرت عثمانؓ کی باری تھی، انہوں نے بھی اسی طرح کیا، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے یہ ماجرا دیکھا تو بولی: اے اللہ کے رسول! آپ دیکھ رہے ہیں، یہ دونوں کس طرح آپ کی خدمت کر رہے ہیں، تو آپؐ نے فرمایا: یہی تو میرے بعد خلیفہ بننے والے ہیں۔ (مستدرک حاکم: ۳/ ۹۶-۹۷ بحوالہ عثمان ذوالنورین: ۲۷۹)

مدینہ جا کر مسلمان مامون ہو گئے، دینِ اسلام کی اشاعت بہ آزادی ہونے لگی اور مدینہ اسلامی حکومت کا پہلا مرکز بنا، یہ چیز کفارِ مکہ کو ایک آنکھ نہ بھائی، چناں چہ پھر ریشہ دوانیاں شروع کر دیں، مدینہ کی اس نوتشکیل شدہ حکومت کے ساتھ چھیڑ چھاڑ کو اپنا مشغلہ بنا لیا اور کوئی لمحہ چین سے گزارنے نہ دیا، اب ان کفارِ مکہ کی شرارتوں کا انسداد ضروری ہو گیا تھا۔

حکمِ جہاد

۲ھ صفر کا مہینہ اور ۱۲/ تاریخ تھی، کہ اللہ کی طرف سے قتال کی اجازت آئی۔

<u>حق و باطل کا پہلا معرکہ (غزوۂ بدر):</u> اسی حکمِ جہاد کے پیشِ نظر ۱۲/ رمضان المبارک ۲ھ کو کاروانِ اہلِ حق مدینہ سے جوش و خروش کے ساتھ روانہ ہوا؛ مگر حضرت رقیہؓ کی علالت کے پیشِ نظر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو ان کی تیمارداری کا حکم دیا، اسی وجہ سے حضرت عثمانؓ اس غزوہ میں شرکت

سے محروم رہے۔ مقامِ بدر میں حق و باطل صف آرا ہو گئے، انتہائی سخت لڑائی ہوئی، اور فتح مسلمانوں کی ہوئی، مسلمان واپس مدینہ لوٹے، مقامِ صفراء پر غنائم کی تقسیم ہوئی اور حضرت عثمانؓ کا بھی حصہ دوسرے شرکا کے برابر رکھا گیا۔ یہ آپ کی فضیلت ہے کہ عملاً شریک نہ ہونے کے باوجود فضائل، ثواب اور غنائم میں آپ کو شریک سمجھا گیا۔ (اصحابِ رسول اوران کے کارنامے: ۱۷۸)

<u>شرف ایسا کہ جس میں نہ شریک ہے کوئی عثماں کا:</u> حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ اسی علالت میں اپنے زوجِ مکرّم حضرت عثمانؓ کو داغِ مفارقت دے گئی، حضرت عثمانؓ اور حضرت اسامہ بن زیدؓ وغیرہ نے ان کی نمازِ جنازہ پڑھی اور ان کی تدفین کی۔ آپؓ کو ان کی وفات کا بڑا غم تھا اور ہمیشہ رنجیدہ رہتے تھے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ کی یہ حالت دیکھ کر دریافت کیا کہ: اے عثمان! میں تم کو غم والم میں دیکھ رہا ہوں کیا بات ہے؟ حضرت عثمانؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ! مجھ پر جو مصیبت آئی ہے وہ کسی پر نہیں آئی، آپ سے جو رشتۂ قرابت تھا وہ منقطع ہو چکا، یہ بات سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: مجھے جبرئیلؑ نے بارگاہِ الٰہی سے یہ حکم پہنچایا ہے کہ میں اپنی بیٹی امِ کلثوم کو رقیہ کے مہر پر تمہارے عقد میں دے دوں۔ اب حضرت عثمانؓ، حضرت امِ کلثومؓ کے ساتھ اپنی زندگی بسر کرنے لگے؛ لیکن چند برس بعد حضرت امِ کلثومؓ کا بھی انتقال ہو گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اگر میری کوئی اور بیٹی ہوتی تو میں اس کا نکاح بھی عثمان سے کر دیتا۔ (فتح الباری: ۶/ ۳۶ بحوالہ عثمان ذوالنورین: ۶۵)

اسی امتیاز کی وجہ سے حضرت عثمانؓ کو ''ذوالنورین'' کا لقب عطا ہوا۔

غزوۂ غطفان: محرم ۳ھ میں مدینہ میں اطلاع موصول ہوئی کہ بنوثعلبہ اور محارب کے لوگ مدینہ پر حملے کی خاطر جمع ہو رہے ہیں، اس اطلاع کے ساتھ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چار ہزار پانچ سو سواروں کے ساتھ ذی اَمر کا رخ کیا، جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو مدینہ میں اپنا نائب مقرر فرمایا، اس کے علاوہ غزوۂ ذات الرقاع میں بھی آپ کو نیابت کے شرف سے نوازا تھا۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۴۵ مترجم)

غزوۂ احد:

ع حیران ہوں کہ روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں

بدر کی شکست نے اہلِ مکہ کو آتشِ زیرپا کر دیا، کوئی گھر ایسا نہ تھا جہاں ماتم بپا نہ ہو، کسی کا بیٹا، کسی کا بھائی، یا کوئی عزیز بدر کی بھینٹ چڑھ چکا تھا، جو سردار گرفتار ہوئے وہ ذلت سے دوچار تھے، اسی انتقام کے جذبے کو لے کر سردارانِ قریش دارالندوہ میں جمع ہوئے اور مدینہ پر حملہ آوری کا عزم کر لیا، ابوسفیان کو سپہ سالار بنایا گیا۔ (سیرت احمد مجتبیٰ: ۲/ ۲۸۷)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس کی اطلاع ملی تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو مستعد ہو جانے کا حکم دیا۔

دینِ حق کے متوالے شوقِ شہادت میں چل پڑے: ۷/شوال ۳ھ

میں قافلۂ اہلِ حق مدینہ سے روانہ ہوا، حق و باطل صف آرا ہوگئے، شدید جنگ ہوئی، ابتداءً حق غالب رہا، اور باطل مغلوب ہوکر فرار اختیار کرگیا؛ لیکن جنگی غلطی کی وجہ سے کفار نے پلٹ کر مسلمانوں پر ناگہانی حملہ کردیا، اس ناگہانی حملے سے مسلمان سنبھل نہ پائے اور لشکرِ اسلام کفار کے نرغے میں آگیا، ہنگامہ بپا ہوگیا، صحابہؓ منتشر ہوگئے، اتنے میں ایک کربناک خبر آئی کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہوگئے، یہ خبر سن کر صحابہؓ اور بے چین ہوگئے، مایوسیوں کے بادل چھانے لگے، زندگی ایک بوجھ محسوس ہونے لگی، ہوش ٹھکانے نہ رہے، سوائے چند صحابہؓ کے بقیہ سب گومگو کی کیفیت کے شکار تھے، بعض صحابہؓ میدانِ جنگ سے ہٹ کر کروادیوں کی طرف نکل پڑے۔

<u>دل بیٹھ گیا جی چھوٹ گیا:</u> اسی ہنگامی حالت میں حضرت عثمانؓ بھی دو انصاری صحابہؓ کے ہمراہ مقامِ جعلب میں پہنچ گئے، تین دن کے بعد وہاں سے لوٹے، سخت شرمندہ تھے، کسی سے آنکھ ملانے کو جی نہ چاہتا تھا، یہ ندامت وشرمندگی سرخروئی کا باعث بنی، اللہ تعالیٰ نے ان کے قصور کو معاف کردیا اور سورۂ آل عمران کی آیت: ۱۵۵ نازل ہوئی۔إن الذين تولوا منكم يوم التقى الجمعان، إنما استزلهم الشيطٰن ببعض ما كسبوا، ولقد عفا الله عنهم، إن الله غفور حليم ترجمہ: تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ پھیری، جس دن دونوں لشکر ایک دوسرے سے ٹکرائے یقیناً ان کے بعض اعمال کے نتیجے میں

شیطان نے ان کو لغزش میں مبتلا کر دیا تھا، اور یقین رکھو کہ اللہ نے انہیں معاف کر دیا ہے، یقیناً اللہ بہت معاف کرنے والا، برابر دبار ہے۔ (آسان ترجمۂ قرآن: ۱۷۲)(سیرت احمد مجتبیٰ ۲/ ۳۳۱)

صلح حدیبیہ: یہ تاریخِ اسلامی کا انتہائی اہم اور فیصلہ کن موڑ ہے، اسی کو قرآنِ کریم میں ''فتحِ مبین'' کہا گیا ہے، اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمدم رہے، اور جو شرف اس میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا، وہ ان کے صحیفۂ عظمت کا روشن باب ہے۔

یہ قافلہ مکّہ چل پڑا: ماہ ذی القعدہ ٦ سنہ ھ میں یہ قافلہ مدینہ سے بہ ارادۂ عمرہ روانہ ہوا جب قافلہ مقامِ عسفان کے قریب پہنچا تو کسی مخبر نے آکر اطلاع دی کہ قریش نے متفرق قبائل کے لوگوں کو بڑے پیمانے پر جمع کر رکھا ہے، یقیناً وہ راستہ مسدود کرنے کی کوشش کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر جاری رکھا، مقامِ حدیبیہ پہنچ کر قافلہ فروکش ہوا، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قریش کو حقیقتِ حال سے باخبر کرنے کا ارادہ فرمایا، اس مقصد کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مکہ روانہ کیا اور حکم دیا کہ کفارِ مکہ سے کہہ دینا کہ ہم تو عمرے کے ارادے سے آئے ہیں، ہمارا مقصود لڑائی کرنا نہیں ہے، حکمِ نبوی کے مطابق حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مکہ روانہ ہوئے۔

آپ رضی اللہ عنہ نے مکہ میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکہ میں آنے کا مقصد ذکر کیا، اور پیغامِ نبوی پہنچا دیا۔ قریش کے ہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بڑا وقار تھا، اسی کے

پیشِ نظر قریش نے آپؓ سے کہا: اگر تم طواف کعبہ کرنا چاہتے ہو تو کر سکتے ہو؛ لیکن آپؓ نے انکار کر دیا، اور کہا: یہ ہو نہیں سکتا کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ میں فروکش ہو اور میں یہاں طواف کروں۔ (عثمان ذو النورین: ۷۰)

واپس لوٹنے میں تاخیر ہوئی اور اِدھر مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ حضرت عثمانؓ کو شہید کر دیا گیا۔

جوشِ انتقام میں دل مچل اٹھے: یہ خبر سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لینے کے لیے صحابہؓ سے بیعت لینا شروع کیا، تمام صحابہؓ بیعت کر چکے، مگر حضرت عثمانؓ واپس نہیں آئے، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا دستِ مبارک ایک ہاتھ پر رکھ کر فرمایا: ”ھٰذہ ید عثمان، فضرب بھا علی یدہ فقال ھٰذہ لعثمان“. (بخاری، کتاب المغازی: ۲/ ۸۹۷، حدیث: ۱۳۱۹ مطبوعہ دینیات)

اس کے بعد حضرت عثمانؓ وہاں پہنچ گئے، اور قریش کی گفتگو کے مطابق صلح نامہ تحریر ہوا۔

ہمارا مقصود ادھر یہ بتلانا ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس اہم موقع پر اپنی سفارت کے لیے انتخاب حضرت عثمانؓ کا کیا، اور جب شہادت کی افواہ سنی تو انتقامی تیاریاں شروع کر دیں اور سونے پر سہاگہ کہ اپنے دستِ مبارک کو حضرت عثمانؓ کا ہاتھ قرار دے کر بیعت فرمائی۔ (عثمان ذو النورین: ۷۰)

غزوۂ تبوک: ۹ ھ میں مدینہ میں یہ خبر عام ہوگئی کہ قیصرِ روم مدینہ پر حملہ

آور ہونا چاہتا ہے، یہ خبر سن کر نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوج کشی کا ارادہ فرمایا اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو تیاری کا حکم فرمایا، دور دراز کا سفر تھا، آفتاب شعلے برسا رہا تھا، ساتھ ہی قحط سالی کی وجہ سے تنگدستی بھی پھیلی ہوئی تھی، اسی مفلسی کی وجہ سے حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنگی اسلحے اور زادِ راہ کے لیے باحیثیت صحابہ رضی اللہ عنہم سے ''تجہیزِ جیش'' کی اپیل کی، تو سب نے حتی المقدور خدمتِ نبوی میں مال پیش کیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ دولت مند تھے، اور فیاض اور سخی بھی، اس لیے کارِ خیر میں ان کا حصہ سب سے زیادہ رہا، چناں چہ ترمذی کی ایک روایت میں ہے کہ: حضرت عبدالرحمٰن بن خباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جیشِ عسرہ کی مدد کی ترغیب دلا رہے تھے تو میں وہاں موجود تھا، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! میرے ذمہ راہِ خدا میں سو اونٹ ہیں ان کے ٹاٹوں اور کجاؤں کے ساتھ، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدد کی ترغیب دلائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! میرے ذمہ راہِ خدا میں دو سو اونٹ ان کے ٹاٹوں اور کجاؤں کے ساتھ ہیں، پھر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدد کی ترغیب دلائی تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر کھڑے ہوئے اور کہا: یا رسول اللہ! میرے ذمہ راہِ خدا میں تین سو اونٹ، ان کے ٹاٹوں اور کجاؤں کے ساتھ ہیں (راوی فرماتے ہیں) کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا کہ آپ منبر سے اترتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اس کے بعد عثمان جو کچھ کریں گے ان کو کوئی نقصان نہ ہوگا۔ (تحفۃ الالمعی: ۸/ ۳۴۰)

مذکورہ ساز وسامان کے علاوہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے خدمتِ اقدس میں نقد رقم کی تھیلی پیش کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرطِ مسرت سے اسے اپنے دستِ مبارک میں لے کر اچھالتے اور فرماتے: "ما علی عثمان من عمل بعد الیوم"، کہ آج کے بعد عثمان کو کسی اور عمل کی ضرورت نہیں۔ (عثمان ذوالنورین:۸۰)

اس تیاری کے بعد قافلہ جوش وخروش کے ساتھ روانہ ہوا، راستہ میں سامانِ خورد ونوش میں کمی آگئی، صحابہ رضی اللہ عنہم پریشان ہوگئے، اس کی اطلاع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہوئی، تو آپ رضی اللہ عنہ نے اونٹوں پر سامان لادا، اور قافلہ کی جانب روانہ ہوئے۔

ظلمتِ شب میں نظر آئی امید کی کرن: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دور سے قافلہ کے آثار نظر آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لواے مسلمانو! سرخ اونٹ تمہارے لیے سامانِ رسد لا رہے ہیں، اتنے میں اونٹوں کا یہ قافلہ پہنچ گیا، جب اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بٹھائے گئے تو آپ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ: اے اللہ! میں عثمان سے خوش ہوں تو بھی اس سے راضی رہ۔ (عثمان ذوالنورین:۸۱)

بئرِ رومہ کی خریداری: مسلمان مدینہ میں مستقلا قیام پذیر ہوگئے، مدینہ کی آبادی وسیع ہوتی گئی، ساتھ ہی بشری ضروریات بھی دن بدن بڑھتی رہیں، مسلمانوں کو پانی کی تنگی کا سامنا کرنا پڑا، مدینہ میں شیریں پانی کا صرف ایک ہی کنواں تھا، وہ بھی ایک یہودی کی ملکیت میں تھا، اسی تنگی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بئرِ رومہ کی خریداری کی ترغیب دلائی اور خریدنے والے کو جنت کی بشارت

سنائی، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ (اصحابِ رسول اوران کے کارنامے: ۱۸۰)

وفاتِ رسول: کارِ نبوت تکمیل پا چکا، دینِ الٰہی مکمل ہوا، ارشادِ خداوندی نازل ہوا: اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا (المائدہ: ۳) ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔

(آسان ترجمۂ قرآن: ۲۳۸)

اب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے رحلت فرمانے کا وقت آ گیا، ۱۱ھ ۱۲ / ربیع الاول بروز شنبہ، بوقتِ دوپہر رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے۔

غمِ فراق میں خم وساغر اداس ہے: صحابہ حیران و پریشان ہو گئے، مدینہ کی گلیاں ویران ہو گئیں، کلیوں کی چٹک، پھولوں کی مہک، چڑیوں کی چہک، چاندنی کی چمک، آفتاب کی رونق، ستاروں کی لچک ماند پڑ گئیں، چہروں کی رنگت متغیر ہو گئی، صحابہ سراپا غم واندوہ کی تصویر بن کر رہ گئے۔ خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس صدمے کا ایسا جھٹکا لگا کہ گفتگو کا یارا نہ رہا، بس! خاموش بیٹھے رہتے خلا میں تکتے جاتے۔

خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اتنا رنج ہوا کہ بعضے صحابہ کا حال ایسا ہو گیا کہ جیسے انہیں وسوسہ اور جنون کا مرض ہو گیا ہو۔ ایک روز میں مدینہ کے ایک ٹیلے پر بیٹھا ہوا تھا اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے بیعتِ

خلافت ہو رہی تھی، اتنے میں حضرت عمرؓ میرے قریب سے گذرے اور مجھے اس کی قطعاً خبر نہ ہوئی، اس لیے کہ مجھے انتہائی غم لاحق تھا، حضرت عمرؓ نے حضرت ابو بکرؓ سے عرض کیا: اے خلیفۂ رسول! کیا میں آپ کو عجیب بات نہ بتاؤں؟ میں عثمان کے قریب سے گذرا اور انہیں سلام کیا تو انہوں نے سلام کا جواب نہ دیا۔

(حضرت عثمان محافظ امت: ۵۶)

حضرت عثمانؓ عہدِ صدیقی میں

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد خلافتِ اسلامی کی باگ ڈور حضرت ابو بکرؓ نے سنبھالی، حضرت عثمانؓ عہدِ صدیقی میں اپنے فقہ واجتہاد کی وجہ سے شعبۂ افتا کے ایک اہم رکن تھے، اور نوشت وخواند کی اعلیٰ قابلیت کی بنا پر حضرت ابو بکرؓ کے کاتب تھے۔

آپؓ کی دولت وثروت جس طرح عہدِ نبوی میں اسلام کے لیے وقف تھی، اسی طرح عہدِ شیخین میں بھی وقف تھی۔ ایک دفعہ خلافتِ صدیقی میں سخت قحط پڑا، اور انہیں دنوں آپؓ کا تجارتی کارواں واپس آیا، تو حضرت عثمانؓ نے پورا سامان مسلمان غربا اور حاجت مندوں کے لیے وقف کر دیا۔

آپؓ کی رائے ہمیشہ سنجیدہ اور متوازن ہوتی تھی، اس لیے حضرت ابو بکرؓ اس کی بڑی قدر کرتے تھے۔ (عثمان ذوالنورین: ۸۵)

حضرت ابو بکرؓ وعثمانؓ میں ذاتی طور پر بہت گہرا تعلق وربط تھا، چناں چہ

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ: مرض الوفات میں میرے والد کی جو تیمار داری حضرت عثمانؓ نے کی ہے وہ کسی نے نہیں کی۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۴۲)

عہدِ فاروقی میں

حضرت عثمانؓ عہدِ فاروقی میں مجلسِ شوریٰ کے اہم رکن تھے، اگر حضرت عمرؓ کو کوئی خاص موقع درپیش ہوتا تو آپؓ کی معیت ومشورہ سے بڑا فائدہ اٹھاتے اور آپؓ کی رائے کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے۔

جب حضرت عمرؓ حضرت ابوبکرؓ کے قائم کردہ بیت المال کے معائنہ کے لیے تشریف لے جاتے تو حضرت عثمانؓ ان کے ہمراہ ہوتے۔

حضرت عمرؓ آپؓ کی بزرگی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرب کی وجہ سے بڑا ادب واحترام کرتے تھے، جن امور میں دیگر صحابہؓ کو حضرت عمرؓ سے گفتگو کرنے کا حوصلہ نہ ہوتا وہ آپؓ ہی کے واسطے سے اپنی بات خلیفۂ ثانی کی خدمت میں پیش کرتے۔

بہر حال حضراتِ شیخین کے ہاں آپؓ کا بڑا مقام ومرتبہ تھا، چناں چہ بخاری میں ہے کہ حضرت فاطمہؓ کو ازواجِ مطہرات کی طرح اپنی میراث لینے کا خیال پیدا ہوا تو انھوں نے اس سلسلہ میں حضرت ابوبکرؓ سے گفتگو کے لیے حضرت عثمانؓ کا انتخاب کیا۔

اسی طرح جب حضرت عمرؓ نے ازواجِ مطہرات کو حج کے لیے بھیجا تو ان

کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت عثمانؓ کو روانہ کیا۔

(عثمان ذوالنورین: ۸۴ تا ۹۲)

بیعتِ خلافت

حضرت عمرؓ کی تجہیز وتکفین کے بعد انتخابِ خلیفہ کے لیے مجلسِ مشاورت ہوئی، دو دن تک کوئی فیصلہ نہ ہوا، تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے یہ تجویز پیش کی کہ جن چھ حضرات کے نام کی حضرت عمرؓ نے تعیین کی تھی، ان میں سے ہر ایک، ایک نام کی سفارش کرے تو حضرت زبیر بن عوامؓ نے حضرت علیؓ، اور حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمان اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے نام پیش کیے، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے اپنا حق حضرت علی وعثمانؓ کو دے دیا اور فرمایا: کہ آپ دونوں معاملہ میرے ذمے چھوڑ دیجیے، میں جس کو خلیفہ منتخب کروں اس کو دوسرے صاحب بخوشی قبول کرلے، اس کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بیعت کے لیے حضرت عثمانؓ کی طرف ہاتھ بڑھایا، تو فوراً ہی حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے بیعت کی، اس کے بعد بیعتِ عامہ ہوئی، یکم محرم ۲۴ھ کو جب صبح کی پَو پھٹی تو حضرت عثمانؓ تیسرے خلیفۂ راشد تھے۔ (طبقات ابن سعد مترجم: ۳/ ۱۴۸)

خطبۂ اولیٰ: بیعت کا سلسلہ ختم ہوا، تو لوگ حضرت عثمانؓ کے قریب جمع ہوگئے، اور حضرت عثمانؓ نے حمد وصلاۃ کے بعد پہلا خطبہ دیا، خلافت کی گرانباری

اور فطری حیاداری کے باعث زیادہ نہ بول سکے، صرف یہ کہا: لوگو! سواری کا پہلا موقع سخت ہوتا ہے، آج کے بعد بہت سے مواقع آئیں گے، اگر میں زندہ رہا تو آپ سلیقہ مند خطبے سنیں گے، ہم تو خطیب نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں تعلیم دے گا۔

مقدمۂ اولیٰ: حضرت فاروقِ اعظمؓ کی شہادت کے دوسرے روز حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ نے حضرت عبیداللہ بن عمرؓ سے کہا: میں نے واقعۂ شہادت سے قبل ہرمزان، ابولؤلؤ اور جفینہ (عورت) کو ایک جگہ مشورہ کرتے دیکھا، اور وہ خنجر جس سے حضرت عمرؓ کو شہید کیا گیا، ہرمزان کے ہاتھ میں تھا، یہ لوگ مجھے دیکھ کر خاموش ہوگئے، اور ہرمزان کے ہاتھوں سے خنجر چھوٹ گیا، یہ بات سننی تھی کہ حضرت عبیداللہ بن عمرؓ کے دل میں جذبۂ انتقام بھڑک اُٹھا، اور انہوں نے ہرمزان کو قتل کر دیا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت عبیداللہ بن عمر کو پکڑ لیا، دوسرے دن مقدمہ دربارِ خلافت میں پیش ہوا، حضرت علیؓ نے قصاصاً ان کے قتل کی رائے دی، تو حضرت عمرو بن عاصؓ نے مخالفت کی، اور کہا: یہ مناسب نہیں کہ کل اس کا باپ شہید کر دیا گیا اور آج بیٹا قتل کیا جاوے، حضرت عثمانؓ نے کہا: میں عبیداللہ کا ولی ہوں، اس لیے کہ "السلطان ولي لمن لا ولي له" بادشاہ اس شخص کا ولی ہوتا ہے جس کا کوئی ولی نہ ہو، پھر حضرت عثمانؓ نے خود دیت ادا کی۔ (تاریخ ابن خلدون مترجم: ۱ / ۴۰۴)

دورِ عثمانی کی فتوحات: فریضۂ جہاد کی ادائیگی اور دائرۂ حکومتِ اسلامیہ کو

وسعت بخشنے کے لیے فتوحات کا سلسلہ جاری ہی تھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا، بڑے بڑے جزیرے اور علاقے مسلمانوں کے ہاتھ لگے، عظیم طاقتیں خاک میں ملیں، غرور کا سر نیچے ہوا، اسکندریہ، خراساں، طرابلس، کرمان، قسطنطنیہ، افریقہ، جزیرۂ قبرص وغیرہ فتح ہوئے اور اسلامی حکومت کا پرچم لہرانے لگا، اسی طرح بحری لڑائیوں کا آغاز بھی دورِ عثمانی میں ہوا، نیز جمعِ قرآن کا عظیم کارنامہ بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہی ہوا۔

(تاریخ ابن خلدون: ۱/ ۴۱۰-۴۱۴)

عہدِ خلافت عثمانی ایک نظر میں

چوں کہ عہد عثمانی میں بھی کارہائے نمایاں انجام پذیر ہوئے، مقالے کا حجم ان کی تفصیلات کا متحمل نہیں، ذیل میں اہم واقعات اور نمایاں کارنامے مختصراً سن وار پیش کیے جاتے ہیں:

۲۵ھ: اس میں اسکندریہ فتح ہوا، واقدی کی روایت ہے کہ اس سال اہلِ اسکندریہ نے عہد شکنی کی تو حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے ان پر حملہ کر کے ان سے قتال کیا۔

اسی سال حضرت عبداللہ بن ابی سرح نے افریقہ پر حملے کی اجازت طلب کی اور ان کو اجازت بھی دی گئی۔

اس سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں اپنا جانشین مقرر کر کے حج فرمایا۔ اور اسی سال امیرِ معاویہ کی زیرِ قیادت کئی قلعے فتح ہوئے۔ (تاریخ طبری مترجم: ۳/ ۳۰۵)

۲۶ھ: اس سال حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح کو مصر کا عامل اور افسر مقرر کیا اور حضرت عمرو بن العاصؓ کو فوجی افسر مقرر کیا؛ لیکن فوجی افسروں میں نااتفاقی پیدا ہوگئی اور اس کی وجہ سے حضرت عثمانؓ نے حضرت عمرو بن عاصؓ کو معزول کردیا، ان کی معزولی اہلِ مصر کو برداشت نہ ہوئی اور بغاوت پر اتر آئے، ادھر قیصرِ قسطنطین نے بحری راستے سے اسکندریہ پر حملہ کردیا، کچھ خوں ریزی کے بعد وہ اسکندریہ پر قابض ہوگیا، جب حضرت عثمانؓ نے یہ حالات دیکھے تو حضرت عمرو بن عاصؓ کو دوبارہ مصر کا گورنر مقرر کیا، حضرت عمرو بن عاصؓ نے گورنر بنتے ہی رومیوں کا مقابلہ کیا اور ایسا حملہ کیا کہ رومی اسکندریہ سے فرار ہوگئے اور مصر مکمل طور پر اسلامی حکومت میں شامل ہوگیا، جب تمام ملکی انتظامات مکمل ہوگئے، تو حضرت عثمانؓ نے دوبارہ حضرت عمرو بن عاصؓ کو معزول کرکے ان کی جگہ حضرت عبداللہ بن ابی سرحؓ کو گورنر مقرر کیا۔ (تاریخ اسلام نجیب آبادی: ۱/ ۳۸۳)

واقدی کا بیان ہے اس سال حرمِ کعبہ کی تجدید و توسیع عمل میں آئی۔ اسی سال حضرت سعد کو کوفہ کی گورنری سے معزول کیا گیا اور ان کی جگہ ولید بن عقبہ کو مقرر فرمایا۔ (تاریخِ طبری: ۳/ ۳۰۶ مترجم)

۲۷ھ: اس سال حضرت عبداللہ بن ابی سرح کے ہاتھوں افریقہ فتح ہوا، اور عبداللہ بن نافع مصر کے گورنر مقرر ہوئے۔ اسی سال شاہِ روم نے تین سو قنطار سونے پر حضرت عبداللہ بن ابی سرحؓ سے مصالحت کی۔ اس سال عثمان بن ابی

العاص نے اصطخر کو فتح کیا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قنسرین پر حملہ کیا۔
(تاریخِ طبری ۳/ ۳۱۲ مترجم)

۲۸ھ: اسی سال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بحری جنگ کی اجازت طلب کی اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس کی طرف متوجہ کیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان کو اجازت دے دی اور کل پچاس بحری حملے کیے، جن میں کچھ موسمِ سرما میں اور کچھ موسمِ گرما میں واقع ہوئے، ان حملوں میں نہ کوئی غرق ہوا اور نہ ہی کسی کو نقصان ہوا۔ اسی سال حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے قبرص پر حملہ کیا، تو وہاں کے باشندوں نے سات ہزار دینار پر صلح کر لی۔ اسی سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے نائلہ بنت الفرافضہ سے نکاح کیا اور اسی سال آپ رضی اللہ عنہ نے مدینہ میں اپنے مکان کی تعمیر سے فراغت حاصل کی۔
(تاریخ طبری: ۳/ ۳۱۷ مترجم)

۲۹ھ: اس سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو بصرہ کی گورنری سے معزول کر کے عبداللہ بن عامر کو حاکم بنایا۔ اسی سال عبداللہ بن معمر جو خراسان کے گورنر تھے ان کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے صوبۂ فارس کی گورنری سپرد کی اور خراسان پر عمیر بن عثمان بن سعد کو عامل مقرر کیا؛ لیکن کچھ عرصہ بعد ان کو معزول کر کے ابن احمر کو گورنری سپرد کی۔ اسی سال عبدالرحمٰن بن عبس کرمان کی حکومت پر مامور ہوئے؛ لیکن چند دنوں بعد عاصم بن عمرو کو کرمان کی حکومت کا والی بنایا گیا، اور سجستان کی گورنری عمران بن نفیل کو دی گئی۔
(تاریخِ اسلام نجیب آبادی ۱/ ۳۸۸۔ تاریخِ طبری ۳/ ۳۹۱)

اسی سال حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجدِ نبوی کی توسیع کی، مسجد کا طول ایک سو ساٹھ گز اور عرض ایک سو پچاس گز رکھا، اور پتھر کے ستون لگا کر دیواریں پختہ بنوائیں۔(حوالۂ بالا)

۳۰ھ: اس سال ولید بن عقبہ کو کوفہ کی گورنری سے معزول کر کے ان کی جگہ حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کو گورنری کا عہدہ سپرد کیا۔

خاتمِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگشتری جس سے آپ خطوط پر مہر لگایا کرتے تھے، وفاتِ نبوی کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھی، جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو وہ انگشتری ان کو دے دی گئی، حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد وہ انگشتری حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس رہی، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ذمہ خلافت آئی تو وہ انگشتری آپ کو دے دی گئی، ۳۰ھ میں وہ انگشتری ''بئر اریس'' میں گر گئی، اس کی تلاش میں کنویں کا مکمل پانی نکالا گیا؛ لیکن انگشتری نہ مِل پائی، آپ رضی اللہ عنہ کو اس کا سخت ملال ہوا اور اسی وقت سے حوادث وفتن کا دور شروع ہوا۔ اسی سال حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ نے طبرستان پر حملہ کیا اور طبرستان اور جرجان کو فتح کرلیا۔

جمعِ ثانی اور اشاعتِ قرآن مجید: جب اسلام کا دائرہ پھیلا اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ اسلام میں داخل ہوئے تو قراءتِ قرآن میں اختلاف ہونے لگا، اس کا علم جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہوا تو آپ نے مجلسِ مشاورت منعقد کی اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے وہ قرآنی نسخہ منگوایا جو عہدِ صدیقی میں مرتب ہوا تھا، اور اسی کے طرز پر

بہت سی نقلیں تیار کرائیں، اور ایک ایک نسخہ بڑے بڑے شہروں میں بھیجا، اور اسی کے مطابق قرآنِ کریم کی قراءت، نقل اور اشاعت کا حکم دیا، اور ان کے علاوہ بقیہ تمام نسخے منگوا لیے گئے۔ (تاریخِ اسلام نجیب آبادی ۱/ ۳۹۲)

۳۱ھ: اسی سال خراسان کے کئی شہروں میں بغاوت نمودار ہوئی، حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے فوج کشی کر کے بغاوتوں کو فرو کر دیا، بعد ازاں نیشاپور کا رخ کیا، اور وہاں بھی شر پسندوں کو ٹھکانے لگا دیا، ہرات کو فتح کیا اور بلخ و طبرستان سے بغاوت کا نام و نشان مٹا یا۔

یزدگرد کا قتل: عہدِ فاروقی میں ایران کو مسخر کر لینے کے بعد یزدگرد خاقانِ چین کے پاس سے فرغانہ چلا گیا، چھینی ہوئی حکومت کی واپسی کا خواب دیکھتا اور مسلمانوں کے مفتوحہ علاقوں میں گشت کرتا پھرتا، اور بغاوتوں کو عروج دیتا تھا، حضرت عثمانؓ کے دورِ حکومت کی اکثر بغاوتوں کے پسِ پشت اسی کا ہاتھ نظر آتا ہے۔

۳۱ھ میں یہ ترکستان کی طرف سے ایک جمعیت لے کر بلخ پہنچا، اور بعض شہروں پر اپنا سکہ جما لیا؛ لیکن اس کی بدقسمتی نے اس کو ناکام ہو کر فرار ہونے کے لیے ایک پن چکی والے کی پناہ میں جانے پر مجبور کیا، پن چکی والے نے اس کے قیمتی لباس و جواہرات کی لالچ میں آ کر نیند کی حالت میں اس کو قتل کر دیا، اور لباس و جواہرات اتار کر اس کی لاش پانی میں ڈال دی۔

(تاریخِ اسلام نجیب آبادی ۱/ ۳۹۴، خلافتِ راشدہ کا عہدِ زریں: ۱۶۵)

۳۲ھ: ۳۱ھ کے ماہِ ذی الحجہ میں جب حضرت عبداللہ بن عامرؓ حج بیت اللہ کے لیے خانۂ کعبہ کی طرف روانہ ہوئے تو ملکِ ایران کے ایک سردار قارن نے ملک کے مختلف صوبوں سے چالیس ہزار کا ایک لشکر جمع کر کے ایرانی صوبوں پر قبضہ کر لینے کا مناسب موقع پایا، قارن کی اس شرارت ودلیری کے مقابلہ میں حضرت عبداللہ بن حازمؓ نے صرف چند ہزار مسلمانوں کی جمعیت سے وہ نمایاں کردار ادا کیا کہ ایرانیوں کو سخت ترین ذلت ونامرادی کے ساتھ شکست کھانی پڑی۔ (تاریخِ اسلام نجیب آبادی: ۱/ ۳۹۵)

اسی سال حضرت عبد اللہ بن عامرؓ نے مروروز، طاتعان، فاریاب، جوزجان اور طخارستان کے علاقے فتح کیے۔ (تاریخِ طبری: ۳/ ۳۷۳ مترجم)

۳۳ھ: اس سال امیرِ معاویہؓ نے روم کے علاقہ حصن المرآۃ پر حملہ کیا۔ اسی سال اہلِ افریقہ نے عہد شکنی کی تو حضرت عبداللہ بن ابی سرح نے دوبارہ ان پر حملہ کیا۔

اس سال حضرت عبداللہ بن عامرؓ نے احنف بن قیس کو خراسان کی جانب بھیجا، اس لیے کہ اہلِ خراسان نے عہد شکنی کی تھی، انہوں نے شدید جنگ کے بعد اس کو فتح کرلیا۔ (تاریخِ طبری: ۳/ ۳۷۹ مترجم)

عبداللہ بن سبا: شہر صنعاء کا یہ باشندہ مذہباً یہودی تھا، ابن السوداء کے نام سے معروف تھا، عہدِ عثمانی میں یہ سوچ کر کہ مسلمانوں کو خوب دولت حاصل ہوتی

ہے، مال کی حرص وطمع میں ظاہراً مسلمان ہوکر مدینہ آیا، مدینہ میں آکر اس نے مسلمانوں کی اندرونی اور داخلی خامیوں کو جانچا اور اسلام کے خلاف تدابیر کرنے لگا، انہیں دنوں بصرہ میں ایک شخص حکیم بن جبلہ رہتا تھا، وہ اسلامی لشکر کے ساتھ فوج میں شرکت اختیار کرکے ذمیوں کو لوٹ لیتا اور ڈاکہ زنی اختیار کرتا تھا، جب اس کی بدچلنی کی اطلاع حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ملی تو گورنرِ بصرہ کو خط لکھا کہ اس کو شہر کے اندر نظر بند کردو اور حدودِ شہر سے باہر نہ نکلنے دو، اس حکم کی تعمیل میں وہ شہر میں محصور رہنے لگا، عبداللہ بن سبا اس کے حالات سن کر مدینہ سے روانہ ہوا، بصرہ پہنچ کر وہ اپنے آپ کو آلِ رسول ظاہر کرکے لوگوں کے دلوں میں فساد انگیز خیالات وعقائد پیدا کرنے لگا، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قتل کرنے یا معزول کرنے پر اکسانے لگا، رفتہ رفتہ اس فتنے کا حال حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ گورنرِ بصرہ کو معلوم ہوا، تو انہوں نے عبداللہ بن سبا کو بلا کر پوچھا کہ تم کون ہو؟ عبداللہ بن سبا نے کہا: مجھ کو اسلام سے دلچسپی ہے، اپنے مذہب کے یہودیوں کی کمزوری دیکھ کر اسلام کی طرف متوجہ ہوا ہوں، یہ سب باتیں سن کر حضرت عبداللہ بن عامر نے کہا: تم کوئی فتنہ پرور اور سازشی معلوم ہوتے ہو، اور مسلمانوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے ہو، حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی باتیں پتے کی نکلی، اس لیے عبداللہ بن سبا نے بصرہ میں قیام مناسب نہیں سمجھا اور کوفہ کی راہ اختیار کی۔

کوفہ آکر اس کو اپنی شرارتوں کو کامیاب بنانے کا اچھا موقع ہاتھ لگا، کوفہ

میں اس کے مفسد خیالات کا چرچا ہونے لگا تو حضرت سعید بن عاص رضی اللہ عنہ گورنرِ کوفہ نے اس کو ڈانٹ پلائی اور اس کو مشتبہ آدمی خیال کیا، چناں چہ وہ کوفہ سے نکل کر شام کی طرف روانہ ہوا؛ لیکن شام میں اس کی دال نہ گلی اور جلد ہی اسے شہر بدر ہونا پڑا۔ شام سے نکل کر ابن سبا نے مصر کو اپنی سازشوں کا مرکز بنانا چاہا، اس وقت مصر کے گورنر حضرت عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ تھے، اہلِ مصر ان کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے، ان ہی حالات کی وجہ سے عبداللہ بن سبا کو پانے کام میں کامیاب ہونے کی توقع ہوئی، اور بڑے زور وشور سے کام شروع کر دیا۔

مصر میں سبائی مرکزی جماعت کی تنظیم کی گئی اور لوگوں کی پشت پناہی نے ابن سبا کو اپنی چالوں میں مضبوط کرلیا۔

<u>عمال کی مجلسِ مشاورت</u>: جب ان شورش پسندوں کی سازشوں اور ان کے مفسدے کا علم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہوا تو آپ نے تمام صوبوں کے امرا کی مجلسِ شوریٰ منعقد کی۔ سب نے اپنی اپنی رائے پیش کی، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: مختلف صوبوں میں وفود بھیجے جائیں جو حالات کی تحقیق کریں اور وہاں کے لوگوں کی غلط فہمیاں زائل کریں، چناں چہ حضرت محمد بن مسلمہ کو کوفہ، حضرت اسامہ بن زید کو بصرہ، حضرت عبداللہ بن عامر کو شام، اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم کو مصر بھیجا گیا، اور ساتھ ہی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ بتایا کہ اگر کسی عامل کو کوئی شکایت ہو تو ایامِ حج میں آکر ملے، میں اس کا تدارک کروں گا۔ وفود روانہ ہوئے، چند مہینوں بعد

وفود نے اطلاع دی کہ صوبوں میں کوئی بدامنی نہیں؛ صرف سبائی گروہ بدامنی کا خواہاں ہے؛ مگر حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ مصر سے واپس نہ لوٹے، ان کو سبائیوں نے اپنا ہم نوا بنالیا۔

تحقیقاتی وفود کے واپس لوٹنے کے بعد ابنِ سبا نے اپنے ہم نواؤں کی مجلس بلوائی، اور کچھ سرکردہ حضرات کو مدینہ کی جانب روانہ کرنے کا مشورہ طے پایا، اس کا بڑا مقصد یہ تھا کہ مدینہ کے حالات کا جائزہ لے کر کبارِ صحابہ کو بلوائی جماعت میں شامل کیا جائیں، اور ظاہر یہ کیا جائے کہ امیر المؤمنین کے اعلان کے مطابق ہم اپنے شبہات کے ازالہ کے لیے آئے ہیں۔

چناں چہ یہ قافلے مدینہ کی جانب چل پڑے، اور مدینہ کے قریب فروکش ہوگئے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کی آمد کی اطلاع ملی تو ان کے مقصد کو معلوم کرنے کے لیے جاسوسوں کو روانہ کیا، تو سبائیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لوگوں کو اپنا مشیر خیال کر کے اپنا اصل مدّعا بیان کر دیا کہ ہم خلیفہ کی معزولی یا قتل کے عزائم لے کر آئے ہیں، جب جاسوسوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان کے عزائم سے مطلع کیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے صحابہ کو جمع کر کے ان کے بارے میں مشورہ کیا، تو سبھی کی رائے ان کو قتل کر کے فتنے کی سرکوبی کرنے کی ہی رہی؛ مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسکرا کر ان کی بات ٹال دی اور فرمایا: یہ سبائی میری طرف سے غلط فہمی کا شکار ہیں، اس لیے میں ان کی غلط فہمی کو دور کرنے کی کوشش کروں گا، اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے مفسدین کو بلا کر صحابہ رضی اللہ عنہم اور ان

کے سامنے ایک مفصل تقریر کی، اوران کے اعتراضات والزامات کے کافی شافی جواب دیے۔

مفسدین کا گروہ اس وقت تو مطمئن ہوگیا؛ مگر جن کی نیت میں ہی کھوٹ ہوان کو دلائل سے کیا سروکار؟ بعدازاں فتنہ پروروں کا گروہ اپنے مقام پر الٹے پاؤں لوٹ گیا، اور وہاں جاکر یہ غلط بات مشہور کردی کہ ہم نے خلیفہ سے اپنی شکایت بیان کی تو انہوں نے ہماری بات کو ٹھکرادیا۔

مدینہ میں شورش کا آغاز

اب عبداللہ بن سبا اپنے مشیروں کو لے کر ظاہراً حج کے ارادے سے مدینہ روانہ ہوا، اور تجویز یہ تھی کہ زمانۂ حج سے قبل ہی خلیفہ کو معزول کردیا جائے یا شہید کر دیا جائے، چناں چہ اس کا قافلہ مدینہ آکر فروکش ہوا، اور اہلِ مصر کو حضرت علیؓ کے پاس بھیج کر یہ درخواست کی کہ آپؓ مسندِ خلافت پر متمکن ہو؛ مگر حضرت علیؓ نے سختی سے انکار کردیا، اسی طرح اہلِ بصرہ کو حضرت طلحہؓ اور اہلِ کوفہ کو حضرت زبیرؓ کے پاس بھیجا اور یہی درخواست کی، ان دو حضرات نے بھی انکار کر کے ان کو ناکام ونامراد لوٹا دیا۔

جب مدینہ میں سبائیوں کی دال نہیں گلی تو یہ کہہ کر مدینہ سے نکلے کہ ہم اپنے مقام پر جارہے ہیں، اہلِ مدینہ خوشی سے جھوم اٹھے کہ مصیبت ٹل گئی اور تمام لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہوگئے کہ چلو معاملہ نمٹ گیا۔

چند دن گذرے تھے کہ مدینہ کی گلیوں میں نعرے گونجنے لگے، باشندگانِ مدینہ حیران رہ گئے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ صحابہؓ گلی کوچوں میں آ گئے، تو دیکھا کہ سبائیوں نے کہرام مچا رکھا ہے، حضرت علیؓ آگے بڑھے اور فرمایا: تم تو اپنے مقام پر لوٹ جانے کا عہد کر چکے تھے، پھر مدینہ میں کیوں آئے؟ تو اہلِ مصر نے کہا: ہم نے راستے میں ایک شتر سوار سے ملاقات کی، جو مصر کی جانب جا رہا تھا، اس کے پاس ایک خط تھا، جس میں عبداللہ بن ابی سرح گورنرِ مصر کے نام یہ حکم بھیجا تھا کہ مصر میں پہنچتے ہی ہم لوگوں کو قتل کر دیا جائے اور خط پر مہرِ عثمانی لگی تھی؛ اس لیے ہم انتقام لینے آئے ہیں۔ اہلِ کوفہ و بصرہ کہنے لگے: ہم اپنے ساتھیوں کی مدد کو آئے ہیں۔ مدینہ کے پُرامن ماحول میں ہنگامہ برپا ہو گیا، جان و مال کے لالے پڑ گئے، صحابہ کی اکثریت تو حج کے لیے گئی ہوئی تھیں، جب معاملہ طول پکڑتا گیا اور قابو سے باہر ہو گیا تو صحابہؓ اپنے گھروں میں جا بیٹھے۔

حضرت عثمانؓ ان حالات کے باوجود ہمت و جرأت سے نمازوں کے لیے مسجد آتے جاتے رہتے تھے، جمعہ کا دن آیا، آپؓ خطبہ دینے کے لیے منبر پر تشریف لے گئے، تو ابن سبا کا پروردہ جہجاہ نامی بدتمیز آگے بڑھا اور آپؓ کا ہاتھ پکڑ کر منبر سے اتار دیا، اور آپؓ کے عصا کو گھٹنوں سے توڑ دیا، (اللہ نے بھی اس ظالم کو بری سزا میں مبتلا کر کے اس کا مزہ چکھا دیا)، اس کے بعد ایک اور ظالم آگے بڑھا، اور اس نے حضرت عثمانؓ کو زخمی کر دیا اور آپؓ بیہوش ہو گئے، اس واقعہ

کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد آنا چھوڑ دیا۔

کاشانۂ خلافت کا محاصرہ

سبائیوں نے کاشانۂ خلافت کا محاصرہ کرلیا، اور برابر چالیس دن محاصرہ رہا، دورانِ محاصرہ آپ رضی اللہ عنہ نے بالاخانہ سے دردانگیز تقریریں کیں؛ مگر پتھر پر پانی ڈالنے کے مانند آپ کی تقریروں کا ان سنگ دلوں پر کچھ اثر نہ ہوا۔ شہادت سے چند دن پہلے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو محافظ جاں نثاروں نے کہا: صبر کی انتہا ہوگئی، اب تلوار نکالنے کی ضرورت ہے، آپ رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئیاں یاد آگئیں اور فرمایا: تم میں سے ہر شخص اپنے ہاتھوں کو روکے رکھے، میں کسی طرح مسلمانوں کا خون بہانا پسند نہیں کرتا۔

شبِ جمعہ کو آپ رضی اللہ عنہ نے خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ شیخین کی زیارت کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: اے عثمان! جلدی کرو! ہم افطار کے لیے آپ کے منتظر ہیں۔

شہادت

آج پھر مئے کدہ سے ایک بادہ خوار اُٹھا

۱۸ / ذی الحجہ ۳۵ ہ بروزِ جمعہ مشرق کے دریچے سے آفتابِ عالم تاب طلوع ہوا، شب کی تاریکی پھٹی، عالمِ اسلام نور سے جگمگا اٹھا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روزے سے تھے غسل کیا، تہبند کے بہ جائے ازار پہنا، غلاموں کو آزاد کیا اور پھر

تلاوتِ قرآن میں مصروف ہو گئے۔ آفتاب بلند ہوتا گیا، ساعتیں کٹتی رہیں، آفتاب مائل بہ زوال تھا کہ کاشانۂ خلافت کی پچھلی دیوار پھاند کر چند شر پسند عناصر قتل کے ناپاک ارادے سے گھر میں گھس گئے۔

<u>زمین سہمی پڑی تھی آسماں ساکت تھا بے چارہ:</u> زمین جگر تھام کر تک رہی تھی، آفتاب کا رنگ متغیر ہو گیا، آسمان کی ٹکٹکی بندھ گئی، کہ کوئی عظیم سانحہ درپیش ہے، محمد بن ابوبکر نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ریش پکڑ لی، اور بدکلامی کی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بھتیجے! اگر تمہارے والد زندہ ہوتے تو اس کو ہرگز پسند نہ کرتے، یہ جملہ سن کر ان کے دل پر بڑا اثر ہوا اور پیچھے ہٹ گئے، اس کے بعد غافقی آگے بڑھا اور اس نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی پیشانی میں خنجر پیوست کر دیا، خون کا فوارہ اڑنے لگا، اس کے چھینٹے کھلے ہوئے مصحف پر پڑے، آپ رضی اللہ عنہ کی بیوی نے ان کو روکنا چاہا، نتیجے میں ان کی انگلیاں بھی ہاتھ سے جدا ہو گئیں، عمرو بن حمق آپ رضی اللہ عنہ کے سینہ پر بیٹھ گیا اور نو وار کیے، جو ریش کبھی خوفِ خدا کے باعث اشکوں سے تر ہو جایا کرتی تھی، خون آلود ہو گئی، زبان پر "بسم اللہ توکلت علی اللہ" جاری ہو گیا، اور تلاوتِ قرآن کی حالت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی جان قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ إنا للہ وإنا إلیہ راجعون۔

راہِ خدا کا مردِ مجاہد چلا گیا		عزم وجلال میں تھا جو خالد چلا گیا
روتی ہے سجدہ گاہ کہ عابد چلا گیا		دنیا سے رخ کو پھیر کر زاہد چلا گیا

تجہیز و تکفین

شہادت کے بعد چند حضرات: جبیر بن مطعم، حکیم بن حزام، ابوجہم بن حذیفہ، نیار بن مکرم الاسلمی رضی اللہ عنہم نے آپ کا جنازہ اٹھایا، اور بقیع کی طرف لے گئے، حضرت جبیر بن مطعمؓ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اور حشِ کوکب نامی نخلستان کے پہلو میں سپردِ خاک کیا گیا۔ (عثمان ذوالنورین:۲۵۹)

ازواج واولاد

ازواج:

① حضرت رقیہ ②حضرت امِ کلثومؓ ③فاختہ بنت غزوان ④ام عمرو بنت جندب ⑤فاطمہ بنت ولید ⑥ام بنین بنت عیینہ ⑦رملہ بنت شیبہ ⑧ نائلہ بنت فرافضہ۔

اولاد:

حضرت رقیہ سے عبداللہ۔ فاختہ بنت غزوان سے عبداللہ اصغر۔ام عمرو بنت جندب سے عمرو، خالد، ابان، عمر اور مریم۔ فاطمہ بنت ولید سے ولید، سعید اور امِ سعید۔ام بنین بنت عیینہ سے عبدالملک۔ رملہ بنت شیبہ سے عائشہ، ام ابان اور ام عمرو۔ نائلہ بنت فرافضہ سے مریم پیدا ہوئیں۔ (طبقات ابن سعد: ۴ / ۵۳۔ ۵۴)

بابِ دوم

فضائل ومناقب، خصوصیات وکمالات

فضائل ومناقب: حضرت عثمانؓ کے فضائل ومناقب بکثرت کتبِ حدیث میں وارد ہیں:

شہادت کی پیشین گوئی

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ وزبیر رضی اللہ عنہم کے ساتھ حرا پہاڑ پر تھے، پس چٹان ہلی، تو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تھم جا! تجھ پر نبی، صدیق، اور شہید ہی ہیں۔ (ترمذی، حدیث: ۳۷۲۲)

جنت میں رفاقت

حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے لیے جنت میں کوئی ساتھی ہوتا ہے اور میرے ساتھی جنت میں عثمان بن عفان ہے۔ (ترمذی، حدیث: ۳۷۲۷)

زمانۂ پُرفتن میں حق پر ہونا

ابو الاشعث الصنعانی فرماتے ہیں کہ: (شہادتِ عثمان کے بعد) ملکِ شام میں چند مقررین کھڑے ہوئے، ان میں ایک صحابیؓ اخیر میں کھڑے ہوئے، جن کا نام مرہ بن کعب تھا، انہوں نے کہا: اگر ایک حدیث میں نے نبیٔ کریم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نہ سنی ہوتی تو میں تقریر کے لیے کھڑا نہ ہوتا، (وہ حدیث یہ ہے) ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتنوں کا ذکر کیا، پس مجھ کو (یعنی مرہ بن کعب کو) نزدیک کیا، اور فرمایا: یہ فتنے بہت جلد آ رہے ہیں۔ پس ایک شخص کپڑا اوڑھے ہوئے وہاں سے گذرا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص اس دن حق پر ہوگا، میں اس شخص کی طرف لپکا تو وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے، میں نے ان کے چہرے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پھیرا، اور پوچھا: یہ شخص؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں۔ (ترمذی، ح: ۳۷۳۳)

مظلوم شہید ہونے کی بشارت

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک فتنہ کا تذکرہ فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حق میں فرمایا: یہ اس فتنہ میں مظلوم قتل کیا جائے گا۔ (ترمذی، حدیث: ۳۷۳۶)

جس کو عثمان رضی اللہ عنہ سے بغض ہے وہ اللہ کے نزدیک مبغوض ہے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک شخص کا جنازہ لایا گیا؛ تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کی نماز پڑھائے؛ مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا جنازہ نہیں پڑھایا، پس عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! ہم نے نہیں دیکھا کہ اس سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی کی نمازِ جنازہ چھوڑی ہو! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ شخص عثمان سے بغض رکھتا تھا، اس لیے اللہ کو اس سے شدید نفرت ہے۔

(ترمذی، حدیث: ۳۷۳۷)

خصائلِ عثمان رضی اللہ عنہ

حیا ایک ایسی صفت ہے جس کسی کو مل جائے تو اس کے تمام کام درست ہو جائے مشہور ہے: ”إذا لم تستحی فاصنع ما شئت“: جب شرم وحیا نہ ہو تو جو چاہے کر۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انتہائی شرمیلے تھے۔ حضرت حسن بصریؒ نے ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حیا کا ذکر کیا اور فرمایا: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گھر میں ہوتے اور دروازہ بند ہوتا تو بھی وہ نہانے کے لیے اپنے کپڑے نہ اتارتے اور مارے شرم کے کمر کو سیدھا نہ کرتے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی باندی بُنانہ فرماتی ہیں: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہاتے اور میں ان کے کپڑے لے کے آتی تو وہ مجھ سے فرماتے: میری طرف مت دیکھنا، اس لیے کہ وہ تمہارے لیے حلال نہیں۔ (تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان: ۱۰۸)

یہی ہے پیکرِ حیا جن سے فرشتے بھی حیا کرتے تھے

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مرتبہ اپنے گھر میں لیٹے ہوئے تھے، اور آپ کی پنڈلی کھلی ہوئی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اندر آنے کی اجازت چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ داخل ہوئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی حالت پر رہے اور ان سے گفتگو کی، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت طلب کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اجازت دے دی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے تو بھی آپ اسی حالت پر رہے اور ان سے گفتگو کی۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اجازت

چاہی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ گئے اور اپنے کپڑے سمیٹ لیے، اور ان سے گفتگو کی، جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ چلے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ آئے، تو آپ نے ان کے آنے کا کوئی خاص اہتمام نہیں کیا، عمر رضی اللہ عنہ آئے تو بھی آپ نے ان کے آنے کا خاص اہتمام نہیں کیا؛ لیکن عثمان رضی اللہ عنہ آئے تو آپ بیٹھ گئے اور کپڑے ٹھیک کر لیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اس شخص سے کیوں نہ حیا کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔ (مسلم شریف، باب فضائل عثمان بن عفان ۲/ ۲۷۷)

غنی کا لقب تھا جو سخاوت میں مثالی تھے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یؤثرون علیٰ أنفسهم ولو كان بهم خصاصة (الحشر:۸) ترجمہ: ان کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں، چاہے ان پر تنگدستی کی حالت گذر رہی ہو۔ (آسان ترجمۂ قرآن: ۱۱۶۴) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ انتہائی سخی اور راہِ خدا میں بڑے خرچ کرنے والے تھے، آپ رضی اللہ عنہ جب سے اسلام لائے، ہر جمعہ کو راہِ خدا میں ایک غلام آزاد کرتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلاموں کی تعداد تقریباً دو ہزار چار سو ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا مال خدمتِ دین کے لیے خاص کر دیا تھا، حکومتِ اسلامیہ کی تاسیس میں، جہاد میں اور رضائے الٰہی میں خرچ کرنے میں آپ رضی اللہ عنہ نے کبھی بخل نہیں برتا۔ (تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان: ۱۰۹)

اسلام جب قرار پکڑتا گیا تو اہلِ اسلام بھی بڑھتے گئے، اس وجہ سے مسجدِ

نبوی کی توسیع کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا اور توسیع کے لیے زمین خرید نے والے کو جنت کی بشارت دی، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پچیس ہزار درہم میں زمین خرید کر مسجد کے لیے وقف کر دی۔ (سو بڑے زاہدین اور ان کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۱۰۳)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ آئے دن لوگوں کو کھانے پر مدعو کرتے تھے اور ان کو اعلیٰ درجہ کا کھانا کھلاتے اور خود سرکہ یا زیتون کا تیل تناول فرماتے۔ (عثمان ذوالنورین: ۲۷۶)

تواضع

ع جو عالی ظرف ہوتے ہیں وہ ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الأرض ھونا وإذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما (الفرقان: ۶۳)

آپ رضی اللہ عنہ کی تواضع کے متعلق حضرت عبد اللہ رومی فرماتے ہیں کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب تہجد کی نماز کے لیے اٹھتے تو وضو کا پانی خود لیتے، کسی نے کہا: آپ کسی خادم کو کیوں نہیں جگاتے؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں، رات ان کے آرام کا وقت ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی تواضع کا یہ حال تھا کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ جب آپ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گذرتے اور آپ رضی اللہ عنہ سوار ہوتے تو تواضعاً اور احتراماً سواری سے اتر جاتے۔ (تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان: ۱۰۸)

عبادت

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ عبادت میں سخت مشقت برداشت کرتے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے

حجرِ اسود کے پاس ایک رکعت میں پورا قرآن ختم کیا۔

حضرت عبداللہ ابن عمرؓ فرماتے تھے کہ آیتِ کریمہ: أمَّنْ هو قانت اٰناء الليل ساجدا وقائما يحذر الاٰخرة ويرجوا رحمة ربه (الزمر:۹) کے **مصداق** حضرت عثمان بن عفانؓ ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے تھے کہ آیتِ کریمہ: هل يستوي هو ومن يأمر بالعدل وهو علىٰ صراط مستقيم (النحل: ۷۶) کے **مصداق** حضرت عثمانؓ ہیں۔

حضرت عثمانؓ جمعرات کی رات کو قرآنِ کریم کی ابتدا کرتے اور جمعہ کی رات ہی اس کو ختم کردیتے تھے۔

آپؓ دن کو روزہ رکھتے اور رات کو نماز پڑھتے تھے۔

(تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان: ۱۱۴)

حضرت عثماں کا ذوقِ عبادت دیکھیے		ختمِ قرآں دیکھئے اور ایک رکعت دیکھیے

نہ دانہ ہے نہ پانی، صبر وتقویٰ پر بسیرا ہے

حضرت عثمانؓ کے صبر کی سب سے بڑی دلیل ان کا فتنوں میں ثابت قدم رہنا ہے۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ: حضرت عثمانؓ خون خرابے سے روکتے تھے، اپنی بے عزتی کرنے والے اور اپنے قتل کی کوشش کرنے والوں کے مقابلہ میں صبر کرتے تھے، باغیوں نے جب ان کا محاصرہ کرلیا، اور ان کے قتل کی کوشش کرنے

لگے، اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے ارادے کا پتہ چلا، تو مسلمان مدد کے لیے آپ رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور آپ کو مکہ چلے جانے کا مشورہ دیا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو حرم میں کفر والحاد کرے، کسی نے کہا: تو پھر آپ شام چلے جائیے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں اپنی جائے ہجرت چھوڑنا نہیں چاہتا، کسی نے کہا: پھر تو آپ لوگوں سے قتال کیجئے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا: میں ایسا شخص نہیں جو امتِ محمدیہ میں تلوار کے ذریعہ پھوٹ ڈالوں۔ چناں چہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ صبر کے ساتھ ثابت قدم رہے، یہاں تک کہ ان کو شہید کر دیا گیا۔ (تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان: ۱۱۲)

کمالاتِ عثمانی

نوشت وخواند: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو اسلام سے پہلے ہی نوشت وخواند میں مہارت رکھتے تھے۔

کتابتِ وحی: ان کی تحریری مہارت کی بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کتابتِ وحی پر مامور کیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک دفعہ رات کے وقت وحی نازل ہوئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ موجود تھے، رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو لکھنے کا حکم دیا تو اسی وقت تعمیلِ ارشاد کی۔ (کنز العمال ۶/ ۳۷۷)

خطابت: جب پہلے پہل منبر پر تشریف لائے تو زبان نے یاری نہ کی، اور صرف یہ کہہ کر اتر آئے کہ ''ابو بکر وعمر پہلے سے اس کے لیے تیار ہو کر آتے تھے،

میں بھی آئندہ تیار ہوکر آؤں گا، لیکن تم کو خطیب امام کے مقابلہ میں کام کرنے والے امام کی زیادہ ضرورت ہے، آپؓ کی تقریر فصیح وبلیغ اور موثر ہوتی تھی۔

(خلفائے راشدین:۲۴۶)

قرآنِ کریم: حضرت عثمانؓ قرآنِ کریم کی تلاوت سے خاص شغف رکھتے تھے، قرآن کریم کے حافظ ہونے کے ساتھ، شانِ نزول، آیاتِ قرآنی سے استدلال، اور تفریعِ مسائل میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ قرآنِ کریم کو نومسلم قوموں کی تحریف سے بچانا آپؓ کا کارنامۂ عظیم ہے۔

حضرت عثمانؓ جب دشمنوں کے ساتھ لڑائی میں مشغول ہوتے تب بھی قرآن کی تلاوت میں مصروف رہتے۔ (خلفائے راشدین:۲۴۷)

ایک مرتبہ خود اپنے متعلق فرمایا: خدا نہ کرے مجھ پر کوئی دن ایسا گذرے جس میں، میں نے قرآنِ کریم کی تلاوت نہ کی ہو۔ (عثمان ذوالنورین:۲۹۰)

حدیث: حضرت عثمانؓ کو حدیث سے بھی بڑا شغف تھا، سلسلۂ احادیث میں دوسرے صحابہؓ کی بہ نسبت آپ کی مرفوع روایات بہت کم ہیں، ان کی تعداد ایک سو چھیالیس ہے۔

قلتِ روایات کی وجہ: لیکن چوں کہ آپؓ روایتِ احادیث میں حد درجہ محتاط تھے، ازراہِ ورع وتقویٰ روایات بہت کم بیان فرماتے تھے۔

(عثمان ذوالنورین:۲۹۱، خلفائے راشدین:۲۴۸)

فقہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فقہ میں بڑا درک حاصل تھا؛ اسی لیے شیخین کے عہدِ خلافت میں مجلسِ افتا کے رکن رکین تھے۔ خصوصاً علم الفرائض اور علم المناسک میں ان کا پایہ بلند تھا، ابن شہاب زہری فرماتے ہیں کہ: حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے بعد اب ان جیسا علم فرائض کا جاننے والا کوئی نہ رہا۔ (عثمان ذوالنورین:۲۹۱)

ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مکہ میں گئے، اور اپنی چادر خانۂ کعبہ کے قریب کھڑے شخص پر ڈال دی، اتفاقاً اس پر کبوتر آ بیٹھا، تو انہوں نے اس خیال سے کہ کبوتر اپنی بیٹ سے اس کو گندا نہ کردے، اس کو اُڑا دیا، تو وہ ایسی جگہ جا کر بیٹھا جہاں سانپ کے کاٹنے کی وجہ سے وہ مر گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے جب مسئلہ پیش ہوا تو کفارہ کا حکم دیا؛ کیوں کہ وہی کبوتر کو مقامِ محفوظ سے غیر محفوظ میں پہنچانے کے باعث بنے تھے۔ (خلفائے راشدین:۲۴۸)

ذاتی حالات

مسکن: جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو کچھ عرصہ حضرت اوس بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے گھر پر قیام کیا، اس کے بعد عہدِ خلافت میں مسجدِ نبوی کے قریب ایک گھر تعمیر کروایا، جو عظمت وشان میں مدینہ کے تمام گھروں پر فوقیت رکھتا تھا۔

غذا: عموماً ہلکی، نرم اور زود ہضم غذا تناول فرماتے تھے، دسترخوان پر عموماً اعزا واقارب کا مجمع رہتا تھا۔

صفائی: مزاج میں نفاست وطہارت تھی، جب سے اسلام قبول کیا روزانہ غسل کیا کرتے، ہمیشہ اچھا لباس زیبِ تن فرماتے، اور خوشبو کا استعمال کرتے۔

(خلفائے راشدین: ۲۵۸-۲۵۹)

لباس: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وأما بنعمة ربک فحدث (الضحیٰ: ۱۱)
حضرت عثمانؓ اسی آیت کے پیشِ نظر عمدہ لباس استعمال کرتے تھے۔

طبقات ابن سعد میں حضرت عثمانؓ کے لباس کا تذکرہ کرتے ہوئے مذکور ہے کہ: حکم بن صلت اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمان بن عفانؓ کو دیکھا کہ آپ خطبہ دے رہے ہیں اور آپ کے جسم پر چوکور چادر تھی، جو مہندی سے رنگی ہوئی تھی۔

ابو عامر سُلیم سے مروی ہے کہ میں نے حضرت عثمانؓ کے جسم پر سو درہم قیمت کی یمانی چادر دیکھی۔

موسیٰ بن طلحہ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عثمانؓ کے بدن پر دو لال رنگ کے کپڑے دیکھے۔ (طبقات ابن سعد ۳/۳۹)

اخلاق وعادات

خوفِ خدا

ع لرزتے جو خدا کے سامنے ہر آن، عثمان ہے

خوفِ خدا تمام محاسن کا سرچشمہ ہے، جو دل خدا کی ہیبت وجلال سے

لرزاں نہیں، اس سے کسی نیکی کی امید نہیں ہوسکتی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اکثر خوفِ خدا سے آبدیدہ رہتے، موت وقبر کا خیال ہمیشہ دامن گیر رہتا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے غلام ہانی فرماتے ہیں کہ: آپ رضی اللہ عنہ جب کسی قبر پر کھڑے ہوتے تو اس قدر روتے کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تربتر ہوجاتی، آپ سے کسی نے پوچھا: آپ کے سامنے جنت وجہنم کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو اتنا نہیں روتے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ قبر آخرت کی منزلوں میں پہلی منزل ہے، اگر اس سے نجات مل گئی تو مابعد کا معاملہ آسان ہے اور اگر اس سے نجات نہیں ملی تو مابعد کا معاملہ دشوارترین ہوگا۔ خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: اگر میں جنت اور جہنم کے درمیان کھڑا ہوں تو مجھے معلوم نہیں ہوگا کہ میں ان میں سے کس میں داخل کیا جاؤں گا، اور میں کرتا ہوں کہ میں ان دونوں میں کسی میں داخل کیے جانے سے قبل ریت کا ذرہ بن جاؤں۔ (تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان بن عفان: ۱۱۴)

یادِ حق میں رات دن انور رہے مصروف جو
وہ مجسم اتقا بے شک ہیں عثمان غنی!

حبِ رسول

ع غنی کے عشق کو سرمایۂ عشقِ نبی کہیے

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات سے اتنی محبت اور شیفتگی تھی کہ اپنے محبوب آقا کی فقیرانہ اور زاہدانہ زندگی دیکھ کر بے قرار رہتے تھے اور جب موقع ملتا

تو آپ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے۔ایک دفعہ چار دن آلِ رسول نے فقر وفاقہ سے بسر کیے، حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور اسی وقت بہت سا سامانِ خورد ونوش اور تین سو دراہم لاکر بطورِ نذر پیش کیے۔(خلفائے راشدین:۲۵۲)

تقویٰ وطہارت

زہد وتقویٰ طرّۂ دستارِ عثمان غنی		دائمی لطف وعطا کردارِ عثمانِ غنی

تقویٰ وطہارت آپ کا جوہرِ ذاتی تھا، فواحش ومنکرات دور کی بات: مکروہات سے بھی طبعاً محترز تھے۔سلیمان بن موسیٰ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عثمانؓ چند لوگوں کے ہاں مدعو تھے؛ لیکن یہ مجمع ایک ناپسندیدہ مشغلہ میں مبتلا تھا، حضرت عثمانؓ جب وہاں پہنچے تو یہ سب لوگ منتشر ہو چکے تھے، جب حضرت عثمانؓ کو اس بات کا علم ہوا تو آپ نے خدا کا شکر ادا کیا، اور بطورِ شکرانہ غلام آزاد کیا۔(عثمان ذوالنورین:۲۸۷)

غرض حضرت عثمانؓ کی ذات محاسن وکمالات کا مجسمہ تھی۔

خلاصۂ کلام

حضرت عثمانؓ اپنے اخلاقِ کریمانہ، عاداتِ شریفانہ اور بے مثال کمالات کی وجہ سے لوگوں میں نمایاں مقام رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ ہم کو صحابہ کا متبع اور پیروکار بنائے اور صحابہؓ کی صفات اپنے اندر پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

مراجع ومصادر:

① طبقات ابن سعد ② عثمان ذو النورین ③ حضرت عثمان محافظ امت ④ اصحاب رسول اور ان کے کارنامے ⑤ خلفائے راشدین ⑥ سیرت احمد مجتبیٰ ⑦ تاریخ طبری ⑧ تاریخ اسلام ⑨ خلافت راشدہ کا عہد زریں ⑩ تیسیر الکریم المنان فی سیرۃ عثمان ⑪ تحفۃ الالمعی

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ

از قلم : قاسم مالیگانوی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئندہ کل میں ایسے شخص کے ہاتھ میں پرچم دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے، اور اللہ و رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں۔

یہ جملہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ رسالت سے غزوۂ خیبر کے موقع پر ایسی شخصیت کے متعلق جاری ہوا جسے ابوالحسن، شیرِ خدا، خلیفۂ چہارم، دامادِ رسول، ابن عم النبی حضرت علی ابن ابی طالبؓ کے نام سے جانا جاتا ہے، جن کی پوری تربیت خود نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی نگرانی میں فرمائی تھی، جس کے بعد حضرت علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن سے تا دمِ آخر علاحدہ نہ ہوئے۔

نام و لقب اور والدین

آپ کا نام علی، کنیت ابوالحسن و ابوتراب، اور لقب حیدر کرار ہے۔

والد کا نام ابوطالب ہے، جو بدقسمتی سے دل کی اندھیری دنیا کو شمع ایمان کے نور سے منور نہ کر سکے، اور ''إنک لا تهدي من أحببت'' کا ایک جیتا جاگتا نمونہ چھوڑ گئے۔

والدہ کا نام فاطمہ بنتِ اسد ہے جو ایمان بھی لائیں اور ہجرت سے سرفراز بھی ہوئیں۔

حضرت علیؓ کا پورا نسب علی ابن ابی طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قُصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لُوی ہے۔

حضرت علیؓ کے والد ابو طالب مکہ کے ذی اثر اور بڑے لوگوں میں سے تھے، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عبد المطلب کے بعد ان ہی کی آغوشِ شفقت میں پرورش پائی تھی، اور ان ہی کی زیرِ حمایت مکہ کے کفرستان میں کلمۂ حق کا اعلان کیا تھا، جس کے نتیجہ میں بے شمار تکالیف کا سامنا کرنا پڑا، مگر اس کے باوجود زندگی کے آخری لمحے تک پیارے بھتیجے کی حمایت ونصرت کرتے رہے؛ لیکن افسوس شفیعِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہزار چاہنے کے باوجود دولتِ ایمان سے محروم رہے۔

حضرت علیؓ کی والدہ محترمہ حضرت فاطمہ بنت اسدؓ ابو طالب کی چچا زاد بہن ہیں، گویا حضرت علیؓ والد اور والدہ دونوں کی طرف سے ہاشمی ہیں۔

حضرت فاطمہ بنتِ اسدؓ اپنے معصوم بھتیجے محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بڑا خیال رکھتی تھیں، حتی کہ آپ کو ماں کی کمی محسوس نہ ہونے دی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ان کا بڑا اکرام کیا کرتے تھے، جب ان کی وفات ہوئی تو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے اپنا کرتا (کفن کے طور پر) پہنایا، قبر میں جا کر پہلے خود لیٹے پھر ان کو دفن کیا، یہ سب ان کی خدمات اور شفقت کا اعتراف اور ان کی عزت وتعظیم کا اظہار تھا۔ (سیر اعلام النبلاء للذہبی: ۲ / ۸۷ بحوالہ المرتضیٰ: ۳۹)

حلیۂ مبارک

آپؓ نہایت گندم گوں، بڑی بڑی سرخی مائل سیاہ آنکھیں، پیٹ بڑا، اگلا حصہ بالوں سے عاری، قد تقریباً چھوٹا، داڑھی گھنی اور پھیلی ہوئی جس نے سینے

اور دونوں کندھوں کو چھپا رکھا تھا، سینے اور کندھوں پر بہت بال تھے، خوبرو، نوعمر اور آہستگی کے ساتھ زمین پر چلنے والے تھے۔ (تاریخ ابن کثیر ۷/ ۴۲۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی پیدائش و پرورش اور قبولِ اسلام

آپ رضی اللہ عنہ بعثتِ نبوی سے دس سال قبل پیدا ہوئے، اس وقت رسول عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف تقریباً تیس سال تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے والدِ محترم خواجہ ابوطالب عیال دار تھے؛ مگر مالدار و دولت مند نہ تھے، جس سے معاشی پریشانی لاحق ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ مکہ میں قحط پڑا، ابوطالب بڑے پریشان ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چچا کی پریشانی دیکھی اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آیئے! مصیبت کے وقت چچا کا ساتھ دیں، چناں چہ حضرت عباس نے حضرت جعفر کی کفالت اپنے ذمہ لی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منتخب کیا، اس طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش و تربیت میں آ گئے، اور پھر کبھی جدا نہ ہوئے۔

جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خلعتِ نبوت عطا کیا گیا اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر شریف تقریباً دس سال تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر میں رہتے تھے، ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک مخصوص طریقے سے عبادت کرتے (نماز پڑھتے) دیکھا تو اس کے بارے میں پوچھ لیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے توحید و رسالت کی دعوت دی، سلامتِ طبع کے جوہر سے فطرتاً آراستہ تھے، پھر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش و تربیت سے اس میں چار

چاند لگ چکے تھے، توفیقِ الٰہی شامل ہوئی، اور تھوڑے سے غور و فکر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول کر لیا اور بالغ ہونے سے پہلے ہی ۸، ۹ یا ۱۰ سال کی عمر میں مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

(تاریخِ طبری مترجم ۲ / ۳۱۳، البدایہ والنہایہ ۳ / ۲۴ بحوالہ المرتضیٰ ۵۱ - ۵۲ - سیر الصحابہ ۱ / ۲۵۰)

مکی زندگی اور ہجرتِ مدینہ منورہ

دعوتِ اسلام میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی معاونت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نبوت کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ تھی کہ لوگوں کو توحید و رسالت سے واقف کرایا جائے، ابتدا میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھپ چھپ کر خفیہ دعوتِ اسلام دیتے رہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے اور ہر قسم کی صحبتوں، خلوتوں اور دعوتِ اسلام کی مجلسوں کے رفیق ہوئے اور بازاروں میں گشت کے دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شریکِ کار رہ کر اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جاتے۔

خفیہ دعوتِ اسلام کے بعد علانیہ دعوتِ اسلام کا سلسلہ شروع ہوا، جس میں لوگوں کو جمع کرنے کے واسطے کھانے پینے وغیرہ کے انتظام کی ضرورت تھی، چناں چہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چودہ یا پندرہ سال کی کم عمری کے باوجود بڑی تن دہی و چابک دستی سے دعوت کا بہترین نظم کیا اور اس سلسلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکمل تعاون کرتے ہوئے خاندان والوں کو بلوایا، دعوتِ طعام سے فارغ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اہلِ خاندان کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ: اے بنو عبد

المطلب! بخدا میں تمہارے پاس دنیا وآخرت کی بہترین نعمت لے کر آیا ہوں، اس کو دل وجان سے قبول کرلو، اور میرا پورا پورا ساتھ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تکالیف ومشکلات کا سامنا کرنے کی بجائے منہ موڑ لو، اگر تم میرا تعاون کروگے تو اس کا بدلہ بہت ہی بہتر ملے گا، یہ سُن کر کسی نے کچھ جواب نہیں دیا سوائے ایک بچّے کے، اُس نے خاندان کے سرکردہ حضرات کی موجودگی میں انتہائی بہادری سے کہا کہ: ''اگرچہ میں عمر میں سب سے چھوٹا، بیماری میں آشوبِ چشم کا شکار، شکل وصورت اور ہیئت میں دبلی پتلی ٹانگ اور بڑے پیٹ والا ہوں؛ لیکن میں آپ کا ہر طرح سے مصیبت کی ہر گھڑی میں ساتھ دینے کے لیے تیار ہوں۔ اس جوشیلے انداز میں خاندان کے بڑے بڑے لوگوں کے سامنے اتنی بڑی ذمہ داری اپنے چھوٹے سے سر پر لینے والے کوئی اور نہیں، بلکہ شیرِ خدا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تھے، چھوٹے منہ سے بڑی بات سن کر اہلِ مجلس ٹھٹھا ومذاق اڑاتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ چودہ سالہ چھوکرا کیا کرے گا اور تمہاری مدد ونصرت کرکے کیا اکھاڑ لے گا؟ لیکن حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اُن وڈیروں کی بات سے دل گرفتہ نہ ہوئے؛ بلکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ٹھیک ہے تم میرے بھائی اور میرے وارث ہو۔ (تاریخِ طبری مترجم: ۸۹/۲)

ہجرت کی رات

اس طرح دعوتِ اسلام کا سلسلہ تقریباً تیرہ سال تک چلتا رہا؛ لیکن چند پاکیزہ فطرت ہستیوں کے علاوہ اکثریت دشمنی ومخالفت پر اَڑی رہی، ایذائیں

پہنچانے اور تکلیفیں دینے کا عمل نہ صرف جاری رہا؛ بلکہ ترقی کرتا رہا، مکہ کی سرزمین باوجود اپنی وسعتوں کے تنگ پڑ گئی، بالآخر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کا حکم ملا، چوں کہ آپ صادق وامین سے جانے جاتے تھے، لہٰذا کفارِ مکہ بھی باوجود دشمنی وعداوت کے اپنی امانتیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے پاس رکھتے تھے، چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کی رات حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور ارشاد فرمایا کہ: لوگوں کی امانتیں ان کے مالکوں کے حوالے کر کے مدینۂ منورہ ہجرت کر جانا اور ہم سے وہیں ملاقات کرنا، اتنا فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیتِ کریمہ تلاوت کرتے ہوئے نکل گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یقینِ کامل تھا کہ زبانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدینۂ منورہ میں ملنے کا حکم آچکا ہے؛ لہٰذا ملاقات یقینی ہے، اس لیے ننگی تلواروں کے سایے میں اطمینان سے بسترِ مبارک پر سو گئے۔

تقدیر علی کی جاگ اٹھی، ہجرت کی اندھیری رات آئی
اک مہرِ مبیں کے بستر پر اک نجمِ درخشاں سوتا ہے

صبح کفارِ مکہ نے گھر کے اندر جھانکا تو دیکھا کہ سر سے پیر تک چادر تانے کوئی آدمی بسترِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بڑے سکون سے سو رہا ہے، سمجھے کہ خود محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں، اندر داخل ہوئے، معلوم ہوا کہ حضور کے چچا زاد بھائی، ابو طالب کے فرزند: علی ہیں۔

ع ”علی بہ حکمِ شیرِ رسالت، نبی کے بستر پہ محوِ راحت“

بہادرانِ مکہ کو علی کی شجاعت اور اپنی غفلت پر بڑا غصہ آیا، اور حضرت علیؓ کو چھوڑ کر مقصد کی طرف چل پڑے، یہ آپؓ کی دلیری و جواں مردی نہیں تو اور کیا ہے کہ تلواروں کے سایہ میں بڑے چین وسکون سے بسترِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آرام فرما رہے!

ع تیغوں کے سایہ میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں

پھر آپؓ تین دن تک معاملات کی صفائی اور امانتوں کی سپردگی کرتے رہے، ان سب سے فارغ ہو کر ہجرت فرمائی اور قبا میں حضرت کلثوم بن ہدم کے مکان پر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی، چند دن وہیں پر قیام فرمایا اور پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ تشریف لے آئے۔

سید الکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینۂ منورہ میں انصار و مہاجرین کے درمیان اخوت و بھائی چارگی کا اٹوٹ رشتہ قائم فرمایا جس میں علی مرتضیٰؓ اکیلے رہ گئے، حضرت علیؓ نے رنج بھرے لہجے میں کہا: اے اللہ کے نبی! آپ نے میرا کسی سے رشتہ قائم نہیں کیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر آپؓ کی دلجوئی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ: کیا تم اس بات سے خوش نہیں ہو کہ تم رشتے میں میرے بھائی ہو!

کوئی کیا جان سکتا ہے کہ ان کا مرتبہ کیا ہے
علی میرے ہیں، میں ان کا شہِ ابرار کہتے ہیں

(طبقات ابن سعد: ۱۳ بحوالہ سیر الصحابہ ۲ / ۲۵۳ - ۲۵۴)

نکاح اور غزوات میں شرکت

مدینہ ہجرت کرنے کے بعد جہاد کا حکم نازل ہوا؛ لہٰذا کفار کے ساتھ سب سے پہلا فیصلہ کن معرکہ بدر کے مقام پر بپا ہوا، جسے ''غزوۂ بدر'' کہا جاتا ہے۔

غزوۂ بدر

آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس غزوہ میں تین اسلامی پرچم بنائے تھے، جن میں سے ایک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس تھا۔ (تاریخ ابن خلدون، حصہ اول، باب: ۸۱/۳) چناں چہ مقامِ بدر کے پاس پہنچ کر دونوں لشکر آمنے سامنے صف باندھے کھڑے ہوگئے، زمانۂ قدیم سے جنگوں کے سلسلہ میں یہ دستور چلا آرہا تھا کہ عام جنگ شروع کرنے سے پہلے انفرادی مقابلے ہوتے اور اس سے نیک فالی لی جاتی، اس کے بعد عام لڑائی چھڑ جاتی، اسی دستور کے مطابق کفار کی طرف سے تین جنگ آزمودہ شہسوار: عتبہ بن ربیعہ اس کا بھائی شیبہ بن ربیعہ اور اس کا بیٹا ولید نکلا، مجاہدینِ اسلام کے لشکر سے تین انصاری صحابہ رضی اللہ عنہم نکلے، لیکن اُنھوں نے یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ ہمارا مقابلہ تم لوگوں سے نہیں، اور بڑے تکبّر سے کہا کہ ہمارے ہم رتبہ آدمیوں کو بھیجو، دیکھتے ہیں ان میں کتنا دم ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ سنا تو مشکل وقت میں اپنے خاندان کے تین افراد کو مقابلہ کے لیے منتخب کیا، اس لیے کہ عتبہ شیبہ اور ولید کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ قریشی شہ سوار کس پایے اور طاقت کے جنگجو ہیں، لہٰذا خطرے کے وقت ایسے نازک موقعے پر

اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں ہی کو مقدم کیا، چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجاہدین کی صف کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: حمزہ اٹھو، علی اٹھو، عبیدہ بن حارث اٹھو، ارشاد سن کر یہ تینوں قریشی حضرات میدان میں آگے بڑھے، عتبہ نے پوچھا: کون؟ جواب دیا: ہم تم ہی میں سے ہیں، اتنا کہہ کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے شیبہ پر ایک زوردار حملہ کر کے ایک ہی وار میں جہنم رسید کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ولید بن عتبہ کو للکار کر زوردار تلوار کا ہاتھ مارا وہ بھی چند لمحوں میں خاک وخون میں لت پت ہو گیا، البتہ حضرت عبیدہ کا مقابلہ عتبہ سے ہوا جو میدانِ جنگ کا دھنی اور جنگجو قسم کا آدمی تھا، حضرت عبیدہ کو دیکھ کر ان کی طرف لپکا اور پے در پے کئی وار کیے، حضرت عبیدہ زخمی ہو گئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ و حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو ایک ساتھ دونوں عتبہ پر حملہ آور ہوئے اور اسے بھی واصلِ جہنم کر دیا، اس کو نمٹا کر حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ کو زخمی حالت میں کندھے پر اٹھا لائے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دیا، اس کے بعد سپہ سالارِ اعظم محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام حملہ کا حکم دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اور بہت سارے کافروں کو قتل کیا، بالآخر مسلمان کامیاب ہوئے، اور مالِ غنیمت کے ساتھ ساتھ قیدی بھی پکڑ کر مدینہ واپس لوٹے۔

شہنشاہِ بطحیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی صاحبزادی سیدہ فاطمہ الزہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح اسی سال ۲ھ میں شیرِ خدا حیدرِ کرّار حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کر دیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود نکاح پڑھایا اور برکت کی دعا دی، پھر حضرت فاطمہ سے فرمایا کہ میں نے تمہارا

نکاح اہلِ بیت کے سب سے بہتر شخص کے ساتھ کیا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس مال وغیرہ کچھ نہیں تھا، صرف ایک زرہ تھی وہی آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں فروخت کی اور جو رقم ملی اس سے مہر ادا کیا، چوں کہ آپ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی رہتے تھے، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مکان کرایہ پر لینے کا امر فرمایا، آپ رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل کی اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا چند مہینوں کے بعد رخصت ہو کر اسی گھر میں آئیں۔ (مزید تفصیل سیر و تاریخ کی کتابوں میں دیکھی جا سکتی ہے)۔

اس کے بعد ۳ھ میں غزوہ اُحُد پیش آیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر کو دیا تھا، ان کے ہاتھ میں پرچم دیکھ کر مشرکین ان پر پل پڑے بالآخر شہید ہو کر گر گئے، جھنڈا بھی گرنے لگا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر جھنڈا گرنے سے بچا لیا اور پرچم لیے ہوئے بڑا سخت حملہ کر کے کفار کو تہِ تیغ کرنا شروع کر دیا، حضرت علی کو شجاعت سے لڑتے دیکھ کر کفار بکھر گئے، اس غزوے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کافی زخمی ہو گئے تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی ڈھال میں پانی بھر کر لاتے رہے اور حضرت فاطمہ اپنے ہاتھوں سے زخم صاف کرتی رہیں، خون بند نہیں ہوا تو چٹائی جلا کر راکھ زخم میں بھر دی گئی جس سے خون نکلنا بند ہو گیا۔ اس غزوہ میں ہر ایک کی زبان پر حضرت علی کی بہادری کے چرچے تھے۔

(بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۃ احد ۲/ ۸۹۹)

غزوۂ احد سے فارغ ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۴ھ میں بنو نضیر کی طرف

متوجہ ہوئے، جنھوں نے بدعہدی کرکے کفارِ مکہ کا ساتھ دیا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میں بھی پیش پیش تھے اور پرچمِ اسلام آپ رضی اللہ عنہ ہی کے پاس تھا۔ (سیر الصحابہ ۱/ ۲۵۸)

غزوۂ خندق

اس کے بعد ۵ھ میں غزوۂ خندق ہوا، دس ہزار کا لشکرِ جرّار مدینہ کا محاصرہ کیے ہوئے تھا، درمیان میں خندق حائل تھی۔ ایک روز چند کافر گھوڑ سوار خندق پار کرکے مسلمانوں کی طرف آنکلے، حضرت علی رضی اللہ عنہ چند جانباز مجاہدین کے ساتھ آگے بڑھے، ادھر مشرکوں میں سے ایک شہ زور پہلوان عمرو بن عبدِ ودّ نے آگے بڑھ کر ھل من مبارز کا نعرہ لگایا، یہ بڑا بہادر اور شہسوار سمجھا جاتا تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اس کے سامنے آئے تو حقارت سے اُس نے منع کردیا، آپ رضی اللہ عنہ نے کہا میں تجھ سے ہی لڑوں گا یہ سن کر وہ غضبناک ہوگیا اور گھوڑے سے اتر کر حضرت علی رضی اللہ عنہ پر بڑا سخت حملہ کیا، آپ رضی اللہ عنہ نے بھی حملہ کا جواب دیا، دیر تک تلواریں ٹکراتی رہیں، بالآخر ذوالفقارِ حیدری نے اُسے واصلِ جہنم کردیا، عمرو بن عبدِوُدّ کو خاک وخون میں لت پت دیکھ کر بقیہ سوار سر پر پیر رکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

غرض کافی دن تک کفار محاصرہ کیے رہے؛ لیکن اہلِ ایمان کے استقلال وثابت قدمی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے بہادرانِ اسلام کے آگے ان کی ایک نہ چلی اور ایک رات زوروں کی آندھی چلی، خیمے اکھڑ گئے، دیگیں الٹ گئیں، پورے لشکر میں ہلچل مچ گئی، ادھر ایک صحابی نعیم بن مسعود ثقفی کی ذہانت سے ان میں باہمی

پھوٹ پڑ گئی، چناں چہ کفار ہزیمت کھا کر بھاگ کھڑے ہو، اس طرح یہ معرکہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ (سیرت ابن ہشام ۲/ ۹۸ بحوالہ سیر الصحابہ ۱/ ۲۵۸)

غزوۂ بنو قریظہ

غزوۂ خندق سے فرصت پا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام مجاہدین کے ساتھ بنو قریظہ کی طرف متوجہ ہوئے، بنو قریظہ کا اہل ایمان سے معاہدہ تھا کہ کسی لڑائی میں کفار کا ساتھ نہیں دیں گے؛ لیکن مشرکین کی اتنی کثیر تعداد دیکھ کر انہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی اور مشرکین سے ساز باز شروع کر دی؛ اس لیے انہیں اس جرم کی سزا چکھانا ضروری تھا؛ لہٰذا اسی سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو علَم دے کر ان کی طرف بھیجا، حضرت علی بہت جلد وہاں پہنچ گئے، اور ان کے قلعہ پر قبضہ کر کے اس کے صحن میں عصر کی نماز ادا کی۔ (سیر الصحابہ ۱/ ۲۵۸)

صلح حدیبیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عقیدت ومحبت

۶ھ میں صلحِ حدیبیہ کا واقعہ پیش آیا، جس میں شرائطِ معاہدہ تحریر کرنے کے لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا، حضرت علی آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا لکھو: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، سہیل بن عمرو نے کہا کہ یہ نیا کلمہ کیا ہے؟ میں اس کو نہیں جانتا، باسمک اللّٰھم لکھواؤ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یہی لکھو، پھر فرمایا: لکھو یہ وہ شرائط ہیں جس پر اللہ کے رسول محمد نے سہیل سے صلح کی ہے۔ سہیل نے اس پر بھی اعتراض کر دیا کہ اگر ہم تم کو اللہ کا رسول مانتے تو تم

سے کیوں لڑتے، تم اپنا اور اپنے والد کا نام لکھواؤ، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''محمد رسول اللہ'' کا لفظ مٹا کر ''محمد بن عبد اللہ'' لکھنے کا امر فرمایا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت علیؓ کی محبت نے یہ گوارا نہیں کیا اور فرمایا کہ: حضور! مجھ سے یہ نہیں ہو سکے گا۔ یہ حضرت علیؓ کی طرف سے نافرمانی نہیں؛ بلکہ حضور سے حد درجہ محبت وعقیدت کا ایک نمونہ ہے کہ رسول اللہ کا لفظ بھی مٹانا پسند نہیں کیا، چناں چہ حضور نے بھی بُرا نہیں مانا؛ بلکہ خود ہی پوچھ کر مٹا دیا، اور ''محمد بن عبد اللہ'' لکھوا دیا۔

(تاریخ ابن خلدون ۱/ ۱۳۸-۱۳۹)

غزوۂ خیبر اور حضرت علیؓ کی فضیلت وشجاعت

صلح حدیبیہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر کی طرف متوجہ ہوئے جہاں کے یہودیوں کی اسلام دشمنی دن بدن بڑھتی جا رہی تھی، چناں چہ ۷ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ خیبر پہنچے، خیبر میں آٹھ بڑے اور مضبوط قلعے تھے، تمام قلعے آسانی سے فتح ہو گئے؛ لیکن آخری قلعہ ''قموص'' تھا جس کا سردار مرحب نامی یہودی جنگجو اور آزمودہ کار سپہ سالار تھا، اس قلعہ کو فتح کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے حضرت ابوبکرؓ کو سالارِ لشکرِ اسلامی بنا کر روانہ فرمایا؛ لیکن حضرت ابوبکرؓ کی سرکردگی میں قلعہ فتح نہ ہو سکا، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے بھی زور آزمائی کی؛ لیکن فتح نہ کر سکے، اس کو فتح کرنے کے لیے دس دن کا محاصرہ کرنا پڑا، اور اخیر میں حضرت علیؓ کے ہاتھوں فتح ہوا، تفصیل درجِ ذیل ہے:

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوۂ خیبر کے موقعہ پر جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ عظیم الشان جملہ ارشاد فرمایا جس کی تمنا ہم گروہِ صحابہ میں سے ہر صحابی کرتا تھا اور ہر سچے پکے مسلمان کی یہی تمنا ہوا کرتی ہے، چناں چہ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''لأعطين هذه الراية غداً رجلا يفتح الله على يده يحب الله ورسوله ويحبه الله ورسوله''۔ یعنی آئندہ کل میں ایسے شخص کو پرچم دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ و رسول بھی اس سے محبت کرتے ہیں، دوسرے دن تمام صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی گردنیں تانے اپنے اپنے نام کا انتظار کرنے لگے، اور ہر ایک کی خواہش تھی کہ جھنڈا اُسے دیا جائے؛ تاکہ یہ پروانۂ محبت اس کے نام ہو جائے؛ لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خلافِ توقع حضرت علی رضی اللہ عنہ کو طلب فرمایا، آپ رضی اللہ عنہ وہاں موجود نہ تھے اس لیے جواب دیا گیا کہ علی آشوبِ چشم کے شکار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بُلا بھیجا، خدمتِ نبوی میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا لعابِ مبارک آنکھ میں لگایا اور دعا فرمائی، جس سے بیماری جاتی رہی، اس کے بعد زندگی بھر کبھی آنکھ میں شکایت نہ ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرچم عطا فرمایا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ان سے قتال کر کے ہماری طرح مسلمان بنالوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''أنفذ على رسلك حتى تنزل بساحتهم ثم ادعهم إلى الإسلام وأخبرهم بما يجب عليهم من حق الله فيه، فوالله لأن يهدي الله بك رجلا واحدا خير لك من أن يكون لك حمر

النعم". یعنی یوں ہی چلے جاؤ، ان کے میدان میں اتر کر پہلے انھیں اسلام کی دعوت دو، اورانھیں بتاؤ کہ ان پر اللہ کا کیا حق واجب ہے، خدا کی قسم! اگر تمہارے ذریعہ اللہ تعالیٰ ایک شخص کو بھی ہدایت عطا فرمادے تو تمھارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر اور بڑھ کر ہے۔ (بخاری، کتاب المغازی، باب غزوۂ خیبر ۹۳۰/۲)

اتنا سن کر حضرت علیؓ جھنڈا لیے آگے بڑھے اور لڑائی شروع ہوئی، قلعہ کا پھاٹک تن تنہا حضرت علیؓ نے اکھاڑ دیا اور اسے ڈھال کے طور پر استعمال کرنے لگے، قلعہ کا سردار مرحب یہودی بھی پختہ کار سپاہی تھا، حضرت علیؓ کو دیکھ کر تکبر و بڑائی اور بہادری جتانے کے لیے رجزیہ شعر پڑھتے ہوئے حملہ آور ہوا، حضرت علی پہلے ہی سے تیار تھے، آپؓ نے بھی رجزیہ شعر "أنا الذي سمتني أمي حيدرة"، (میں وہ ہوں کہ میرا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے)

كليت غايات كريه المنظرة		أو فيهم بالصاع كيل السندرة

جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراؤنا، میں دشمنوں کو نہایت آسانی سے جلد ہی قتل کر دیتا ہوں۔

پڑھتے ہوئے دفاع کیا، اور ساتھ ہی تلوار کا ایسا زوردار وار کیا جس سے مرحب بچ نہ سکا اور سیدھا جہنم میں جا پہنچا، اس طرح شیرِ خدا حضرت علی مرتضیٰ کے ہاتھوں بہ آسانی خیبر کا قلعہ فتح ہو گیا۔

(بخاری، کتاب المغازی، ۹۳۰/۲۔ سیرت علی بن ابی طالب، عربی: ۱۰۱)

حضرت علیؓ کے اس بہادرانہ کارنامہ کو دیکھ کر شاعر بے ساختہ کہہ اٹھا:

علی مرتضی کو حیدرِ کرار کہتے ہیں		سبھی یہ بات کہتے ہیں؛ نہیں دو چہار کہتے ہیں
شجاعت میں بڑے مشہور ہیں وہ فاتحِ خیبر		انہیں شیرِ خدا، جبار کی تلوار کہتے ہیں

فتحِ مکہ

ادھر مسلمان خیبر سے کامیاب ہوکر واپس مدینہ لوٹے اور ادھر معلوم ہوا کہ اہلِ مکہ نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے، چناں چہ جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خفیہ طور پر تیاریوں کا حکم دیا؛ لیکن صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے جنگ کی پوری تفصیل لکھ کر ایک عورت کے ہاتھوں مکہ میں اپنے اقارب کے لیے روانہ کردی، ادھر وحی کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع مل گئی آپ نے اس عورت کو پکڑنے کے لیے صحابہؓ بھیجے۔ روایت میں ہے حضرت علیؓ فرماتے ہیں: مجھے، زبیرؓ اور مقدادؓ کو رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روانہ کیا اور ہدایت کی کہ مکہ مکرمہ کے راستے پر چلے جاؤ، جب تم روضۂ خاخ پر پہنچو گے تو وہاں تمہیں اونٹ پر سوار ایک عورت ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہے، اس میں مکہ پر چڑھائی کی تفصیل درج ہے، تم اس سے وہ خط لے لینا، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ: ہم روانہ ہوئے، ہمارے گھوڑے ہوا سے باتیں کرتے اڑے جارہے تھے، جب گلستانِ خاخ پر پہونچے تو واقعی ہمیں وہاں ایک عورت اونٹ پر سوار مکہ کی طرف جاتی ہوئی ملی، ہم نے روک کر اس سے کہا: خط نکالو، وہ انجان بن کر کہنے لگی کہ میرے پاس

کوئی خط نہیں ہے، ہم نے کہا: خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ صداقت سے کبھی غلط اور جھوٹ نکل نہیں سکتا، خط تیرے پاس ہی ہے، نکال کر دے؛ ورنہ ہم تجھے ننگا کردیں گے، اس عورت نے ـ جس کا نام ''مزینہ کنوذ'' تھا ـ سوچا کہ اگر میں خط نہ دوں گی تو واقعی یہ لوگ اپنی بات پر عمل کردیں گے جس سے میری رسوائی اور ذلتی ہوگی، چناں چہ اس نے اپنی چوٹی میں سے خط نکالا اور ہمارے حوالے کردیا، ہم خط کے ساتھ اس عورت کو بھی گرفتار کرکے دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں لے آئے۔ قصہ مختصر! اس اہم مہم کے لیے بھی حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہِ انتخاب جن بہادرانِ اسلام پر پڑیں ان میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔

(تاریخ ابن خلدون: ۱/ ۱۵۸، نصر الباری شرح البخاری ۸/ ۳۳۲)

غرض ۸ھ میں معمولی سی جھڑپ کے بعد مکۃ المکرمہ فتح ہوا، فاتحِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بلال، علی اور ابن عباس وغیرہم صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ کعبۃ اللہ میں داخل ہوئے، تمام بتوں کو توڑ ڈالا، ایک بُت تھوڑا اوپر تھا جہاں تک بہ آسانی ہاتھ نہیں پہنچ رہا تھا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا: مجھے کاندھے پر اٹھاؤ، حضرت علی رضی اللہ عنہ جسمِ اطہر کا بار نہ اٹھا سکے، یہ دیکھ کر محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اچھا تم میرے کاندھے پر چڑھ کر اس کو بھی گرادو؛ تاکہ اس وحدت کدہ کا گوشہ گوشہ بتوں کی گندگیوں سے بالکل پاک صاف ہوجائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بحکمِ نبی شانۂ اقدس پر چڑھے اور اس کو بھی جڑ سے اکھاڑ دیا اور ٹکڑے ٹکڑے کرکے

ملیامیٹ کر دیا۔ (مستدرک حاکم بحوالہ سیر الصحابہ ۱/ ۲۶۲)

غزوۂ حنین اور آپؓ کی فراست و بہادری

فتحِ مکہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبیلۂ ہوازن وثقیف کی طرف متوجہ ہوئے، حنین کے مقام پر جنگ ہوئی، حنین چوں کہ ایک وادی تھی، اس میں قبیلۂ ہوازن کے تیر انداز اور گھوڑ سوار دستے گھات لگا کر بیٹھ گئے، اہلِ ایمان کا لشکرِ جرار جب ان کی زد میں آیا تو انہوں نے تیر اندازی کے ساتھ ہی تلوار بازی بھی شروع کر دی اور زور دار حملہ کر دیا، جس سے لشکرِ اسلام کے اگلے حصے میں بھگدڑ کی سی کیفیت ہوگئی، کچھ نئے مسلمان بھی تھی جنہوں نے کافی ہلچل مچائی، یہ صورت حال دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک آواز لگائی؛ لیکن آواز مبارک ہر ایک کو پہنچ نہ سکی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک طرف کھڑے ہو گئے، آپ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ، علیؓ وغیرہ صحابہ کی ایک جماعت تھی، آپ نے حضرت عباسؓ سے کہا کہ: تمام لوگوں کو آواز دے کر جمع کرو؛ چناں چہ تمام لوگ حضرت عباس کی آواز پر مجتمع ہو گئے، اب جو پلٹ کر حملہ کیا تو کفار بھاگ کھڑے ہوئے۔ غرض اس غزوہ میں بھی حضرت علی کا کردار نمایاں رہا، آپؓ دشمنوں کا حملہ اور اسلامی لشکر میں بھگدڑ و پسپائی دیکھ کر پشت دکھانے کی بجائے ثابت قدم رہے اور دشمنانِ اسلام کے لہو سے شمشیرِ حیدری کی پیاس بجھائی۔ (سیرت ابن ہشام: ۲/ ۲۶۷، بحوالہ سیر الصحابہ ۱/ ۲۶۳)

اس غزوہ میں ایک اہم واقعہ پیش آیا جو حضرت علیؓ کی شجاعت ومہارت

کا غمّاز ہے، وہ یہ کہ قبیلۂ ہوازن کے لشکر میں سرخ اونٹ پر سوار، ہاتھ میں سیاہ جھنڈا لیے ایک شخص نے نیزہ بلند کیا، جس کو دیکھ کر قبیلۂ ہوازن کے تمام لشکری اس کے پیچھے چل پڑے، حضرت علیؓ نے یہ دیکھ کر اپنی جنگی مہارت اور طویل تجربے سے بھانپ لیا کہ یا تو یہ بھاگ رہا ہے یا پھر نئے سرے سے حملہ کی تیاری کر رہا ہے، چناں چہ حضرت علیؓ ایک انصاری صحابیؓ کے ساتھ اس کی طرف متوجہ ہوئے، اور بڑی چالاکی سے اس کو اونٹ سے نیچے گرالیا، تھوڑی دیر مقابلہ ہوا، بالآخر ذوالفقارِ حیدری نے اس کے دو ٹکڑے کردیے، اس طرح مسلمان فاتح کہلائے۔ (سیرت علی ابن ابی طالب عربی، الفصل الاول: ۱۰۵،۱۰۶)

غزوۂ تبوک میں شمولیت کے لیے اضطرارِ حیدری

۹ھ میں غزوۂ تبوک واقع ہوا، یہ غزوہ انتہائی سخت گرمی اور آزمائش کے موسم میں پیش آیا، کھجوریں پک چکیں تھیں، اہلِ ایمان کے لیے امتحان کی گھڑی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند صحابہؓ کو مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا جن میں حضرت علیؓ بھی تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اہلِ بیت کی حفاظت کے لیے پیچھے چھوڑا جس پر منافقین نے عار دلائی اور طعن و تشنیع کے زہر آلود تیر برسائے، جس کو حضرت علی کی غیرت مند طبیعت برداشت نہ کرسکی، ابھی مجاہدین کا قافلہ زیادہ دور نہیں گیا تھا؛ اس لیے فوراً خدمتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پہنچ گئے اور منافق کی شرارت کی اطلاع دیتے ہوئے شکایت کی، آقائے مدنی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”ألا ترضیٰ أن تکون مني بمنزلة هارون من موسیٰ إلا أنه لیس نبي بعدي“ کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ میری نسبت تمہارے ساتھ وہی ہو جو حضرت ہارون علیہ السلام کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھی؛ مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔ (بخاری، کتاب المغازی ۲/ ۹۷۳)

اعلانِ عام کے لیے حضرت علیؓ کا انتخاب

تبوک سے واپسی کے بعد شفیعِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امیرِ حج بنا کر مکۂ مکرمہ روانہ کیا، اسی زمانہ میں سورۂ برأت نازل ہوئی جس میں چند احکام ایسے تھے جو علی الاعلان سنانے ضروری تھے، چوں کہ خون اور مال کے معاہدوں اور نئے احکام سنانے کے سلسلے میں عرب کا دستور یہ تھا کہ یا تو خود بادشاہ اعلان کرے یا اس کے خاندان کا کوئی فرد اطلاع دے، خاندان سے باہر کے کسی آدمی کا اعلان معتبر نہیں سمجھا جاتا تھا؛ اس لیے اس مرتبہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظرِ انتخاب حضرت علیؓ پر پڑی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ سے کہا کہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس جاؤ اور مکہ میں علی الاعلان یہ احکام سنا دو کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا، کوئی شخص بیت اللہ کا ننگے ہو کر طواف نہیں کرے گا، جن لوگوں کے ساتھ میعادی معاہدہ ہے وہ اپنی مدت تک باقی رہے گا، اس کے بعد تجدید نہیں ہوگی، جن کے ساتھ عہد و پیمان نہیں یا غیر میعادی معاہدہ ہے ان کو چار ماہ کی مہلت دی جاتی ہے، اس کے بعد کسی بھی وقت ان پر حملہ ہوسکتا ہے۔ (تحفۃ القاری شرح البخاری ۲/ ۴۵۶)

چناں چہ حضرت علیؓ نے یہ فریضہ بھی بہ حسن وخوبی انجام دیا۔

یمن میں اشاعتِ اسلام کی مہم اور حجۃ الوداع میں شرکت

حج سے واپس آنے کے بعد حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغِ دین واشاعتِ اسلام کے لیے حضرت علیؓ کو بھیجا، جس کا واقعہ اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ کو یمن کی طرف بغرضِ اشاعتِ اسلام روانہ کیا تھا، حضرت خالد چھ مہینے تک ٹھہرے، لوگوں کو دعوتِ اسلام دیتے رہے؛ لیکن کسی نے کفر سے آلودہ قلبِ سیاہ کو نورِ ایمان سے منوّر کرنا منظور نہیں کیا، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کو روانہ کیا اور فرمایا کہ خالد بن ولید کو واپس کردینا، حضرت علیؓ یمن پہنچے اور آس پاس کے لوگوں کو جمع کیا، پہلے ان کو اللہ جل شانہٗ کے عذاب وعتاب اور یومِ قیامت کی پکڑ سے ڈرایا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ کا حال بتایا، اس طرح اپنے حکیمانہ اسلوب سے انہیں اسلام کا گرویدہ بنالیا، بفضلِ الٰہی انہیں حقّانیتِ اسلام کا پتہ چل گیا اور پورا قبیلۂ ہمدان مسلمان ہوگیا۔ حضرت علیؓ نے بذریعۂ تحریر اس واقعہ کی اطلاع دربارِ رسالت میں پہنچادی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ جل جلالہٗ کی بارگاہِ عالی میں سجدۂ شکر یہ ادا کیا اور تین مرتبہ ”سلامٌ علی همدان“ فرمایا۔ (تاریخ ابن خلدون: ۱/ ۱۹۳)

حضرت علیؓ یمن ہی میں مقیم تھے کہ اطلاع ملی کہ خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حجۃ الوداع کے لیے مدینۂ منورہ سے روانہ ہوچکے ہیں، آپؓ بھی ہدی کے جانور لے

کریمن سے چلے اور مکۃ المکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاقات کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: علی حج کے لیے آئے ہو یا عمرہ کے لیے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قلبی لگاؤ اور دلی محبت وعقیدت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: اے اللہ کے نبی! میں نے تو آپ کے احرام باندھنے کی طرح احرام باندھا ہے یعنی آپ نے جس نیت سے احرام باندھا ہے میں نے بھی اسی نیت سے احرام باندھا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری ووفات
اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تیمارداری اور تجہیز وتکفین میں شرکت

حج سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس مدینہ کے لیے نکلے، ہلکا ہلکا سر میں درد شروع ہوا اور بیماری وکمزوری محسوس ہوئی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سنا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ تیمارداری اور دیکھ بھال میں مصروف ہو گئے؛ لیکن دین مکمل ہو چکا تھا، اور وقت آ چکا تھا کہ ایک فرماں بردار بندہ اپنے پروردگار کی دی ہوئی ذمہ داری پورا کر کے اس کے پاس انعام وصول کرنے کے لیے واپس چلا جائے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس یا تیرہ دن علیل رہے، جس میں حضرت علی وحضرت فاطمہ کے ساتھ برابر خدمت میں لگے رہے اور اپنی استطاعت بھر خدمت میں کوئی کمی نہیں ہونے دی، آخر نوشتۂ تقدیر غالب آیا، فرشتۂ اجل نے اجازت چاہی، اور محسنِ انسانیت سرورِ کائنات فخرِ موجودات خاتم النبیین والمرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللهم الرفيق الأعلى کہتے ہوئے دنیائے فانی پر ابدی آخرت اور لقائے رب کو ترجیح دی۔

چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریب ترین عزیز اور اہلِ بیت میں سے تھے، اس لیے تجہیز و تکفین کے تمام مراحل آپ رضی اللہ عنہ ہی کے دستِ بابرکت سے انجام پائے، غسل کا موقعہ آیا تو آپ ہی نے ابتدا کی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ اطہر کو اپنے سینے سے لگایا، قمیص مبارک کے اوپر سے ہی ہاتھ مَل کر غسل دیا، آپ رضی اللہ عنہ کے سوا غسل دینے والے دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم نے اپنی آنکھوں پر پٹیاں باندھ لی تھیں؛ تاکہ جسمِ اطہر پر نظر نہ پڑے۔ غسل کے بعد کفن دیا گیا جس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ پیش پیش تھے۔ اس کے بعد جماعت کے بغیر تنہا تنہا نماز پڑھی گئی۔ نماز میں کیا پڑھا جائے؟ اس کے بارے میں پوچھا گیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: آیتِ کریمہ: إن اللہ وملائکته یصلون علی النبي درود شریف اور "لبیک اللھم ربنا وسعدیک" پڑھو۔ (اصح السیر: ۵۴۱-۵۴۲) تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم جب نماز سے فارغ ہوگئے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت قثم ابن عباس رضی اللہ عنہ نے مل کر جسمِ مبارک کو قبر شریف میں اتارا۔ اس طرح حضرت علی ابتدا سے لے کر انتہا تک حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے اور رفاقت کا حق نبھانے کی ہر ممکن سعی فرما کر اپنے وعدے کو پورا کر دکھایا۔

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیعت
اور ان کے دورِ خلافت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقام

ادھر حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین میں مشغول تھے، اور اُدھر

ثقیفۂ بنوساعدہ میں اکابر صحابہؓ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو بالاتفاق خلیفۂ اول وجانشینِ رسول مان کران کے ہاتھ پر بیعت کرلی، حضرت علیؓ اس وقت موجود نہ تھے، اس لیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدائی کا سب سے زیادہ غم حضرت فاطمہؓ اور خود ان کو بھی تھا، جس کی وجہ سے حضرت فاطمہؓ بیمار رہنے لگیں، لہٰذا حضرت علیؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین وغیرہ سے فارغ ہوکر حضرت فاطمہؓ کی دلجوئی وتیمارداری میں لگ گئے، اسی میں چھ ماہ کا عرصہ بیت گیا اور حضرت فاطمہؓ اسی بیماری وغم میں گھُل کر تقریباً چھ مہینے کے بعد عالمِ فانی سے عالمِ جاودانی کی طرف رحلت فرماگئیں، تب حضرت علیؓ کو موقعہ ملا اور مسجدِ نبوی میں جاکر خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

حضرت علیؓ نے چھ مہینے کے بعد بیعت کی تھی، اس بات کو لے کر بہت سارے حضرات نے من مانی باتیں گھڑ کر اپنی طرف سے مختلف روایات کا حوالہ دے ڈالا، جس کو الدکتور علی محمد الصّلابی نے اپنی کتاب بہ نام ''سیرۃ علی بن أبی طالب'' میں ضعیف وبے بنیاد قرار دیا ہے؛ لہٰذا جو صحیح روایت اور واقعہ کی حقیقت ہے ان ہی کے حوالے سے نقل کی جاتی ہے، چناں چہ علامہ علی محمد الصلابی فرماتے ہیں کہ:

حضرت علیؓ وحضرت زبیر ابن عوامؓ کی خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے دستِ مبارک پر بیعت کے سلسلے میں تاخیر کے بارے میں بہت ساری خبریں وروایات وارد ہوئی ہیں؛ لیکن یہ روایات درست وصحیح نہیں، صحیح سند کی روایتیں یہ

بتلاتی ہیں کہ حضرت علیؓ وزبیرؓ دونوں نے اول مرحلہ ہی میں بیعت کرلی تھی؛ لیکن تیمارداری وکسی مجبوری کی بنا پر ان کی اور خلیفۂ اول کی آپس میں ملاقات نہ ہوسکی، جس کی وجہ سے غلط باتیں عام ہونے لگیں؛ چناں چہ حضرت ابوسعید خدریؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس دنیا سے پردہ فرماگئے تو تمام صحابہؓ مسجدِ نبوی میں جمع ہوگئے، انصار کے خطبا وامرا کھڑے ہوئے اور سقیفۂ بنوساعدہ میں بیعت وغیرہ کا ذکر کیا۔ راوی فرماتے ہیں کہ: اپنی بات پوری کرکے انصار واپس چلے گئے، اس کے بعد خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ منبرِ رسول پر کھڑے ہوکر مجمعِ عام پر ایک نگاہ ڈالی، حضرت علیؓ نظر نہیں آئے، دریافت کیا، چناں چہ کچھ انصاری صحابی حضرت علیؓ کو مسجد نبوی میں لے آئے، خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت علیؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے رسولِ خدا کے چچا زاد برادر! اے دامادِ نبی! کیا تم مسلمانوں کے درمیان اختلاف وانتشار پیدا کرنا چاہتے ہو؟ حضرت علیؓ نے یہ سن کر جواب دیا: بہ خدا! میں ایسا ہرگز نہیں چاہتا؛ بلکہ میں تو اتحاد واتفاق کی تعلیم دیتا ہوں؛ لہٰذا اے جانشینِ رسول وخلیفۂ نبی! کوئی حرج کی بات نہیں ہے، لیجیے! میں مجمعِ عام کے سامنے دوبارہ بیعت کرتا ہوں، اتنا کہہ کر حضرت علیؓ آگے بڑھے اور بیعت کرلی۔ اس کے بعد خلیفۂ اول نے دوبارہ مجمعِ عام پر ایک نظر ڈالی، حضرت زبیر ابن عوامؓ کو موجود نہ پاکر لوگوں سے ان کے متعلق سوال کیا، یہاں تک کہ لوگ ان کو بھی لے آئے، خلیفۂ

اول نے وہی جملے حضرت زبیر ابن عوامؓ کے سامنے دہرائے، حضرت زبیرؓ نے بھی یہ سن کر حضرت علیؓ جیسا ہی جواب دیا۔ اس طرح اہلِ بیت کے دونوں حضرات نے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر دوبارہ بیعت کرلی۔ (مسلم ۲/ ۹۲۔ المستدرک ۳/ ۷۶۔ السنن الکبریٰ ۸/ ۱۴۳ بہ حوالہ سیرۃ علی ابن أبی طالب عربی الفصل الثانی: ۱۱۹، ۱۲۰)

حضرت علیؓ نے بیعت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو چھوڑ نہیں دیا؛ بلکہ عین اپنی روایتی وخاندانی شرافت، عالی ظرفی اور بے داغ خلوص وصداقت کے مطابق حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں ان کے معاون ومددگار رہے، خلیفۂ اول کے بہترین مشیر وخیر خواہ ثابت ہوئے، حضرت علیؓ کو مسلمانوں کے اتحاد واتفاق اور خلافت کی کامیابی سے زیادہ کوئی چیز عزیز نہ تھی، جس کے لیے امیر المؤمنین کو مفید مشوروں سے نوازتے تھے، مرتدین کا فتنہ اٹھا تو خلیفۂ وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ خود اونٹنی پر سوار ہوکر ان سے قتال کرنے کے لیے نکلے تو حضرت علیؓ نے آپ کی اونٹنی کی لگام پکڑ لی اور کہا اے خلیفۂ رسول! کدھر جا رہے ہیں؟ میں آپ سے وہی کہتا ہوں جو احد کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا وہ یہ کہ اپنی تلوار نیام میں رکھو اور ہم سب کو اپنی دائمی جدائی کا صدمہ نہ دو اور مدینہ واپس جاؤ، بخدا اگر آپ کو کوئی زخم پیش آیا تو اسلام کا شیرازہ ہمیشہ کے لیے بکھر جائے گا، چناں چہ حضرت علیؓ کی بات سن کر حضرت ابوبکرؓ واپس ہوگئے۔

(البدایۃ والنہایۃ: ۶/ ۳۱۴۔ ۳۱۵ بحوالہ المرتضیٰ: ۱۵۰)

غرض حضرت ابوبکرؓ خلافت کے تمام کاموں میں آپؓ سے مشورہ لیتے تھے، اور آپؓ بھی بڑے خلوص وحسنِ نیت سے اپنی گراں قدر رائے سے خلیفۂ وقت کی بھرپور مدد کیا کرتے تھے۔

حضرت علیؓ خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے عہد خلافت میں

حضرت علیؓ کی عمر شریف اس وقت تقریباً پینتیس برس رہی ہوگی جب خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وفات کے بعد حضرت عمر فاروقؓ خلیفۂ ثانی بنائے گئے، حضرت عمرؓ بھی آپ سے مشورہ لیا کرتے تھے، اور امورِ خلافت کے چھوٹے بڑے تمام کاموں کے بارے میں برابر رہنمائی حاصل کرتے اور آپؓ کی رائے دریافت کرتے، حضرت علیؓ بھی نہایت مخلصانہ ودوستانہ مشورہ دیا کرتے تھے، خلیفۂ ثانی وحضرت علیؓ میں بڑا گہرا دوستانہ تھا۔ ایک مرتبہ صدقہ کے اونٹ لائے گئے، خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ دھوپ میں کھڑے کھڑے حضرت عثمان کو اِن اونٹوں کے بارے میں تفصیلات لکھا رہے تھے، حضرت علیؓ آئے اور حضرت عثمانؓ سے کہا کہ قرآنِ کریم میں آیا ہے: يأبت استأجره، إن خير من استأجرت القوي الأمين (قصص:۲۶) پھر خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروق کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: هذا القوي الأمين یہ ہیں وہ جن کو قوی اور امین کہا جائے گا۔

(الکامل فی التاریخ لابن اثیر ج:۳/ ۵۵-۵۶ بحوالہ المرتضیٰ:۱۶۹)

یہ حضرت علیؓ کا حضرت عمرؓ سے دوستانہ تعلق نہیں تو اور کیا ہے؟ آپ پر

خلیفۂ ثانی کے اعتماد کا یہ حال تھا کہ جب حضرت عمرؓ بیت المقدس کے دور دراز سفر پر گئے تو اپنی جگہ خلافت کی ذمہ داریاں آپؓ ہی کے سپرد کر گئے، نیز حضرت علیؓ نے اپنی صاحبزادی حضرت امِ کلثوم، خلیفۂ ثانی کے نکاح میں دی۔ حضرت علیؓ کی یہ مخلصانہ خدمات، اور خلافت کے امور کی دیکھ ریکھ کرنے کے سلسلے میں مر مٹنے کا جذبہ دیکھ کر حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں چھ آدمیوں کی ایک کمیٹی بنائی جس میں حضرت علیؓ کا نام سرِ فہرست رکھا؛ تاکہ مشکل وقت میں تمام مسلمان اختلاف وانتشار کے بہ جائے ان حضرات کے مشوروں پر عمل کر سکیں۔

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان بن عفانؓ کے زمانۂ خلافت میں حضرت علیؓ کا مرتبہ اور خلیفۂ ثالث کی اطاعت

خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطابؓ کے انتقال کر جانے کے بعد خلافتِ اسلامیہ کی باگ ڈور حضرت عثمان بن عفان کے ہاتھ میں آئی، خلیفۂ ثالث بھی حضرت علیؓ کی رائے اور مشوروں سے فائدہ اٹھاتے رہے، اور حضرت علیؓ بھی شیخین کی طرح نہایت مخلصانہ ودوستانہ مشوروں سے خلیفۂ ثالث کی بھرپور نصرت کرتے رہے: حتی کہ فسادیوں نے جب حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر لیا تو آپؓ نے اپنے جگر پاروں کو ان کی حفاظت کے لیے مقرر کر رکھا تھا اور بعد میں خود بھی تشریف لے گئے تھے؛ لیکن قاتلین گھر کی پچھلی دیوار سے کود کر اندر گھس گئے اور بڑی بے دردی وبے رحمی سے خلیفۂ ثالث، نائبِ رسول حضرت عثمان بن

عفان رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فسادیوں کو بہت روکا؛ لیکن قاتلوں نے دامادِ رسول، شوہرِ بتول رضی اللہ عنہا کی بھی توہین کر ڈالی، اور گھر میں جانے نہ دیا۔

(سیرۃ علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ عربی: ۱۵۵، ۱۶۰)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کے زمانۂ خلافت میں موجودہ ترتیب پر قرآن کریم مرتب کیا گیا، چناں چہ اس مبارک اقدام کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اے لوگو! عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں ناانصافی سے کام نہ لو، تم کہتے ہو کہ انھوں نے مصاحف میں ردّ و بدل کر دیا ہے، خدا کی قسم! انھوں نے جو طرزِ عمل بھی اختیار کیا وہ صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم میں تھا، اور ان کو ان کی تائید حاصل تھی، اگر میں عثمان کی جگہ پر ہوتا تو میں بھی وہی کرتا جو انھوں نے مناسب سمجھا۔

(البدایہ والنہایۃ ۷/۲۱۸ بہ حوالہ المرتضیٰ ۲۰۴)

یہ جملہ خلیفۂ ثالث کی اطاعت و پیروی پر دال نہیں تو اور کیا ہے!!!۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت

حضرت عثمان کے زمانۂ خلافت ہی میں فتنہ وفساد شروع ہو چکا تھا، لہٰذا خلیفۂ ثالث کی شہادت کے بعد اس میں مزید اضافہ ہی ہوتا گیا جسے دور کرنے اور ختم کرنے کے لیے جلد از جلد خلیفۃ المسلمین کا مقرر کرنا ضروری تھا، اُس نازک وقت میں لوگوں کی نگاہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر آ کر ٹھہریں، اگرچہ آپ رضی اللہ عنہ اس بڑے منصب اور عظیم ذمہ داری کو قبول کرنے کے لیے ہرگز تیار نہ تھے؛ لیکن لوگوں نے

اور بطورِ خاص ان مفسدوں نے جن کے ہاتھ خونِ عثمان سے رنگے ہوئے تھے، آپ رضی اللہ عنہ کو خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے پر مجبور کیا۔ منصبِ خلافت سنبھالتے ہی آپ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے ایک بلیغ خطبہ دیا، جس میں لوگوں کو دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی دوامی کے بارے میں بتایا، مسلمانوں کے حقوق کی پاسداری کی تلقین کی، ترغیب وترہیب کی آیتیں اور احادیثِ مبارکہ سنائیں، اور اتحاد واتفاق کی تعلیم دی۔ (البدایہ والنہایہ ۷/ ۲۲۷، ۲۲۸ بہ حوالہ المرتضیٰ: ۲۳۰)

یہ ایسا دور تھا جس کو اسلامی تاریخ کا انتہائی نازک دور کہنا چاہیے، اختلاف وانتشار اور بدامنی کا بازار گرم تھا، اسی کے ساتھ ہی قاتلینِ عثمان سے قصاص لینے کا مطالبہ بھی شروع ہو گیا، لہٰذا آپ رضی اللہ عنہ نے یہ صورتِ حال دیکھ کر سب سے پہلے قاتلینِ عثمان کے متعلق پتہ لگانے کا حکم دیا، تلاش وجستجو کے باوجود قاتلینِ عثمان کا کچھ پتہ نہیں چل سکا۔

اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے خلافتِ عثمانی کے تمام گورنروں کو معزول کر کے اپنے گورنر بھیجنے کا حکم دیا، چناں چہ حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ کو ملکِ شام کی گورنری کا پروانہ دے کر روانہ کیا جہاں حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ پہلے سے گورنر تھے؛ لیکن حضرت سہیل کو مقامِ تبوک سے واپس آنا پڑا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے وجہ دریافت کی تو جواب دیا کہ راستے میں ملکِ شام کے چند سوار ملے تھے، جنھوں نے کہا کہ ملکِ شام میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا خون آلود کُرتا پہنچ چکا ہے اور لوگ قاتلینِ عثمان

سے قصاص لینے کے لیے سامانِ حرب و آلاتِ جنگ تیار کر رہے ہیں۔

جنگ جمل اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کردار

آپ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں کفار سے جہاد تقریباً موقوف رہا، جس کی وجہ سے اسلامی مملکت کی حدود میں اضافہ نہ ہوسکا؛ البتہ داخلی فتنوں کو مٹانے میں آپ نے بڑا اہم رول ادا کیا، جن میں فتنۂ خوارج سب سے خطرناک تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں تین بڑی جنگیں ہوئیں: جنگِ جمل، جنگِ صفین اور جنگِ نہروان آخری جنگ خارجیوں سے ہوئی، جس کو قابلِ تحسین کہا گیا ہے جس کے متعلق بعض حدیث میں پیشین گوئی اور پسندیدگی کے کلمات بھی وارد ہوئے ہیں؛ البتہ پہلی دو جنگ اپنوں سے ہوئی جس کے لیے فریقین راضی نہ تھے۔ بہت سارے محتاط حضرات ان لڑائیوں سے ہٹ کر دور چلے گئے تھے جن کو ''قاعدین'' کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔

پہلی لڑائی جمل کے نام سے بصرہ کے قریب ہوئی، بربنائے احتیاط یہاں وہ بات نقل کی جارہی ہے جس کو امام اہلِ سنت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی رحمہ اللہ نے ذکر فرمایا ہے کہ: یہ لڑائی جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں ہوئی، جس کا صحیح پس منظر یہ ہے کہ: حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ و زبیر رضی اللہ عنہ جب بلوائیوں کے جبر سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعتِ خلافت کر چکے تو بہ اجازتِ خلیفہ مدینہ چل دیے۔ امّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس سال حج کو گئی ہوئی تھیں اور اس وقت تک مکۂ مکرمہ ہی میں مقیم تھیں، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ

وزبیرؓ نے سارا واقعہ ان سے جا کر بیان کیا کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیے گئے ہیں اور بلوائیوں نے لوگوں پر جبر کر کے حضرت علیؓ کو خلیفہ بنا کر بیعت کرائی ہے اور اس وقت مدینۂ منورہ میں سخت فتنہ برپا ہے، آپ ام المؤمنین ہیں، آپ کی پناہ میں مسلمانوں کو امن ملے گا، آپ ایسی کوشش کیجیے کہ کسی طرح یہ فساد دور ہو، حضرت علیؓ مصلحت اس میں سمجھتے ہیں کہ ابھی قاتلانِ عثمان سے قصاص لینے میں سکوت کیا جائے، حالاں کہ اس سکوت سے بلوائیوں کا زور بڑھتا جا رہا ہے، حضرت علیؓ کا کہنا یہ ہے کہ پہلے تمام مسلمان بیعت کر کے ایک خلیفہ کے ماتحت جمع ہو جائیں اس کے بعد بہ آسانی بلوائیوں کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے ان جھگڑوں میں پڑنے سے انکار کیا، حضرت طلحہؓ وزبیرؓ نے قرآنِ مجید کی وہ آیت پڑھی جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے درمیان صلح کی کوشش کا حکم دیا ہے، بالآخر حضرت عائشہؓ ان کی رائے سے متفق ہو گئیں اور مشورہ طے پایا کہ جب تک بلوائیوں کا زور کم نہ ہو مدینہ نہ جانا چاہیے؛ بلکہ عرب سے باہر کوئی عافیت کی جگہ تجویز کرنا چاہیے اور کسی تدبیر سے حضرت علیؓ کو ان فسادیوں کے گروہ سے نکال کر اپنے ساتھ لے لینا چاہیے جس سے تمام کام بہ آسانی ہو جائیں گے، حضرت عثمانؓ کا قصاص بھی لے لیا جائے گا اور بلوائیوں کو سزا بھی دے دی جائے گی، چناں چہ اس مشورے کے مطابق یہ حضرات بصرہ کی طرف روانہ ہوئے، ادھر بلوائیوں کو اس کا پتہ چلا تو حضرت علیؓ کے سامنے اصل بات چھپا کر دوسری باتیں مرچ مسالے کے ساتھ ملا کر

بیان کی اور یہ بتایا کہ وہ لوگ آپ کے خلاف بغاوت کرنا چاہتے ہیں، حالاں کہ اُن حضرات کی نیت یہ نہ تھی؛ لیکن فسادیوں نے حضرت علیؓ کو اصل حقیقت کی ہوا تک لگنے نہ دی، حضرت علیؓ یہ سن کر بصرہ کی جانب روانہ ہوئے، حضراتِ حسنین، حضرت عبداللہ بن جعفرؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اِس کے مخالف تھے؛ لیکن فسادیوں کی رنگ آمیزی کی بنا پر ان حضرات کی ایک نہ چلی۔

مصالحت کی کوششیں اور فسادیوں کی سازش

جب حضرت علیؓ کی فوج بصرہ پہنچ گئی تو آپؓ نے حضرت قعقاعؓ کو قاصد بنا کر حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کے پاس بھیجا، حضرت قعقاعؓ اولاً حضرت عائشہؓ سے ملے اور صاف صاف فرما دیا کہ میرا مقصود صرف اصلاح ہے کہ کسی طرح یہ فتنہ وفساد ختم ہو کر امن قائم ہو جائے، اس کے بعد حضرت قعقاعؓ نے حضرت طلحہؓ وزبیرؓ سے ملاقات کی اور پوچھا کہ آپ لوگوں نے اصلاح کی کیا صورت سوچی ہے، ان دونوں نے کہا کہ قاتلانِ عثمان سے قصاص لیے بغیر امن نہیں ہوسکتا، حضرت قعقاعؓ نے کہا یہ تو اسی وقت ممکن ہوگا جب کہ تمام مسلمان متفق ہو جائیں؛ لہٰذا آپ حضرات کو چاہیے کہ حضرت علیؓ سے مل جائیں، پھر تمام لوگ آپس میں مل کر مشورے سے اس کی تدبیر کیجیے کہ امن وامان کس طرح قائم ہوگا! یہ رائے ان دونوں حضرات کو بھی پسند آئی اور حضرت قعقاعؓ صبح حضرت علیؓ کے پاس خوشخبری لے کر گئے، حضرت علیؓ بھی بہت خوش ہوئے، تین دن لگاتار خط وکتابت اور پیام

کا سلسلہ چلتا رہا، تیسرے دن شام کو یہ بات طے پائی کہ علی الصباح حضرت علیؓ کی ملاقات حضرت طلحہ وزبیرؓ کے ساتھ اس طرح ہو کہ ان بلوائیوں میں سے کوئی بھی اس مجلس میں شریک نہ ہونے پائے، بلوائیوں کو اس بات کا علم ہوا تو سخت پریشان ہوئے؛ اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ اس تنہائی کی ملاقات کے بعد حضرت علیؓ ہمارے قابو سے نکل جائیں گے اور ہماری شامت آجائے گی، ان لوگوں نے سوچنا شروع کیا کہ کوئی ایسی تدبیر نکالی جائے کہ ملاقات ہی نہ ہونے پائے۔

مشہور منافق عبداللہ بن سبا بھی ان فسادیوں میں صرف شامل ہی نہ تھا؛ بلکہ سب کا سردار بنا بیٹھا تھا، اس نے یہ رائے دی کہ آج ہی رات لڑائی شروع کردو اور حضرت علیؓ کو یہ اطلاع دو کہ اس فریق نے بدعہدی کر کے جنگ شروع کردی ہے، چناں چہ ایسا ہی ہوا اور ان مفسدوں نے خود ہی رات کے آخری حصہ میں حملہ شروع کردیا جس کا دوسری طرف سے بھی جواب دیا گیا۔

حضرت علیؓ کے لشکر میں یہ شہرت تھی کہ حضرت طلحہؓ وزبیرؓ نے بدعہدی کی ہے اور اس طرف یہ مشہور تھا کہ حضرت علیؓ کی طرف سے بدعہدی ہوئی ہے، غرض یہ کہ بڑی سخت لڑائی ہوئی دونوں طرف سے تقریباً تیرہ ہزار مسلمان شہید ہوئے، حضرت طلحہ وزبیر بھی اسی موقع سے شہید ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت طلحہؓ وحضرت زبیرؓ کی شہادت

حضرت طلحہؓ تو میدانِ جنگ میں ہی شہید ہوگئے۔ لڑائی کے وقت حضرت

علی رضی اللہ عنہ گھوڑا بڑھا کر میدان میں آئے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے کہا: ابو عبد اللہ تمھیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا کہ: کیا تم علی کو دوست رکھتے ہو؟ تو تم نے عرض کیا تھا کہ ہاں یا رسول اللہ! لہٰذا تم یاد کرو اس وقت کو جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم سے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ہاں! اب مجھے یاد آ گیا، یہ پیشین گوئی یاد کر کے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ لڑائی سے منہ موڑ کر الگ چلے گئے؛ لیکن راستے میں بدبخت ابن جرموز نے آپ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ یہ کمبخت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو شہید کر کے انعام کی امید لے کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ: امیر المؤمنین! مبارک ہو! میں نے آپ کے دشمن کو قتل کر دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوچھا، کس کو؟ اس نے کہا: زبیر رضی اللہ عنہ کو، آپ نے تعجب و افسوس سے ملے جلے لہجہ میں تصدیق کے لیے دوبارہ دریافت کیا: زبیر کو؟ اس نے کہا: ہاں! زبیر کو، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں تجھ کو خوشخبری سناتا ہوں کہ تو دوزخ میں جائے گا۔ اُس نے کہا واہ! آپ رضی اللہ عنہ نے خوب انعام دیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: مجھ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا: يا علي بشر قاتل ابن صفية بالنار، یعنی اے علی! میری پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے بیٹے کو جو قتل کرے اس کو تم دوزخ کی خوشخبری سنا دینا، یہ سن کر ابن جرموز نے خودکشی کر لی، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ منظر دیکھا اور بلند آواز سے تکبیر پڑھ کر فرمایا کہ دیکھو ہادیٔ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو فرمایا تھا، کیسا سچ نکلا!!!۔

(سیرت خلفائے راشدین، مؤلفہ: حضرت مولانا عبد الشکور فاروقی نور اللہ مرقدہ، ص: ۱۷۲ تا ۱۷۶)

تلواریں ہاتھ میں تھیں اور دل صاف تھے

لڑائی ختم ہونے کے بعد حضرت علی، حضرت حسن، حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہم میدانِ جنگ میں مقتولین کی لاشیں دیکھنے کے لیے تشریف لے گئے، ایک جگہ پہنچ کر حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے آواز دی کہ اے والد محترم! بخدا قریش کا ایک نوجوان بچہ یہاں پڑا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: کون ہے؟ جواب دیا کہ محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ”واللہ کان شابا صالحا“، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کا گذر حضرت طلحہ کی نعش مبارک پر ہوا، تو آپ رضی اللہ عنہ ان کو دیکھ کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ ابو محمد یہاں اس حالت میں پڑے ہیں!!! کاش! میں آج سے بیس برس پہلے مر گیا ہوتا، اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ بار بار چومتے رہے، ساتھ ہی یہ بھی فرماتے رہے کہ یہ وہ ہاتھ ہے جس نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تکلیفوں کو دور کیا تھا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اہلِ جمل کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا وہ مشرک تھے؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: نہیں وہ شرک سے دور بھاگتے تھے، کہا کہ: پھر وہ منافق تھے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، منافق تو اللہ کو بہت کم یاد کرتے ہیں، پھر پوچھا گیا کہ: جب بات یہ ہے کہ تو اب ان کو اور کیا سمجھے، تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا ”إخواننا بغوا علینا“ وہ ہمارے بھائی ہیں، ہمیں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔

(تطہیر الجنان بحوالہ سیرت خلفائے راشدین، مؤلفہ: مولانا عبد الشکور فاروقی)

اس لڑائی میں قدم قدم پر ایسے واقعات پیش آئے جو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم

کی صفائی قلب پر دلالت کرتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب حملہ کی اطلاع پہنچی تو آپ رضی اللہ عنہا اونٹ پر سوار ہو کر آئیں؛ تاکہ اپنے جاں نثاروں کو سمجھا کر روک سکیں؛ لیکن آپ کی فوج نے جب ام المؤمنین کو خود تشریف لاتے دیکھا تو اور زور سے حملہ کرنے لگے؛ تاکہ اپنی بہادری و دلیری دکھا کر قرب ونزدیکی حاصل کرسکیں، اور اُدھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بہادروں نے ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو دیکھا تو اسی طرف بڑھے: تاکہ آپ کو بچا کر جلد از جلد لڑائی ختم کرلیں، اسی میں دونوں طرف سے کئی ہزار جنگجو مارے گئے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اونٹ پر سوار ہو کر تشریف لانے ہی کی وجہ سے اس لڑائی کو ''جنگِ جمل'' کہا جاتا ہے۔

اسی طرح اختتامِ لڑائی پر لوگوں نے مالِ غنیمت اور قیدیوں کے متعلق دریافت کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: مالِ غنیمت جمع نہ کیا جائے، اس لیے کہ یہ لوگ ہمارے ہی بھائی ہیں۔ (مستدرک حاکم بحوالہ سیر الصحابہ،۱/۲۷۵)

غرض لڑائی سے فارغ ہو کر حضرت علی رضی اللہ عنہ، امّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور خیریت دریافت کی، ام المؤمنین رضی اللہ عنہا نے بھی احوال معلوم کیے، اس کے بعد آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو عزت واحترام سے مدینہ کی جانب روانہ کیا اور دور تک پیادہ پا رخصت کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔

دار الخلافہ حجاز مقدس سے نکل کر عراق منتقل ہو گیا

پہلے ذکر کیا جاچکا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مدینہ ہی میں تھے جہاں بیعتِ

خلافت ہوئی، جس کے بعد حضرت علیؓ کو خلیفہ مان لیا گیا اور حضرت عائشہؓ حج کرنے کے لیے مکہ گئی ہوئی تھیں، حضرت طلحہؓ وزبیرؓ نے مکہ پہنچ کر دار الخلافہ مدینۂ منورہ کی حالت بیان کی، ان تمام باتوں کو سن کر باہم مشورہ سے یہ تمام حضرات حجاز چھوڑ کر عراق میں بصرہ کی جانب نکل گئے اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت بھی چل پڑی، مدینۂ منورہ میں حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو اِن حضرات کو سمجھانے کے لیے دار الخلافہ مدینۂ منورہ سے نکل کر بصرہ کی طرف کوچ کیا، اور یہیں پر ''معرکۂ جمل'' پیش آیا، اس کے بعد حضرت علیؓ کوفہ چلے گئے اور پھر لاکھ چاہنے کے باوجود مدینۂ منورہ واپسی نہ ہوسکی اور مع لشکر کے کوفہ ہی میں مقیم ہو گئے، اس طرح دار الخلافہ حجاز سے عراق منتقل ہو گیا، لہٰذا آپؓ بصرہ میں چند دن قیام کے بعد کوفہ روانہ ہوئے، اہلِ کوفہ نے قصرِ امارت میں شاہانہ انتظام کیا؛ لیکن زہد وقناعت کے شہنشاہ نے اس میں رہنے سے انکار فرما دیا اور کہا کہ: عمر بن خطابؓ نے ہمیشہ ان عالی شان محلات کو حقارت کی نظر سے دیکھا ہے، مجھے بھی اس کی ضرورت نہیں، میرے لیے میدان ہی بہتر ہے۔ (سیر الصحابہ ۱/۲۷۱)

حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے درمیان گفتگو اور جنگ صفین

کوفہ پہنچ کر آپؓ نے ملک کا نظم ونسق درست کیا اور حضرت معاویہ کو خط لکھا کہ: ''تم اور تمہارے ماتحت جس قدر مسلمان ہیں، سب پر میری بیعت لازم ہے، کیوں کہ مہاجرین وانصار نے عمومی اتفاق سے مجھے منصبِ خلافت کے لیے

منتخب کیا ہے، حضرات ثلاثہ: ابوبکر و عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کو بھی ان ہی لوگوں نے منتخب کیا تھا، پس تم بھی مہاجرین وانصار کی اتباع کرو، یہی سب سے بہتر طریقہ ہے، رہا قاتلانِ عثمان سے قصاص کا معاملہ تو بیعت کے بعد ہم آپس میں بیٹھ کر کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق اس کا فیصلہ کریں گے''۔ (سیر الصحابہ ۱/ ۲۷۷)

جب حضرت معاویہؓ کو خط پہنچا تو انہوں نے حضرت ابومسلم خولانی کے ہاتھوں جواب لکھ کر روانہ کیا جس میں انہوں نے قاتلینِ عثمان کو حوالے کر دینے پر اصرار کیا تھا، ابومسلم نے خط کا جواب لے کر دربارِ خلافت میں پیش کرنے کے بعد بڑے رنج وغم سے عرض کیا کہ: میری گزارش ہے کہ اگر حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دو تو تمام اہلِ شام خوشی سے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے، یا تو ہمارے حوالے کر دو یا بیچ میں سے ہٹ جاؤ، ہم خود ان سے قصاص لے لیں گے، ابومسلم خولانی جب پیغام پہنچا کر باہر نکلے تو تمام لشکریوں نے بلند آواز سے چلا کر کہا کہ: ''ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں''، اس وقت تقریباً دس ہزار کا مجمع تھا۔ ابومسلم نے تعجب سے کہا کہ معلوم ہوتا ہے سب نے آپس میں سازش کر رکھی ہے، حضرت علیؓ کی طرف سے جواب دیا گیا کہ تم اس سے سمجھ سکتے ہو کہ حضرت عثمانؓ کے قاتلوں پر میرا کہاں تک اختیار ہے، گویا حالت یہ ہے کہ نہ ان کو چھوڑا جا سکتا ہے اور نہ بہ آسانی حوالے کیا جا سکتا ہے۔ (سیر الصحابہ ۱/ ۲۷۸، ۲۷۹)

غرض صلح واتفاق کی تمام کوششیں ناکام ہو گئیں، اور پھر وہی ہوا جو نہیں ہونا

چاہیے تھا، یعنی صفین کے مقام پر دونوں اسلامی لشکر ٹکرائے۔ اس لڑائی کے بارے میں امامِ اہلِ سنت حضرت مولانا عبد الشکور فاروقیؒ رقم طراز ہیں کہ: اس لڑائی کی بنیاد یہ تھی کہ حضرت معاویہؓ حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ چاہتے تھے، اور حضرت علیؓ فرماتے تھے کہ بلوائیوں کی قوت زیادہ ہے، لہٰذا ابھی ان سے قصاص نہیں لیا جاسکتا، حضرت معاویہؓ یہ کہتے تھے کہ آپ ان کے درمیان سے ہٹ جائیں تو میں ابھی ان سے قصاص لے لوں، درمیان میں صلح کی کوششیں برابر جاری رہیں؛ لیکن بے سود، اسی بات میں کسی قدر طول ہوا جس کا بھرپور فائدہ بلوائیوں نے اٹھایا اور جنگِ جمل کی طرح یہاں بھی اپنی فطری عیاری و مکاری کا جال بچھایا، حتی کہ نہ چاہتے ہوئے بھی حضرت علیؓ و حضرت معاویہؓ کو فوج کشی کرنی پڑی۔ چناں چہ صفین کے مقام پر بڑا سخت مقابلہ ہوا، لڑائی اپنے اختتام کو پہنچنا چاہتی تھی کہ اہلِ شام کی طرف سے قرآنِ کریم کے نسخے نیزوں پر باندھ کر بلند کیے گئے، گویا زبانِ حال سے کہہ رہے تھے کہ ہمارے درمیان قرآن فیصل ہوگا، اور اس کے لیے دو شخص مقرر کیے جائیں گے، ایک حضرت علیؓ کی طرف سے اور ایک حضرت معاویہؓ کی طرف سے، دونوں مل کر جو فیصلہ کریں گے فریقین اس پر عمل کریں گے، حضرت علیؓ نے اپنی طرف سے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو اور حضرت معاویہؓ نے عمرو بن عاصؓ کو حکم مقرر کیا، اور دونوں کو میدانِ جنگ سے دور دومۃ الجندل میں بھیج دیا گیا، چند مہینوں کے بعد فیصلہ حضرت علیؓ کے خلاف کیا گیا، جس کو سن کر

حضرت علیؓ کے لشکر سے ایک بڑی جماعت علاحدہ ہوگئی، جس سے حضرت علیؓ کو بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، ان کا کہنا یہ تھا کہ دیکھو ہم نے پہلے ہی منع کیا تھا کہ حَکَم بنانا درست نہیں ہے، حکم تو صرف اللہ کا چلتا ہے، اس لیے کہ قرآن کہتا ہے: ان الحکم إلا لله تم نے ہماری بات نہیں مانی، لہٰذا ہم بھی تمہاری بات نہیں مانتے، اس کے بعد ان لوگوں نے حضرت علیؓ کے لشکر سے نکل کر نہروان کو اپنا مرکز بنالیا، چوں کہ انہوں نے حضرت علیؓ کے لشکر سے خروج کیا تھا؛ اس لیے ان کو ''خارجی فرقے'' سے یاد کیا جاتا ہے۔

حضرت علیؓ وحضرت معاویہؓ کی باہمی محبت

جنگِ صفین اگرچہ بڑی خون ریز رہی؛ مگر دیکھنے کے قابل جو بات ہے وہ یہ کہ اس لڑائی میں حضرت علیؓ نے مدِّ مقابل لشکر میں سے کسی کی تکفیر نہیں کی، اور نہ ہی حضرت معاویہؓ نے اپنے مخالفین میں سے کسی کو راہِ صواب سے بھٹکا ہوا قرار دیا، بلکہ لڑائی کے دوران یہ خبر بھی آئی کہ روم کے قریب عیسائیوں کی کوئی چھوٹی سی ریاست ہے، وہاں کے سردار نے مسلمانوں کے دو فریق کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھ کر سوچا کہ یہ اچھا موقعہ ہے کہ مدینہ پر چڑھائی کر کے اس پر قبضہ کرلیا جائے، چناں چہ اس نے تیاری بھی شروع کردی، حضرت معاویہؓ کو معلوم ہوا تو فوراً دھمکی بھرا خط لکھ کر بھیجا کہ: ''اے رومی بھیڑیے! تو ہماری آپسی لڑائی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، جس وقت تو مدینہ کی طرف رخ کرے گا تو بخدا علیؓ کے لشکر سے جو پہلا

سپاہی تیری طرف بڑھے گا اس کا نام معاویہ بن ابی سفیان ہوگا'' ان الفاظ کا اثر ظاہر ہے کس قدر ہوا ہوگا، چناں چہ اس خط کے پہنچنے پر اس کی ہمت ٹوٹ گئی اور حملہ کرنے سے باز آ گیا۔ (تاریخِ طبری مترجم، جلد دوم)

اسی طرح حضرت علیؓ نے فرمایا کہ: ''اے لوگو! معاویہ کی حکومت کو بُرا نہ سمجھو، خدا کی قسم! جب وہ نہ رہیں گے تو دنیا میں سخت بدامنی پھیلے گی۔ موجودہ دور میں اختلافات کی وسیع خلیج کے درمیان ایسے ہی مقدس حضراتِ صحابہ کے اسوہ کو اپنانے کی ضرورت ہے۔ (نہج البلاغہ بحوالہ سیرت خلفائے راشدین ۱/ ۸۰)

خوارج کی سرکشی اور ان کی سرکوبی

خوارج نے اسلام کا لبادہ اوڑھ کر ''إن الحکم إلا للہ'' کا خوبصورت نعرہ لگایا اور اس کی غلط؛ مگر خوشنما تشریح کر کے بہت سے سر پھروں کو اپنے ساتھ ملا لیا؛ لہٰذا اس نئے فتنے کو مٹانے کے لیے حضرت علیؓ ان کی طرف متوجہ ہوئے۔

حضرت علیؓ کو جمل و صفین کے معرکوں سے ابھی فراغت نہیں ملی تھی کہ خارجیوں کے نئے فتنے نے عالمِ اسلام کو پریشان کر دیا، چناں چہ انہوں نے خروج کر کے اول ''حروراء'' پر قبضہ جمایا، وہاں سے حضرت علیؓ کے حکم سے حضرت ابن عباسؓ سمجھا بجھا کر اکثروں کو واپس کوفہ لائے؛ لیکن دربارِ نبوی سے زبانِ رسالت ان کے بارے میں فتنہ پردازی کی پیشین گوئی صادر کر چکی تھی، کیسے یہ لوگ چین سے بیٹھتے، لہٰذا انہوں نے دوبارہ ایک نیا شوشہ چھوڑا کہ امیر المؤمنین بھی ہماری

طرح تحکیم کو کفریہ فعل سمجھتے ہیں، اور وہ بھی ”إن الحکم إلا للہ“ کے وہی معنی تسلیم کرنے لگے جو ہم کہتے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ کو اس کا علم ہوا، تو انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ: میری طرف جھوٹی نسبت کی جارہی ہے، میں نے ایسا کچھ نہیں کہا؛ بلکہ میں جماعتوں کے درمیان صلح کے لیے حَکَم بنانے کو صحیح مانتا ہوں۔ خارجیوں نے یہ سن کر دوبارہ خروج کر کے بیعت توڑ ڈالی اور ”نہروان“ کو اپنا مرکز بنا کر عبد اللہ ابن وہب الراسی کو اپنا سردار منتخب کرلیا، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خود بھی بہت سمجھایا اور دوسرے حضرات کو بھی سمجھانے کے لیے کہا؛ لیکن شرپسندوں کو نہیں ماننا تھا لاکھ سمجھانے کے باوجود بھی نہ مانے اور لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے؛ لہٰذا مزید کوشش کرنا ”بھینس کے آگے بین بجانے“ کے مترادف تھا؛ اس لیے نہ چاہتے ہوئے بھی آپ رضی اللہ عنہ مجبور ہو کر اس فتنے کو کچلنے کے لیے لشکر لے کر بڑھے اور نہروان کے قریب جا کر پڑاؤ کیا، چوں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت و بہادری زبان زد تھی؛ لہٰذا بہت سارے خارجی لشکرِ علی رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر ہی واپس آپ رضی اللہ عنہ کے پرچم تلے آ گئے اور تجدیدِ بیعت کی، بہت سارے کوفہ چلے گئے، جس سے عبد اللہ بن وہب کی فوجی طاقت کافی حد تک کمزور پڑ گئی؛ لیکن جو رہ گئے تھے وہ خود کو جنگ کے دلدادہ اور لڑائی کے شہسوار سمجھتے تھے، چناں چہ عبد اللہ بن وہب نے اپنی باقی ماندہ فوج کو لڑنے کی ترتیب میں کر کے زوردار حملہ کر دیا، جاں نثارانِ علی رضی اللہ عنہ نے بھی اسی زور سے حملہ کا جواب دیا، تلواروں سے تلواریں ٹکرائیں، بڑی سخت نیزے بازی ہوئی، لاشیں

گرتی رہیں، بالآخر بہادرانِ علیؓ کامیاب رہے، اور خارجی شکست کھا کر اِدھر اُدھر بھاگ گئے۔

دیگر فتنوں کی سرکوبی اور باغیوں کی گردن زدنی

اس فتنے کو دبا کر آپؓ ملک میں اٹھنے والی دوسری بغاوتوں کو فرو کرنے کے لیے کمر بستہ ہو گئے، چناں چہ نہروان سے بھاگے ہوئے خارجیوں میں خریت بن راشد نامی ایک شریر قسم کا خارجی تھا، اس نے دوسری طرف جا کر اپنی جماعت بنالی اور لوٹ مار شروع کر دی، اسی کے ساتھ ساتھ لوگوں کو بغاوت پر ابھارنے لگا، آپؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے اس کا پیچھا کر کے سب سے پہلے اسی کا کام تمام کیا۔ اس کے بعد کرمان و فارس کی طرف متوجہ ہوئے، جہاں کے ذمیوں نے خراج دینے سے منع کر کے بغاوت کر دی تھی، لہٰذا آپؓ نے ان کو راہ راست پر لانے کے لیے زیاد بن امیہ کو بھیجا، جنھوں نے بہت جلد کامیابی حاصل کر لی اور امن وسکون کا ماحول پیدا کر دیا، اس طرح بیت المال میں پھر سے خراج آنا شروع ہو گیا، یہ دیکھ کر حضرت علیؓ نے ایرانیوں کو بے تحاشا انعامات وتحائف سے نوازا، جس سے وہ بھی خوش ہو گئے۔

ان بغاوتوں کو ختم کرنے کے بعد آپؓ سیستان اور کابل کی طرف بڑھے جہاں کے عرب گورنر خود مختار بننا چاہتے تھے، ان کو قابو میں کرنے کے بعد واپس حجاز کی طرف پلٹے؛ لیکن بہت دیر ہو چکی تھی، مکہ و مدینہ اور یمن پر اہلِ شام قابض

ہو چکے تھے، جن کو مقبوضہ علاقوں سے نکالنا پہاڑ ڈھونے کے مترادف تھا، اسی کے ساتھ لشکریانِ علی کے جنگجو بھی مسلسل جنگوں اور لڑائیوں کی وجہ سے اکتا گئے تھے؛ لہٰذا انھوں نے مزید لڑائی سے انکار کر دیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کوفہ آ گئے اور آخری کوشش کے طور پر جامع مسجد میں بڑا پُر جوش خطبہ دیا جس میں لوگوں کو لڑائی کے لیے نکلنے پر ابھارا، سامعین بھی جوش میں آ گئے اور نعرہ لگاتے ہوئے خلافت کی حفاظت کے خاطر لڑنے کے لیے تیار ہو گئے؛ لیکن افسوس جنہوں نے ساتھ دینے کا عہد کیا تھا وہی بے وفائی پر اتر آئے، جب لشکر کوچ کے لیے تیار ہوا تو چند سو سواروں کے علاوہ کوئی اور تیار نہ ہوا، جس سے آپ رضی اللہ عنہ کو شدید تکلیف ہوئی۔ (سیر الصحابہ ۱/۲۹۷)

اس آخری خطبہ سے آپ رضی اللہ عنہ کا منشا یہ تھا کہ فوج جمع کر کے دوبارہ ملکِ شام پر حملہ کیا جائے، اور مکہ و مدینہ، یمن و مصر سے شامی فوجیوں کو بھگا کر خلافت کے امور اطمینان وسکون سے انجام دیے جائیں، قاتلوں سے قصاص بھی لیا جائے، مجرموں اور باغیوں کو سزا بھی دی جائے، اسی طرح اسلامی حکومت بڑھانے کی طرف توجہ بھی دی جائے، اور اتحاد و اتفاق، اخوت و بھائی چارگی اور مساوات کی جو فضا حضور پُر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضراتِ شیخین رضی اللہ عنہما کے مبارک زمانہ میں تھی وہ پھر سے لوٹ آئے اور کافروں کے ناپاک وجود سے اللہ کی زمین پاک کی جائے، اس مبارک کام کے لیے آپ رضی اللہ عنہ نے اہلِ کوفہ کے ساتھ ساتھ اطراف کے لوگوں سے فوجی مدد طلب کی، لیکن افسوس قسمت کی ستم ظریفی کہیے یا نوشتۂ تقدیر کی سچائی یا

صحابۂ کرام کی مقدس جماعت کی ناقدری کا نتیجہ، آپ رضی اللہ عنہ تیاریاں کر ہی رہے تھے کہ ابن ملجم خارجی کی بدبختی عروج پر پہنچ گئی۔

قتل کے لیے مشاورت اور امیر المؤمنین خلیفۂ چہارم کی شہادت

اِدھر آپ رضی اللہ عنہ ملکِ شام پر دوبارہ حملہ کی تیاریوں میں مصروف تھے اور اُدھر مکۂ مکرمہ میں نہروان سے بھاگے ہوئے خارجی حج کے موقعہ پر جمع ہوئے اور حالاتِ حاضرہ پر گفتگو کرنے لگے، درمیان میں موجودہ لڑائیوں کا ذکر بھی آیا کہ ان سنگین حالات میں کیا کرنا چاہیے، آخر میں یہ مکروہ قرارداد پاس ہوئی کہ اسلام کے تین ستون: حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے (نعوذ باللہ منہ) جن کی وجہ سے دنیائے اسلام خانہ جنگیوں اور اندرونی لڑائیوں میں مبتلا ہے؛ تاکہ اسلامی مملکت روز بروز کی لڑائیوں سے نجات پالے اور پوری تاریخِ اسلام بدل جائے۔ ان بدنصیبوں نے یہ نہ سوچا کہ جن ہستیوں پر وہ دست درازی کرنے جارہے ہیں ان ہی کی برکت سے کتنے فتنے رکے ہوئے ہیں، چناں چہ ان بدبختوں نے مستقبل کے نتائج پر غور کیے بغیر اپنے مشورے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ایسا ہی کیا، اور تین خارجی اس ناپاک مہم کے لیے تیار ہوئے، انہوں نے آپس میں تذکرہ کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان کے بھائیوں کو۔ جو اہلِ نہروان میں سے تھے۔ قتل کیا ہے، اب ہم باقی رہ کر کیا کریں گے: لہٰذا ہمیں اپنے بھائیوں کے خون کا بدلہ لینا چاہیے، اگرچہ اس میں ہماری جان ہی

کیوں نہ چلی جائے۔

چناں چہ ان میں سے ایک خارجی جس کا نام عمرو بن بکر تمیمی ہے اس نے کہا کہ: میں عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کو قتل کروں گا، دوسرے بد بخت نے زبان کھولی جس کا نام برک بن عبد اللہ تمیمی ہے اس نے کہا کہ: میں معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کو ختم کروں گا، اتنا کہنے کے بعد ایک لمحہ کے لیے محفل پر خاموشی چھا گئی، کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لیں، بالآخر عبد الرحمٰن بن عمرو المعروف بہ ابن ملجم نے سکوت توڑتے ہوئے کہا: علی کو میں راستے سے ہٹاؤں گا، ان نامرادوں نے رمضان کے مبارک مہینے کی ۱۷/ تاریخ طے کی، اور یہ بھی طے کیا کہ جس کو جہاں قتل کرنا ہے وہ اسی شہر میں رات گزارے گا، اور ایک ہی وقت یعنی صبح صادق کے وقت جب کہ یہ حضرات نماز کے لیے آتے ہیں، اپنے اپنے حریف کو قتل کرے گا۔

(تاریخ ابن خلدون حصہ اول)

اس طرح مشورے کے بعد تینوں اپنی اپنی مہم پر روانہ ہوئے، پہلے دو ناکام ہوئے؛ اس لیے کہ اتفاق سے عمرو بن عاص اس دن نماز پڑھانے نہیں آئے تھے، ان کا حملہ آور آپ رضی اللہ عنہ کو پہچانتا نہ تھا؛ اس لیے آپ رضی اللہ عنہ کے نائب امام کو قتل کر دیا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنا بچاؤ کر لیا، اس طرح یہ دونوں اپنے اپنے فعلِ بد میں ناکام ہوئے؛ البتہ تیسرا خارجی ابن ملجم کامیاب ہوا۔

ادھر یہ بد بخت مکہ سے نکل کر کوفہ پہنچا، خارجی یہاں بھی موجود تھے، یہ ان

کے یہاں آنے جانے لگا، اتفاقاً قطام بنت شجنہ نامی عورت سے آنکھ لڑ گئی، ابن ملجم نے پیغامِ نکاح دیا، چوں کہ یہ بھی خارجیہ تھی اور حضرت علیؓ سے انتقام لینا چاہتی تھی، لہٰذا اس نے نکاح کا پیغام قبول کرلیا، اور مہر کے لیے غلام و دراہم کے ساتھ ساتھ خونِ علیؓ کا بھی مطالبہ کیا، یہ بدبخت اس خوبصورت پری جمال عورت کے دامِ حسن میں ایسا گرفتار ہو گیا تھا کہ اصل مقصد بھول گیا تھا، اُس نے جب یاد دلایا اور قتل پر ابھارا تو فوراً تیار ہو گیا، ایک تیز دھار دار تلوار خریدی، جس کو روزانہ زہر میں ڈبوتا تھا۔ (سیرۃ علی بن ابی طالب عربی: ۵۷۰، ۵۷)

حضرت علیؓ کی شہادت

ایک دن آپؓ معمول کے مطابق فجر کے وقت گھر سے مسجد کے لیے نکلے، روزانہ کی طرح لوگوں کو نیند سے بیدار کرتے ہوئے "الصلاۃ، الصلاۃ" کہتے مسجد کی طرف تشریف لے جا رہے تھے، کہ مسجد کے قریب پہنچتے ہی بدبخت ابن ملجم نے تلوار کا ایک زبردست وار آپؓ کے سر مبارک کے اگلے حصہ پر کیا، وار خالی نہ گیا، صحیح جگہ لگا جس سے گہرا زخم آیا، اور خون بہہ بہہ کر داڑھی مبارک کو رنگین بنانے لگا، آپؓ نے آواز لگائی: پکڑو! اور جعدہ بن ہبیرہ کو حکم دیا کہ نماز پڑھاؤ، آپؓ کو گھر لایا گیا، ساتھ ہی ساتھ ابن ملجم کو بھی پکڑ کر لایا گیا، اہلِ خانہ نے ان کے بارے میں قتل کر دینے کا پوچھا تو منع کر دیا اور فرمایا کہ: اس کو قید میں رکھ کر اچھا سلوک کیا جائے، اگر میں زندہ رہا تو جو بہتر سمجھوں گا وہ کروں گا، اور اگر

مرجاؤں تو ایک جان کا بدلہ ایک ہی جان سے لیا جائے وہ بھی مُثلہ کیے بغیر، ایسا نہ ہو کہ تم لوگ پوچھ تاچھ شروع کردو اور دوسروں کو مارنے لگو، یا خود اس کو بے دردی سے مارو پیٹو، ایسا کرنے سے بچو، اس لیے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مُثلہ کرنے سے منع فرمایا ہے۔ یہ ہے اسلام کی حقیقی تعلیم کہ خلیفۂ وقت شہید ہورہے ہیں اور ایک جان کے بدلے ایک جان کا حکم صادر ہورہا ہے، انصاف کے جھوٹے علَم برداروں کے یہاں کسی ایک آدمی کا قتل ہوجائے پھر پوچھ تاچھ، گرفتاریاں اور نہ جانے کیسے کیسے ظلم وستم کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد اپنے صاحبزادے حضراتِ حسن رضی اللہ عنہ وحسین رضی اللہ عنہ کو عمدہ نصیحتیں فرمائیں، لوگوں نے آپ کے بعد خلافت حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے سپرد کرنے کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ: تم کو جو مناسب لگے وہ کرو۔

بہرحال تلوار چوں کہ زہر آلود تھی، جس کی وجہ سے پورے جسم میں اس کا اثر تیزی سے پھیل گیا، زندگی نے مزید وفا نہ کی، بالآخر ۱۷/ رمضان ۴۰ھ کی صبح صادق کو فضل وکمال، علم وعمل، اور رشد وہدایت کا یہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون. (سیر الصحابہ ۱/۳۴۰)

شہادت ہے مطلوب ومقصودِ مؤمن		نہ مالِ غنیمت نہ کشور کشائی
ہوئے قربانِ راہِ حق، پیا جامِ شہادت بھی		شہیدِ راہِ حق ہیں وہ، سبھی ابرار کہتے ہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت پر ایک نظر

داخلی شورشوں کا مقابلہ اور فتنوں کی سرکوبی

آپ رضی اللہ عنہ کی خلافت تقریبا پانچ سال رہی، یہ پورا زمانہ خانہ جنگیوں اور بغاوتوں کی آماجگاہ بنا جس میں ایک لمحہ بھی آپ رضی اللہ عنہ کو اطمینان وسکون کا نصیب نہ ہوا۔

شہادتِ عثمان کے بعد جب خلافت کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں لی تو صرف دار الخلافہ مدینہ ہی نہیں؛ بلکہ پوری اسلامی دنیا خانہ جنگیوں کا شکار تھی، خلیفہ چوں کہ نبی کا نائب ہوتا ہے، اور نائبِ رسول کی شہادت کوئی ایسی بات نہ تھی جس سے صرفِ نظر کی جاتی، لہٰذا سچّے اہلِ ایمان نے قصاص کا مطالبہ کیا تو ان کی آڑ لے کر مفسدوں نے بھی بڑا زبردست فتنہ مچایا، ان ہی فتنوں کو دبانے میں آپ رضی اللہ عنہ کا پورا زمانۂ خلافت صَرف ہوگیا۔

قصاص کا مطالبہ کرنے والوں میں ملکِ شام کے گورنر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، چوں کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ خاندانِ امیہ سے تعلق رکھتے ہیں، اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا قبیلہ بھی بنوامیہ میں سے تھا، اور اہلِ عرب کی خاندانی ونسبی رفاقت بڑی مشہور ہے؛ اس لیے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اموی ہیں اور میں بھی اموی ہوں، لہٰذا خونی رشتہ ہونے کی بنا پر میں قصاص کا زیادہ حقدار ہوں، حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم آپس میں بھائی بھائی ہیں، میں بھی بدلہ لینا چاہتا ہوں؛ لیکن میں قاتلوں ہی میں گھِر کر رہ گیا ہوں، اسی میں لڑائی تک نوبت آ پہنچی ہے،

میرے لیے قصاص لینا کتنا مشکل ہے۔ یہ اختلاف صرف نظریات کی حد تک محدود رہا، اس کا اثر بیرونی زندگی پر بالکل نہیں پڑا، جنگ تو مفسدین اور حقیقی قاتلین نے چھیڑی تھی، اگر ان لوگوں کی شرارتیں نہ ہوتیں تو تاریخِ اسلام جمل وصفین کے نام سے بھی واقف نہ ہوتی؛ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو کون جان سکتا ہے، اگر یہ واقعات رونما نہ ہوتے تو امت اس قسم کے اختلافات میں رہنمائی کے اصولوں سے آشنا نہ ہو پاتی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے سلسلے میں جہاں یہ لکھا جائے گا کہ: آپ رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں اسلامی مملکت اندرونی خلفشار کی وجہ سے وسعت نہ پاسکی، وہیں یہ بھی لکھا جائے گا کہ: آپ رضی اللہ عنہ نے دینِ حنیف کی حفاظت اور اس کو بلوائی فتنے سے بچانے میں اپنی آخری کوشش صَرف کردی؛ ورنہ ظاہر میں یہی محسوس ہوتا تھا کہ بلوائی سچے دین میں تحریف کرڈالتے کہ حق وباطل میں تمیز مشکل ہوجاتی، خود مسئلۂ تحکیم کو دیکھ لیا جائے کہ قرآن مقدس کی ایک آیتِ کریمہ میں کس طرح تحریف کے درپے ہوئے!!۔

ملکی نظم ونسق اور عُمّال کی نگرانی: آپ رضی اللہ عنہ ملک کا انتظام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نظام کی طرح چلانا چاہتے تھے، چناں چہ ایک مرتبہ نجران کے یہودیوں نے جن کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حجاز سے نکال دیا تھا، انتہائی عاجزی سے درخواست کی کہ ہمیں واپس اپنے قدیم وطن آنے کی اجازت دی جائے، لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے منع کردیا

اور فرمایا کہ: اس معاملہ میں عمر سے زیادہ کون صحیح رائے والا ہوسکتا ہے۔ (سیر الصحابہ ۱/ ۳۰۴) ملک میں نظم ونسق ضروری تھا؛ اس لیے منع کردیا، کیوں کہ یہودیوں کی فطرت میں فتنہ پردازی ہے۔

اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ نے عُمّال کی نگرانی اور گورنروں کے بارے میں پوچھ تاچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہی کے موافق رکھی، جب کسی کو عامل یا گورنر مقرر کرتے تو رخصت ہوتے وقت اس کو عمدہ نصیحتیں کرتے، اور وقتاً فوقتاً ان کے طرزِ عمل کی تحقیق بھی کرتے، مستقل اس کے لیے حضرت کعب ابن مالک رضی اللہ عنہ کو مامور فرمایا، وہ اس کی تحقیق کرتے کہ گورنر خلافِ سنت کام تو نہیں کررہے ہیں۔ ایک مرتبہ اُردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے کچھ رقم لی اور غلام باندی خرید کر آزاد کردیے، آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو اس کی پوچھ تاچھ کے بعد روپیہ واپس کرنے کا حکم دیا۔

(سیر الصحابہ ۱/ ۳۰۴)

<u>محصولات کی نگرانی:</u> آپ رضی اللہ عنہ نے محصول اور ٹیکس کے سلسلے میں خاص اصلاحات جاری کیں، مثلاً آپ رضی اللہ عنہ سے پہلے کسی خلیفہ نے جنگلات کے لیے ٹیکس کا نظام نہیں بنایا تھا؛ لیکن آپ نے اس پر بھی ٹیکس لگایا اور ان سے حاصل ہونے والے پیسے کو ملکی ترقی اور بیت المال کے لیے مخصوص کردیا۔ اسی طرح گھوڑوں کے سلسلے میں زکوٰۃ موقوف کردی؛ تاکہ گھوڑے بہ کثرت فراہم ہوسکیں؛ ورنہ اگر زکوٰۃ وصول کی جاتی تو لوگ گھوڑوں کی افزائش سے رک جاتے اور اس سے جنگ میں

رکاوٹ پیدا ہو جاتی؛ اس لیے اُس وقت زکوۃ روک دی؛ لیکن فی زمانا تجارت کے گھوڑے وغیرہ دوسرے جانور ہوں تو سال گذرنے پر زکوۃ ادا کی جائے گی؛ غرض آپ محصولات وٹیکس کے سلسلے میں نہایت سختی کا معاملہ کرتے تھے۔

(کتاب الخراج: ۵۰ بحوالہ سیر الصحابہ ۱/ ۳۰۵، ۳۰۶)

رعایا کے ساتھ شفقت: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ملکی انتظام کے ساتھ ساتھ رعایا کا بھی بڑا خیال رکھا تھا، اسی لیے آپ کے وجودِ مسعود کو رعایا کے لیے سایۂ رحمت تسلیم کیا گیا ہے، آپ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بیت المال، غربا ومسکینوں کے لیے کھلا رہتا تھا، جو رقم اس میں جمع ہوتی تھیں مستحقین میں تقسیم کر دیتے، صرف اپنے ہی نہیں؛ بلکہ ذمّی بھی اس سے فائدہ اٹھاتے، آپ رضی اللہ عنہ ذمیوں کا بھی بڑا خیال رکھتے، اور ان کے معاملے میں بکثرت نرمی اختیار کرتے۔ (سیر الصحابہ: ۱/ ۳۰۵)

فوجی انتظامات: آپ رضی اللہ عنہ خود ایک تجربہ کار جرنیل اور قابل سپاہی تھے، لہٰذا اپنے تجربات کی روشنی میں فوجی انتظام بہتر سے بہتر بنانے کی کوشش کی، چناں چہ ملکِ شام کی سرحد پر بڑی کثرت سے فوجی چوکیاں قائم کیں، جس سے شام کے ساتھ ساتھ حجاز کی بھی حفاظت ہوتی تھی۔ اسی طرح ایران میں بغاوتیں بکثرت ہوتی تھیں، لہٰذا باغیوں کی شرارت سے عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے بڑے مضبوط قلعے تعمیر کرائے، اور جنگی تعمیرات کے سلسلے میں دریائے فرات کا پُل بھی آپ نے ہی تعمیر کرایا، اس کے علاوہ دیگر فوجی انتظامات کی طرف آپ رضی اللہ عنہ نے

کامل توجہ فرمائی۔ (طبری: ۳۴۴۵ بحوالہ سیر الصحابہ: ۱/ ۳۰۶)

مذہبی خدمات: خلیفۂ وقت کا سب سے اہم فرض دین ومذہب کی حفاظت، اس کی اشاعت، ابلاغ وتبلیغ اور خود مسلمانوں کی مذہبی وملّی تعلیم وتلقین ہے، اس معاملے میں تو آپ رضی اللہ عنہ عہدِ نبوت ہی سے ممتاز تھے، چناں چہ یمن کے علاقوں میں اسلام کی روشنی آپ ہی کی کوششوں سے پھیلی۔ مسندِ خلافت پر بیٹھنے کے بعد سے اپنی زندگی کی آخری گھڑی تک اس فرض سے غافل نہ ہوئے، ایران اور آرمینیہ میں بعض نومسلم عیسائی مرتد ہو گئے تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت فکرمندی سے اس کی وجہ دریافت کی، اور دوبارہ دائرۂ اسلام میں لانے کی تدبیر پر عمل کا حکم فرمایا۔

جرائم اور اس سلسلے کے انتظامات: اسی طرح آپ نے مسلمانوں کی اخلاقی نگرانی کی طرف بھی توجہ فرمائی، مجرموں کو پکڑا اور ان کے جرم کی نوعیت معلوم کرکے اس کے موافق سزائیں جاری فرمائیں۔ سزا دینے میں بھی اعتدال رکھا، چناں چہ کوڑے مارنے والوں کو ہدایت دی تھی کہ چہرہ اور شرمگاہ کو نشانہ نہ بنایا جائے، عورتوں کے سلسلے میں کہا کہ: سزا دیتے وقت ان کے کپڑے اچھی طرح بدن کو چھپائے ہوئے رہے؛ تاکہ کوئی عضو نہ کھل جائے۔ جرم کا اقرار کرنے والے مجرم کو ایک ہی دفعہ اقرار کرنے پر سزا یا جزا دینے کو کافی نہ سمجھتے؛ بلکہ دو یا تین مرتبہ اقرار کرواتے، چناں چہ ایک مرتبہ ایک شخص آیا اس نے کہا کہ: میں نے چوری کی ہے حد جاری کیجیے، آپ رضی اللہ عنہ غصہ ہو گئے اور بھگا دیا، دوسری مرتبہ آیا آپ رضی اللہ عنہ

نے پوری کیفیت معلوم کی، جرم ثابت ہوا، پھر اس کے بعد سزا دی۔ بلا جرم کے سزا نہیں دیتے تھے، ایک مرتبہ ایک شخص چوری کی غرض سے ایک مکان میں داخل ہوا؛ لیکن چوری کرنے سے پہلے ہی پکڑا گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے بغیر حد جاری کیے ایسے ہی چھوڑ دیا اور کہا کہ: اس نے چوری نہیں کی ہے، لہٰذا حد کیسے جاری کی جائے۔ قیدیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کا حکم فرماتے، ان کے لیے اچھا اور بہترین کھانے کا انتظام کرتے۔ حضرت عمر نے تعزیر اور لوگوں کو عبرت دلانے کے لیے چند سزائیں مقرر کی تھیں، آپ رضی اللہ عنہ نے ان کو باقی رکھا اور کوئی شخص ایسا جرم کرتا جو قابلِ تعزیر ہوتا تو آپ رضی اللہ عنہ یہ سزا اُس پر جاری کرتے تھے۔

غرض آپ نے ملک کے انتظام کی وہ تمام کوششیں کر لی تھیں جو ایک اسلامی ملک میں ہونا چاہیے۔

اوصاف وکمالات

فقہی مقام

آپ رضی اللہ عنہ کو بچپن ہی سے درسگاہِ نبوت میں تعلیم وتربیت حاصل کرنے کا موقعہ ملا جس کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا، اکثر سفر میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا، یہی وجہ تھی کہ سفر کے متعلق اکثر مسائل صحابۂ کرام آپ رضی اللہ عنہ سے دریافت فرماتے اور پوچھنے والوں کو آپ کا حوالہ دیتے۔ اپنی فقیہانہ ومجتہدانہ شان

میں یکتا تھے، قرآنِ کریم سے مسائل نکالنے میں آپ کا کوئی ثانی نہ تھا، چناں چہ تحکیم کے مسئلہ میں جب خارجیوں نے قرآنِ کریم سے جھوٹا استدلال کیا تو آپ نے بھی "وإن خفتم شقاق بينهما" سے اس کا منہ توڑ جواب دیا۔ آپ چوں کہ کاتبِ وحی بھی تھے؛ اس لیے ناسخ ومنسوخ کے علم میں باکمال تھے۔ علمِ حدیث میں آپ تمام صحابہ پر فضیلت رکھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد تقریباً تیس برس تک آپؓ ارشادات وافادات کی مسند پر درس دیتے رہے، خلفائے ثلاثہ کے عہد میں بھی یہ خدمت آپ ہی کے سپرد رہی، ان کے بعد خود آپ کے زمانۂ خلافت میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔

دیگر اوصاف

آپؓ ایک طرف میدانِ جنگ میں تلوار کے دھنی تھے تو دوسری طرف مسجد میں زاہد، شب بیدار، مفتی وقاضی کے ساتھ ساتھ علم وعرفان کے سمندر تھے۔ خوش خلقی میں اعلیٰ معیار پر تھے، عزم وحوصلے میں ضرب المثل تھے، خطابت وذہانت میں بے مثل، سخی وفیاض، دوسروں کا دُکھ بٹانے والے۔ مجاہد وجانباز ایسے تھے کہ نہ دنیا کو ترک کیا اور نہ آخرت کو فراموش کیا۔ حیرت ہے کہ ان تمام کمالات کے باوجود آپؓ نہایت سادہ زندگی گزارتے، نمک کھجور دودھ اور گوشت پر اکتفا کرتے، خلیفہ ہونے کے باوجود روزانہ گھریلو کام کاج خود کرتے تھے، غرض آپؓ اُن عالی مرتبہ بزرگوں کے خاتم تھے، جن کے بعد ان اوصاف کا حامل کوئی شخص

باقی نہ رہا، جس کی عزت وعظمت تمام عالمِ اسلام میں مسلّم ہو، اور جو جرأت وہمت کے ساتھ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کر سکے۔ حضرت عائشہؓ نے جب آپؓ کی شہادت کی خبر سنی تو فرمایا: اب عرب جو چاہیں کریں، کیوں کہ علیؓ کے بعد اب کوئی ایسا باقی نہ رہا جو لوگوں کو کسی بُرے کام سے منع کرے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ دوسرے صحابہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر نہیں کرتے تھے؛ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس شدت وقوت اور مہارت واسلوبِ حکیم سے حضرت علیؓ کرتے تھے، ان کے جیسا کمال کسی اور میں نہیں تھا۔ آپؓ گندی سیاست اور چالاکی وعیاری سے بالکلیہ پاک صاف تھے، ان کے نزدیک حق اور سچ کو تسلیم کرنا سب سے زیادہ ضروری ومفید تھا۔ (مسند احمد بن حنبل ۱/ ۱۴۰ بحوالہ سیر الصحابہ ۱/ ۳۱۵)

کسی نے آپ کے بارے میں کہا کہ: اگر حضرت علیؓ، حضرت فاروقِ اعظم کے بعد خلیفہ ہوتے تو فاروقی دور کو اپنی حالت پر باقی رکھتے، ہوسکتا ہے کہ عقلاً یہ خیال درست ہو، تاہم تقدیری فیصلوں کو بدلنا کسی کے بس کی بات نہیں ہے اور تقدیر کا مرتب کرنے والا اس کی حکمتوں سے بخوبی واقف ہے، یہی وجہ ہوسکتی ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ کی خلافت کے بعد عہدِ فاروقی کو واپس لانے میں کما حقہ کامیاب نہ ہوسکے۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ: حضراتِ شیخین کے دور میں جو سکون واطمینان تھا وہ آپ کے دور میں کیوں نہیں؟ تو فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے وزیر ہم تھے اور ہمارے وزیر تم ہو۔ یہ آپؓ کا کمال تھا کہ ایسے نازک

دور میں بھی فاروقی طرز پر خلافت کے امور انجام دینے کی کوشش کی، آپؓ کے زمانۂ خلافت میں صحابۂ کرامؓ کی جماعت بہت مختصر رہ گئی تھی، بڑے بڑے صاحبِ اثر اور جلیل القدر صحابہؓ فوت ہو چکے تھے، جو تھوڑی سی تعداد باقی تھی وہ سب منتشر تھی، اس کے باوجود آپؓ نے ہمت سے کام لیا، اور حتی الامکان اتفاق واتحاد کی کوشش کی۔ (تاریخِ اسلام و تاریخ ابنِ کثیر)

مثالی راست بازی

جنگِ جمل سے فارغ ہونے کے بعد آپؓ بصرہ میں داخل ہوئے تو قیس بن عبادہ نے کہا کہ: لوگ یہ کہتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے وعدہ فرمایا تھا کہ میرے بعد تم خلیفہ بنائے جاؤ گے، کیا یہ بات درست ہے؟ آپؓ نے فرمایا کہ یہ بات غلط ہے، میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہرگز جھوٹ نہیں بول سکتا، اگر ایسا ہوتا تو میں خلفائے ثلاثہ کو کیوں خلافت کی مسند پر بیٹھنے دیتا، اور کیوں ان کی بیعت کرتا۔ یہ جملہ آپؓ کے وصفِ صدق اور قلب کی صفائی پر دلالت کرتا ہے۔

(سیر الصحابہ ۱/۳۲۰)

آپ کے اوصاف ضرار اسدی کی زبانی

آپؓ کے اسی صدق وصفائی کے وصف کو یاد کر کے حضرت معاویہؓ نے ضرار بن ضمرہ اسدی جو حضرت علیؓ کے ساتھیوں میں سے تھے، ایک مرتبہ کہا کہ: حضرت علیؓ کے اوصاف وکمالات بیان کیجئے، ضرار نے کچھ عذر کیا اور ٹال مٹول

سے کام لینے کی کوشش کی؛ تاکہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ناگوار نہ ہو؛ لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ضد پر اڑے رہے، یہ حال دیکھ کر ضرار نے کہا کہ: اللہ کی قسم! علی مرتضیٰ بڑے طاقتور تھے، فیصلے کی بات کہتے تھے، انصاف کے ساتھ حکم دیتے تھے، علم ان کے اطراف وجوانب سے بہتا تھا، اور حکمت ان کے گرد ٹپکتی تھی، دنیا اور اس کی تازگی سے خوف کھاتے تھے، رات کی تنہائیوں سے اُنس ومحبت رکھتے تھے، بہت روتے اور فکر میں زیادہ رہتے تھے، لباس ایسا ہلکا منتخب کرتے جو کم قیمت ہو اور سستے داموں میں آسانی سے مل جائے، کھانا وہی تناول فرماتے جو بہ آسانی ہضم ہو سکے، ہمارے درمیان برابر رہ کر زندگی بسر کرتے تھے، خلافت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد بھی اپنی بڑائی ظاہر نہ ہونے دی، اور ہمیں ان کے قریبی ہونے کے باوجود ان کی ہیبت کی وجہ سے بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی، وہ ہمیشہ اہلِ دین کی تعظیم کرتے تھے، مساکین وکمزوروں کو اپنے پاس بٹھا لیتے تھے، کبھی کوئی طاقتور اپنی طاقت کی بنا پر آپ سے ناجائز فائدہ اٹھانے کی امید نہ کر سکتا تھا؛ اس لیے کہ آپ خود شجاع تھے، کوئی کمزور آپ کے انصاف سے مایوس نہ ہوتا تھا؛ اس لیے کہ آپ بڑے نرم دل اور انصاف پسند تھے۔

ضرار فرماتے ہیں: خدا کی قسم! میں نے ان کو کئی مرتبہ دیکھا کہ جب رات کا آخری حصہ ہوتا، تو اپنی داڑھی پکڑ کر اس طرح بے قرار ہوتے جیسے کوئی زخم خوردہ شخص بے چین ہوتا ہے، اور بہت دردناک آواز میں روتے ہوئے فرماتے: اے

دنیا! تو میرے سوا کسی اور کو دھوکا دے، تو میرے سامنے کیوں آتی ہے؟ مجھے کیوں شوق دلاتی ہے؟ یہ بہت بعید ہے کہ میں تیرے جال میں پھنس جاؤں؛ اس لیے کہ میں نے تجھے تین طلاق دے رکھی ہے، تیری عمر کم ہے اور تیری قدر و منزلت بہت حقیر ہے۔ آہ! راستے کا سامان کم، سفر لمبا اور راستہ خوفناک ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سارے اوصاف بیان کیے۔ یہ سن کر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ رونے لگے اور کہنے لگے کہ اللہ کی رحمت نازل ہو ابو الحسن پر، بخدا وہ ایسے ہی تھے، اس کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ضرار سے پوچھا کہ تم کو علی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے کیسا رنج ہوا، ضرار نے جواب دیا کہ جیسے کسی ماں کا ایک ہی فرزند ہو اور وہ بھی اس کی گود میں ذبح کر دیا جائے اس کو جتنی تکلیف و غم ہوگا اس سے کئی گنا بڑھ کر ہمیں رنج و غم ہوا ہے۔

(سیرت خلفائے راشدین:۱۸۱)

آپ کا ذہن بہت تیز تھا، اس کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے عہدِ نبوی ہی میں قرآنِ کریم پورا یاد کر لیا تھا۔ (سیر الصحابہ ۱/ ۷ ۳۳)

اسلام کی خدمت آپ کی سب سے بڑی خواہش تھی، اپنے عہدِ خلافت میں عام آدمیوں کی طرح بازاروں میں تشریف لے جایا کرتے تھے، کسی کو کمزور پاتے تو اس کی بھرپور مدد بھی کرتے تھے، غرض آپ کے اوصاف و کمالات کی ایک لمبی فہرست ہے۔ (طبقات ابن سعد ۲/ ۱۰۲ بحوالہ سیر الصحابہ ۱/ ۳۱۷)

علی رضی اللہ عنہ روحانیت کے بادشاہِ عالی گوہر ہیں

فلک ان کا سلامی ہے، بظاہر بوریے پر ہیں
علیؓ کے قلبِ پُر انوار سے یکسر منور ہیں
یہ سارے اولیا جو ملتِ بیضا کے رہبر ہیں
علیؓ کی اک نرالی شان ہے اصحابِ حضرت میں
سیادت میں، نجابت میں، سیاست میں عدالت میں
علیؓ بحرِ ولایت ہیں، علی کانِ طریقت ہیں
علی ہیں کامل واکمل شریعت میں طریقت میں
شجاعت میں، جلالت میں، فصاحت میں، بلاغت میں

تقریر وخطابت اور علمِ نحو

تقریر وخطابت میں آپ کو خداداد ملکہ حاصل تھا، مشکل سے مشکل مسائل پر بڑے بڑے مجمعوں میں برجستہ بلا کسی تکلُّف ودشواری کے لمبی لمبی تقریر فرمادیا کرتے تھے، جہاد کے لیے لوگوں کو ابھارنے میں آپ بڑے ماہر تھے، ایک مرتبہ آپ نے بڑی زوردار تقریر کی جس کے کچھ جملوں کا ترجمہ یہ ہے:

''جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے، جس نے اس کو چھوڑا اللہ نے اس کو ذلّت کا لباس پہنایا، دشمنوں کو اس پر غلبہ دیا، وہ قوم جس پر اس کے گھر میں آکر حملہ کیا جائے وہ رسوا وذلیل ہوتی ہے''۔

غرض اس طرح کے جوشیلے جملے کہے اور مجمع میں وہ روح پھونکی جس کے

اثر سے لبیک لبیک کی صدائیں گونجنے لگیں، اس کے علاوہ آپ شاعر بھی تھے، اور آپ نے خود اس وصف کو غزوۂ خیبر کے موقعہ پر ظاہر کیا تھا۔

علمِ نحو کے موجد ہونے کی نسبت بھی آپ ؓ کو حاصل ہے، ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ ایک شخص نے قرآنِ کریم غلط پڑھا، آپ نے سنا، تو خیال پیدا ہوا کہ اس طرح اگر چھوٹی چھوٹی غلطیاں کی جائیں گی تو قرآن اپنی شکل میں باقی نہ رہے گا؛ لہٰذا اس کے لیے کوئی قاعدہ بنانا چاہیے جس سے اعراب میں غلطی واقع نہ ہو، چناں چہ آپ ؓ نے ابوالاسود دئلی کو اس کام کا امر فرمایا، اس طرح علم نحو کے موجِد آپ ہی ٹھہرے۔

امانت ودیانت

آپ دنیا کے سب سے بڑے امین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے، اس لیے یہ وصف آپ کو بڑی کثیر مقدار میں ملا تھا، ہجرت کے موقعہ پر لوگوں کی امانتیں ویسی ہی لوٹا دی تھیں جیسی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دی تھیں، اپنے عہدِ خلافت میں بیت المال کو ذاتی خزانہ سمجھنے کی بجائے عوام کی امانت سمجھا اور ناحق ایک پیسہ بھی بے جا صَرف ہونے کو گوارا نہ کیا۔ حضرت ام کلثوم ؓ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ بیت المال میں نارنگیاں آئیں، حسن وحسین نے ایک نارنگی اٹھالی، آپ نے ان کے ہاتھ سے واپس لے کر لوگوں میں برابر تقسیم کردی۔

راہِ خدا میں خرچ کرنا

آپ زہد میں اعلیٰ مقام پر تھے، بلکہ آپ کی ذات پر گویا زہد کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اسی کے ساتھ ساتھ تنگدستی میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا یہ آپ کا ایسا نمایاں وصف ہے جو بہت کم لوگوں کے حصے میں آیا ہے، آپ رضی اللہ عنہ کے دَر سے کبھی کوئی سائل واپس نہیں گیا، ایک مرتبہ رات بھر کسی کے باغ کو پانی پلایا، تھوڑے سے جَو مزدوری میں ہاتھ آئے گھر لاکر پکایا، ابھی کھانے کے لیے بیٹھ ہی رہے تھے کہ ایک مسکین نے اللہ کے نام کی صدا بلند کی، بلا تاخیر فوراً پکا پکایا کھانا اس کو دے دیا۔

شجاعت و بہادری آپ کا مخصوص وصف تھا، آپ کا نام سن کر بڑے بڑے سورما و پہلوان کانپنے لگتے تھے، جیسا کہ تمام غزوات اس پر شاہد ہیں۔

دشمنوں کے ساتھ سلوک

ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ: ''پہلوان وہ نہیں جو دشمن کو پچھاڑ دے، بلکہ پہلوان وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے''، آپ رضی اللہ عنہ اس میدان کے مرد تھے، ایک دفعہ ایک لڑائی میں آپ رضی اللہ عنہ کا دشمن گر کر برہنہ ہو گیا، تو آپ اس کو چھوڑ کر کھڑے ہو گئے؛ تاکہ اس کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ اسی طرح جنگِ جمل کے موقع پر اپنے اور پرائے میں امتیاز کیے بغیر زخمیوں کی مرہم پٹّی کے لیے مستقل انتظام کروایا۔ دشمنوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور اچھے برتاؤ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ خود اپنے قاتل ابن ملجم کے متعلق وصیت کی کہ اس سے اچھا سلوک کرنا، کھانا

وغیرہ اچھا دینا، اور قتل کے وقت ناک، کان وغیرہ نہ کاٹنا؛ بلکہ عام طور پر قصاص جس طرح لیا جاتا ہے فقط اسی پر اکتفا کرنا۔ (طبقات ابن سعد: ۳)

اسلامی تقویم کا آغاز ہجرت سے ہو

آپ رضی اللہ عنہ کے کارناموں کی فہرست بڑی لمبی ہے، جس کا احاطہ ناممکن ہے، مگر ان میں ایک ایسا کام ہے جو اس وقت تک باقی رہے گا جب تک دنیا میں مسلمان موجود رہیں گے، اور وہ ہے اسلامی تقویم کی بنیاد اور تاریخ مقرر کرنے کے لیے ایک واقعہ متعین کرنا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت تک لوگ کسی حادثہ یا واقعہ کی تاریخ مختلف طریقوں سے یاد رکھتے تھے؛ بلکہ یہ دستور زمانۂ قدیم سے چلا آرہا تھا، جس میں لوگوں کے درمیان اختلاف بھی ہوتا تھا کہ کس بنیاد پر تاریخ مقرر کی جائے، بعض لوگ اہلِ فارس کی طرح اپنے بادشاہوں کی تخت نشینی یا ان کی پیدائش سے زمانہ کا تعین کرتے تھے، کچھ لوگ رومیوں کا طریقہ اپنانا چاہتے تھے، جب خلیفۂ ثانی حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی کیلنڈر کی ابتدا کے لیے کسی عظیم واقعہ کو بنیاد بنانے پر مشورہ ہونے لگا تو کسی کی رائے تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثتِ مبارکہ کو اسلامی جنتری کی ابتدا قرار دیا جائے، کسی نے رائے دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے ہمارا کیلنڈر شروع ہو، اس میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی رائے گرامی یہ تھی کہ جس دن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکۃ المکرمہ سے مدینۃ المنورۃ کی طرف

ہجرت فرمائی تھی اس کو اسلامی کیلنڈر کی بنیاد بنایا جائے، تمام صحابہؓ کو یہ رائے انتہائی پسند آئی، اور خلیفۂ ثانی نے حکم دیا کہ تاریخ کی تعیین ہجرتِ نبوی کی بنیاد پر کی جائے، اسی سے معلوم ہوا کہ آپ اصابتِ رائے میں بھی باکمال و بے مثال تھے، حتی الامکان اختلافِ رائے سے بچاتے اور جو درست رائے ہوتی اس سے مطلع فرماتے۔ (البدایۃ والنہایۃ بحوالہ ندائے شاہی، نعت النبی نمبر ص:۶۲۹)

آپؓ کے قضا و فیصلے

جس طرح آپ صاحبِ رائے اور دیگر اوصاف وکمالات میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، اسی طرح قضا و فیصلے کے بارے میں بھی آپ پر اعتراض نہیں کیا جا سکتا تھا، ان ہی خوبیوں اور مہارتوں کی بنا پر دربارِ رسالت سے آپ کو "واقضاھم علي" کا تمغۂ عظیم مل چکا تھا، صحابۂ کرامؓ کے درمیان بھی آپ قضا و فیصلے کرنے میں بلند مقام پر تھے، آپ نہایت عمدہ فیصلہ کرتے تھے، حضرت عمر فاروق اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہماری جماعت میں قاضی بننے کی صلاحیت علیؓ میں سب سے زیادہ ہے۔ بطورِ نمونہ چند فیصلے ملاحظہ ہوں:

ایک مرتبہ ایک عورت نے اپنے متعلق زانیہ ہونے کا اقرار کیا، چوں کہ انسان کا خود کی ذات کے بارے میں اقرار قبول کیا جاتا ہے؛ لیکن آپ نے فوراً سزا نہیں سنائی؛ بلکہ اس سے شرعی کارروائی کے مطابق مختلف انداز سے سوالات کرتے رہے وہ بھی برابر جواب دیتی رہی، جب آپؓ کو شرحِ صدر ہو گیا تو پھر

سزا سنائی۔ (تاریخ الخلفاء، جلد ثانی، بحوالہ سیر الصحابہ:۱/ ۳۱۸)

چوری کے الزام میں ایک شخص کو پکڑ کر لایا گیا، اسی کے ساتھ دو گواہ بھی لائے گئے، گواہوں کی وجہ سے فیصلہ کر دیا جاتا ہے؛ لیکن آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً فیصلہ نہیں کیا؛ بلکہ گواہوں کو سچ سچ بولنے کی تلقین کی، اور جھوٹی گواہی پر عذاب سے ڈرایا جس کی وجہ سے گواہ پھر گئے اور مجرم کو بے قصور پا کر آپ رضی اللہ عنہ نے رہا کر دیا۔

خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں بھی آپ نے ایک مرتبہ یمن میں دو عجیب وغریب فیصلے کیے، ان میں سے ایک یہ ہے: ایک ایسی عورت آئی جس سے تین مرد خلوت کر چکے تھے، جس کے نتیجے میں ایک لڑکا پیدا ہوا، اب ان تینوں میں اس بات پر جھگڑا ہوا کہ یہ نومولود کس کا ہے؟ ہر ایک دعویدار تھا کہ اُس کا ہے، عدالتِ علی رضی اللہ عنہ میں مقدمہ پیش ہوا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اس طرح فیصلہ کیا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصّے کیے، پھر ان تینوں کے درمیان قرعہ اندازی کی، ایک کے نام پرچی نکلی، بچہ اس کے حوالے کیا اور بقیہ دو کو دیت کے دو حصّے اِس بچہ لینے والے سے لے کر دلوائے، حضور پر نور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس اس فیصلے کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبسم فرمایا، اور تحسین کے کلمات کہے۔

(مستدرک حاکم ۱/ ۹۶۔ ۱۴۳۔ بحوالہ سیر الصحابہ ۱/ ۳۱۷)

غرض اس طرح کے عجیب وغریب فیصلے ایک دو نہیں؛ بلکہ بہت سارے ہیں اختصار کی غرض سے ان ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

فضائل ومناقب

ایک مرتبہ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہراؓ کے یہاں تشریف لے گئے، دریافت فرمایا: علیؓ کہاں ہیں؟ حضرت فاطمہ نے جواب دیا، مسجد میں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد تشریف لے گئے، دیکھا کہ آپؓ زمین پر اس حالت میں لیٹے ہوئے ہیں کہ بدن گرد آلود ہو رہا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؓ کے قریب تشریف لے گئے اور اپنے دستِ مبارک سے بدن سے مٹی جھاڑنے لگے اور زبانِ رسالت سے یہ بھی فرماتے رہے: ''اے ابوتراب اٹھیے، اے ابوتراب اٹھیے'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد مبارک حضرت علیؓ کے نام کا جزوِ لاینفک بن گیا اور اسی کنیت سے آپ مشہور ہوئے۔ آپؓ بھی اس کنیت سے خوب مسرور ہوتے تھے۔

حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: ''يا علي أنت مني وأنا منک، قال عمر: توفي رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وھو عنه راض''۔ (بخاری ۱/ ۵۲۵ ۳ بحوالہ ندائے شاہی نعت النبی نمبر: ۲۳۲)

دوسری حدیث میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ ایک موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''الحسن والحسین سیدا شباب أھل الجنة، وأبوھما خیر منھما''۔ (رواہ ابن ماجہ: ۱۳۰)

ایک اور روایت خود حضرت علیؓ ہی سے مروی ہے کہ جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ تجھ سے وہی محبت کرے گا جو مؤمن ہوگا، اور تجھ سے

وہی بغض رکھے گا جو منافق ہوگا۔ (رواہ ابن ماجہ: ۱۳۰)

غرض آپ کے فضائل ومناقب بے شمار ہیں جن کا احاطہ دشوار ہے، طوالت کے خوف سے ان ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے، آپ کی فضیلت ومنقبت کے لیے اتنا ہی کافی ہوگا کہ آپ رضی اللہ عنہ کی پوری تربیت وکفالت خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی اس شرف میں آپ کا کوئی شریک نہیں۔

آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد آپ رضی اللہ عنہ کے بڑے فرزند ارجمند حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا خطبہ

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد دوسرے دن حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے مسجد میں کھڑے ہوکر ایک شاندار تقریر کی، جس میں اپنے والد محترم خلیفۂ رابع حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''ایک ایسا آدمی بچھڑ گیا کہ اس جیسا علم وفضل والا آدمی نہ پہلے گذرا اور نہ بعد میں آئے گا، اگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی جنگ میں امیرِ لشکر بنا کر جھنڈا ان کے ہاتھ میں دیتے تو فتح یاب ہوکر ہی واپس لوٹتے تھے، یہ اس بہادر کی شان ہے۔ دنیا سے اس حالت میں رخصت ہوا جس نے نہ تو درہم چھوڑا ہے نہ دینار؛ مگر صرف سات سو درہم جو اپنے اہلِ خانہ کی کفالت کے لیے رکھ چھوڑے ہیں۔ یہ آپ کی دنیا سے بے رغبتی نہیں تو اَور کیا ہے!!!۔ (سیرۃ علی بن ابی طالب عربی: ۵۷۷، فضائل الصحابہ ۲/ ۷۳)

ازواج واولاد

آپ رضی اللہ عنہ کا پہلا نکاح ۲ھ میں محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی نورِ چشم

سیدہ فاطمۃ الزھرا رضی اللہ عنہا سے ہوا، جن کے بطنِ مبارک سے دو صاحبزادے حسن و حسین رضی اللہ عنہما پیدا ہوئے، کہا جاتا ہے کہ ایک اور صاحبزادے محسن بھی تھے جو بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔ صاحبزادیوں میں حضرت زینب الکبریٰ اور ام کلثوم تھیں، امِ کلثوم کا نکاح حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ہوا، کہا جاتا ہے ایک صاحبزادی رقیہ نام کی اور تھی، جو بچپن ہی میں انتقال کر گئیں۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے آپ رضی اللہ عنہ بے انتہاء محبت کرتے تھے، حضرت فاطمہ کی موجودگی میں کسی اور سے نکاح نہیں کیا، جب ان کا انتقال ہو گیا تو مزید نکاح کیے، جن سے بکثرت اولادیں ہوئیں، جن کے نام یہ ہیں: ۲ ام البنین بنت حذام سے چار صاحبزادے: عباس، جعفر، عبداللہ اور عثمان متولد ہوئے۔ ۳ لیلیٰ بنت مسعود سے عبیداللہ اور ابوبکر دو صاحبزادے پیدا ہوئے۔ ۴ اسماء بنتِ عمیس کے بطن سے محمد اصغر اور یحییٰ۔ ۵ صہبا بنت ربیعہ (جاریہ) سے ایک فرزند عمر اور ایک دختر رقیّہ پیدا ہوئی۔ ۶ امامہ بنت ابی العاص سے ایک فرزند محمد اوسط۔ ۷ خولہ بنت جعفر سے محمد اکبر جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ ۸ سعید بنت عروۃ سے ام الحسن، رملۃ الکبریٰ اور امِ کلثوم تین لڑکیاں پیدا ہوئیں۔

اولادِ نرینہ میں سے حضرت حسن، حضرت حسین، محمد بن حنفیہ، عباس، اور عمر سے آپ رضی اللہ عنہ کا سلسلۂ نسب جاری ہے۔ (ابن الاثیر وابوالفداء بحوالۂ المرتضیٰ: ۲۸۳)

غرض آپ رضی اللہ عنہ کی کل نرینہ اولاد چودہ اور زنانہ اولاد سات ہوئیں، ان کے علاوہ کنیزوں سے بھی اولادیں ہوئیں۔

وصیت نامہ

حضورِ اکرم، شفیعِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قول وفعل پر عمل کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہ نے انتقال کے وقت اہلِ خانہ کو وصیت فرمائی، جس کا مضمون یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وصلوٰۃ کے بعد فرمایا کہ: اے میرے پیارے بیٹو! میں تمہیں اللہ کا تقویٰ اختیار کرنے کی وصیت کرتا ہوں، نیز تم فرمانبرداری ہی کی حالت میں مرنا، موت تک اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرتے رہنا، اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو۔ اختلاف سے بچو، میں نے ابو القاسم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے سنا ہے کہ بلا شبہ آپس کے تعلقات کی اصلاح ودرستگی نفل نماز اور روزے سے افضل وبرتر ہے، اپنے قرابت داروں اور یتیموں وبے سہاروں کا خیال رکھو، اللہ تعالیٰ تمہارے حساب کو آسان کردے گا، تمہارے ہوتے ہوئے ان کے حقوق ضائع نہ ہوجائیں اس کا خاص خیال رکھو۔ اسی طرح پڑوسیوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پڑوسیوں کے حقوق کی بڑی تاکید کی ہے۔ نماز، روزہ، بیت اللہ کے بارے میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ سے ڈرتے رہو، یہ تمام کے تمام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے حقوق ہیں، اپنی جانوں اور مالوں سے راہِ خدا میں جہاد کرنے کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو، کہیں تمہارے اندر ریا ودکھلاوا نہ آجائے۔ زکوٰۃ وصدقات برابر ادا کرتے رہو، اس لیے کہ یہ مال کی صفائی اور اللہ کے غصہ کو

دور کرنے والی ہے۔ ظلم وزیادتی سے بچو۔ اصحابِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رعایت کرو۔ غرض اسی طرح کی عمدہ عمدہ باتوں اور حقوق کے بارے میں تاکیدی حکم دے کر آپؓ نے فرمایا: بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ سخت عذاب والا ہے، وہی تمہارا محافظ ونگہبان ہے، میں تمہیں اسی کے سپرد کرتا ہوں اور تمہیں سلام کہتا ہوں۔ (تاریخ ابن کثیر ۷/ ۴۳۵)

اس کے بعد کلمۂ شہادت کے علاوہ کچھ نہ بولے۔

یہ شہادت گہہِ الفت میں قدم رکھنا		لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

حکیمانہ اقوال

آپؓ کے بعض وہ حکمت سے لبریز اقوال جو مختلف اوقات میں آپ کی زبان سے جاری ہوئے:

فرماتے تھے کہ: بندوں کو چاہیے کہ صرف اپنے پروردگار سے امید رکھیں اور اپنے گناہ کے سوا کسی چیز کا خوف نہ کریں۔

فرماتے تھے کہ: جو شخص کسی بات کو نہیں جانتا اس کو سیکھنے میں شرم نہ کرنی چاہیے اور جب کوئی ایسی بات پوچھی جائے جس کا علم اس کے پاس نہیں ہے تو واللہ اعلم کہہ دے۔

ایک دن آپؓ قبرستان میں تشریف فرما تھے، کسی نے پوچھا: ابوالحسن یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ فرمایا: میں اِن لوگوں کو بہت اچھا ہمنشین پاتا ہوں کہ کسی کی

بدگوئی کرنے والے نہیں ہوتے اور آخرت کی یاد دلاتے ہیں۔

ایک مرتبہ فرمایا کہ: لوگ ابھی سو رہے ہیں، جب مریں گے اُس وقت بیدار ہوں گے۔

آخری وصیت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: اے لوگو! اللہ کی توحید پر قائم رہنا، کسی کو خدا کا شریک نہ بنانا، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت پر عمل کرنا، اگر یہ دونوں کام تم نے کر لیے تو تم ہر برائی سے دور رہو گے۔

(نہج البلاغۃ بہ حوالہ المرتضیٰ: ۲۸۶، ۲۸۷)

مراجع ومصادر:

① بخاری شریف ② مسلم شریف ③ ابن ماجہ شریف ④ تحفۃ القاری شرح بخاری ⑤ نصر الباری ⑥ تاریخ ابن کثیر ⑦ تاریخ طبری مترجم ⑧ تاریخ ابن خلدون مترجم ⑨ البدایہ والنہایہ مترجم ⑩ الکامل فی التاریخ لابن الاثیر ⑪ طبقات ابن سعد ⑫ تاریخ الخلفاء للسیوطی ⑬ تاریخ اسلام از اکبر شاہ نجیب آبادی ⑭ اصح السیر ⑮ سیر الصحابہ ⑯ سیرت علی بن ابی طالب ⑰ سیرت خلفائے راشدین از مولانا عبدالشکور فاروقیؒ۔

حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ

از قلم: عبد اللہ بلساڑی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابِ اول

حیات و خدمات

انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد اس دنیا میں سب سے پاکیزہ ومقدس جماعت اگر کوئی ہے تو وہ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی جماعت ہے، جنہوں نے آفتابِ ہدایت سے بلا واسطہ نور حاصل کیا، جن کے قلوب عشقِ نبی سے سرشار تھے، جو تمام کے تمام عدول تھے۔ حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی مقدس جماعت کمالاتِ نبویہ کی آئینہ دار اور اوصافِ رسالت کی مظہرِ اتم ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عاداتِ کریمہ، فضائلِ حمیدہ، شمائلِ فاضلہ اور شریعت کے تمام مسائل ودلائل، حقائق وآداب کے علماً وعملاً ترجمان ہیں، ان کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسلام کی نعمتوں اور برکتوں کو اقصائے عالم میں پھیلایا، یہاں تک کہ ایمان کے جانفزا جھونکے چلنے لگے، عبادت وتقویٰ کی سلطنت قائم ہوگئی، دربارِ الٰہی سے "رضی اللّٰہ عنھم ورضوا عنہ" کا مژدہ ملا اور دربارِ رسالت سے ''رہبر ورہنما'' قرار دیے گئے حتیٰ کہ بعض کو نام بہ نام دنیا ہی میں صراحتاً جنت کی بشارت دے دی گئی، ان ہی میں سے ایک خوش نصیب وبزرگ ہستی ''صعبہ'' کے لعل اور عبد اللہ کے نورِ نظر ''طلحہ'' بھی ہیں۔

پیدائش ونام ونسب

۵۹۶ء میں ہجرت سے اٹھائیس سال قبل حجاز کی مقدس سرزمین پر آپ کی پیدائش ہوئی۔

آپ کا نام طلحہ تھا اور کنیت ابو محمد تھی، آپ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ''طلحۃ الخیر، طلحۃ الفیاض، طلحۃ الجود اور زندہ شہید'' جیسے القاب سے نوازا تھا۔

(الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ۲/ ۲۵۰)

چوں کہ قریش کے متعدد قبائل تھے جن میں سے ایک تیم بن مرہ تھا جس کی طرف منسوب ہوکر آپ تیمی کہلاتے تھے، آپ کے والد کا نام ''عبید اللہ'' تھا جو آپ کے قبولِ اسلام سے پہلے ہی اس دنیا سے چل بسے تھے، والدہ کا نام ''صعبہ'' تھا جنھوں نے لمبی عمر پائی اور مشرف باسلام بھی ہوئیں۔ آپ کا نسب یہ ہے: طلحہ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب۔ آپ کا نسب ساتویں پشت (مرہ بن کعب) پر حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مل جاتا ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۲۔ تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام: ۵۲۲)

آپ کی والدہ صعبہ بنت عبداللہ بن عمار بن الحضرمی تھیں اور صعبہ کی والدہ عاتکہ بنت وہب تھیں اور وہب بن عبد تمام قریش کے صاحب الرفادہ تھے۔ (صاحب الرفادہ وہ لوگ ہیں جو حُجاج سے ان کے ضروری انتظامات کے لیے رقم وصول کرتے ہیں) نیز آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشہور سفیر علاء بن حضرمی

کی ہمشیرہ بھی تھیں۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۲، اصحابِ رسول اور ان کے کارنامے: ۴۳۴)

آپؓ کا حلیہ

آپؓ گندم گو اور دراز و حسین گیسوؤں کے مالک تھے، آپ کے بال نہ بالکل سیدھے تھے نہ انتہائی خم لیے ہوئے، اخیر عمر تک آپ کے بالوں پر ضعیفی کا اثر نہیں پڑا تھا، سرخ وسفید خوبصورت چہرہ تھا، باریک خوش نما ناک تھی، بدن خوب گٹھا ہوا تھا، سینہ چوڑا، پاؤں نہایت پر گوشت، ہاتھ کی انگلیاں غزوۂ احد میں شل ہوگئی تھیں۔ (ابن سعد: ۳/ ۱۵۶، تاریخ الاسلام للذہبی: ۵۲۳، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ۲/ ۲۵۰، سیر الصحابہ: ۲/ ۱۱۹)

بچپن اور قبولِ اسلام

آپؓ کے ابتدائی حالات سے تاریخ کا سینہ خالی ہے؛ لیکن یہ بات تو یقینی ہے کہ آپ کم عمری کے زمانہ سے ہی تجارت کی غرض سے شام جایا کرتے تھے، آپؓ گو کم سن نوجوان تھے اور عمر رسیدہ تجربہ کاروں کی طرح مہارت نہیں رکھتے تھے؛ مگر اپنی غیر معمولی ذہانت وبصیرت کی وجہ سے ان کے مقابلے میں اچھے سودے طے کرتے اور کامیابی حاصل کرلیا کرتے تھے۔

اُسی بازار میں جہاں صبح وشام حضرت طلحہؓ کی آمد ورفت کا سلسلہ رہتا تھا، ایک واقعہ پیش آیا جس نے نہ صرف ان کی زندگی کا رخ موڑ دیا؛ بلکہ پوری تاریخ کے دھاروں کو موڑ دیا۔ وہ خود اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ ایک

دن ہم بصریٰ کے بازار میں تھے، ایک راہب کو یہ اعلان کرتے سنا، اے گروہِ تجار! اس مجمع کے لوگوں سے پوچھو، کیا ان میں کوئی اہلِ مکہ میں سے ہے؟ میں اس وقت قریب ہی تھا، میں نے فوراً کہا: ہاں! میں اہلِ مکہ میں سے ہوں، تو اس نے پوچھا: ''کیا تمہارے یہاں ''احمد'' کا ظہور ہو چکا ہے''؟ میں نے تعجب سے پوچھا: کون احمد؟ اس نے کہا: ''ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب'' یہی مہینہ ہے جس میں ان کا ظہور ہونا ہے، وہ آخری نبی ہے، وہ تمہاری سرزمین: حرمِ مقدس میں مبعوث ہوں گے، اور وہاں سے اُس علاقہ کی طرف ہجرت کریں گے جہاں کالی پتھریلی زمین ہے، اور جہاں کھجوروں کے جھنڈ ہیں اور جہاں کی مٹی نمکین ہے جس سے پانی کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ اے نوجوان! اس پر ایمان لانے سے پیچھے نہ رہنا۔ فرماتے ہیں کہ: اس کی یہ بات دل میں گھر کرگئی، میں تیزی سے اپنے اونٹوں کے پاس پہنچا، انہیں تیار کیا، قافلہ کو چھوڑ کر جلد مکہ پہنچا اور گھر والوں سے دریافت کیا کہ ہماری غیر موجودگی میں یہاں کوئی عجیب واقعہ ہوا ہے؟ انہوں نے کہا کہ: ہاں! محمد بن عبداللہ ایک نیا دعویٰ لے کر کھڑے ہوئے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ میں نبی ہوں، اور ابو قحافہ کے بیٹے ابو بکر نے ان کی پیروی اختیار کی ہے۔

فرماتے ہیں: میں حضرت ابو بکرؓ کو پہلے سے جانتا تھا، وہ نہایت نرم مزاج، ہر دل عزیز اور رحم دل آدمی تھے، خوش اخلاق اور راست باز تاجر تھے، تمام لوگ ان کی صحبت میں بیٹھنا پسند کرتے تھے؛ کیوں کہ وہ قریش کی تاریخ سے باخبر

اوران کے انساب کے ماہر تھے۔ میں نے ان سے جا کر پوچھا کیا یہ بات صحیح ہے کہ محمد بن عبداللہ نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور آپ نے ان کی پیروی کی ہے؟ انہوں نے کہا: ''ہاں'' اور مجھے ان کے حالات سنا کر ان کے دین میں داخل ہونے کی ترغیب دی۔ میں نے جب ان کو راہب کی بات سنائی تو وہ حیران و ششدر رہ گئے، انہوں نے کہا: میرے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں چلو، ان کو یہ واقعہ سناؤ اور ان کی دعوت کو ان کی زبان سے سنو اور دینِ حق میں داخل ہو جاؤ۔

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کی دعوت کو سنا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے قرآن کا حصہ سنایا اور جنت کی بشارت دی، اللہ نے میرے سینے کو اسلام کے لیے کھول دیا۔ جب میں نے بصریٰ کے راہب کا قصہ سنایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر خوشی کے آثار پھوٹ پڑے، پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کلمۂ شہادت کا اقرار کیا اور اس طرح میں چوتھا شخص تھا جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی محنت سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ پر ایمان لایا۔

(صور من حیاۃ الصحابہ: ۴۸۷، ابن سعد: ۳/ ۱۵۳، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ۲/ ۲۵۱)

دین کے خاطر سختیاں برداشت کرنا

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے قبولِ اسلام کی خبر سن کر لوگ سکتہ میں پڑ گئے جیسے ان پر بجلی گر پڑی ہو، خصوصاً ان کی ماں کو اس کا بہت صدمہ پہنچا، وہ غم کے مارے نڈھال ہو گئی؛ کیوں کہ انہیں امید تھی کہ میرا بیٹا اپنے بلند اخلاق اور کریمانہ

عادات کی بنیاد پر ایک دن قبیلہ کا سردار بنے گا، چناں چہ قبیلہ والوں نے ان کو دینِ حق سے ہٹانے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا اور ہر قسم کے حربے آزمائے؛ لیکن چوں کہ ان کے دل میں اسلام راسخ ہو چکا تھا وہ ٹس سے مس نہ ہوئے اور مضبوطی سے اسلام پر جمے رہے۔

مسعود بن خراش رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک روز میں صفا و مروہ کے درمیان سعی کر رہا تھا، اسی دوران میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ ایک نوجوان کا پیچھا کر رہے ہیں جس کے دونوں ہاتھ گردن سے بندھے ہوئے ہیں، لوگ اس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، اسے دھکے دے رہے ہیں اور اس کے سر پر مار رہے ہیں، اس نوجوان کے پیچھے ایک بوڑھی عورت تھی جو چیخ چیخ کر اُسے گالیاں دے رہی تھی، میں نے پوچھا کہ: اس نوجوان کا کیا ماجرا ہے؟ تو انہوں نے بتلایا کہ یہ طلحہ ابن عبید اللہ ہے جو اپنے آبائی دین سے پھر گیا ہے، محمد کی پیروی کر لی ہے، میں نے پوچھا کہ ان کے پیچھے یہ بُڑھیا کون ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ: یہ اس نوجوان کی ماں صعبہ بنت حضرمی ہے۔ (صور من حیاۃ الصحابہ: ۴۸۸) ایک دن نوفل بن خویلد نے ۔جس کا لقب ''اسد القریش'' تھا۔حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک رسّی میں باندھ کر محلہ کے اوباشوں کے حوالہ کر دیا؛ تا کہ وہ انہیں سخت سزا دیں، اس وقت بنو تیم والوں نے بھی ان کو نہیں بچایا، اسی وجہ سے طلحہ رضی اللہ عنہ و ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ''قرینین'' کہا جاتا ہے۔

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۳، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ۲/ ۲۵۱)

یہ تو ایک دو روایت ہے جن کو تاریخ نے اپنے سینے میں محفوظ کرلیا؛ ورنہ کسے معلوم کہ تیرہ برس کی طویل مدت میں کیا کیا ظلم نہ سہے ہوں گے۔

ہجرتِ مدینہ

اسلام لانے کے بعد تیرہ برس تک آپ رضی اللہ عنہ اپنوں اور بیگانوں کا ظلم برداشت کرتے رہے اور ہدفِ تضحیک اور نشانِ ملامت بنے رہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت کے مطابق سارا دورِ ابتلا جھیلتے اور اس نازک ترین دور میں بھی تبلیغِ دین کرتے رہے، رفتہ رفتہ لوگ حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے گئے۔ ''دارِ ارقم'' جن زندہ دل پرستانِ توحید سے معمور رہتا ان میں سے ایک آپ رضی اللہ عنہ بھی تھے، محنت ومشقت برداشت کرتے رہے؛ لیکن نہ کبھی آزردہ ہوئے نہ ہمت ہاری؛ جب کافروں کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو ہجرت کا حکم نازل ہوا، تمام صحابہ یکے بعد دیگرے ہجرت کرنے لگے۔ آپ رضی اللہ عنہ چوں کہ خاموش زندگی بسر کرتے تھے اور تجارتی مشاغل میں بھی مصروف تھے، ایک مرتبہ تجارتی قافلہ کے ساتھ ملکِ شام سے واپس آرہے تھے، ادھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہجرت کے لیے نکل چکے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الجزار سے کوچ کیا تو صبح کے وقت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ملے، آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو شامی لباس پہنایا اور یہ اطلاع دی کہ اہلِ مدینہ نہایت بے چینی اور اضطراب کے ساتھ آپ کے منتظر ہیں، چناں چہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عجلت کے ساتھ مدینہ کی جانب روانہ ہوئے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ مکہ پہنچے اور تجارتی کاروبار سے فراغت حاصل کرنے کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اہل

وعیال کو لے کر مدینہ پہنچے اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ کے یہاں مہمان بنے۔

عقدِ مواخات

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں جو اقدامات کیے ان میں سے ایک اہم ترین اقدام ''مواخات'' ہے، چوں کہ مہاجرین، مکہ سے آچکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ محسوس کیا کہ کہیں یہ اہلِ مدینہ کے لیے باعثِ اذیت نہ بنے، نیز یہ کہ مہاجرین اپنے گھر بار، مال وزر، برادری اور خاندان کو چھوڑ کر آئے تھے ان کی دل شکنی نہ ہو؛ اس لیے آپ نے تمام مہاجرین وانصار کو یکجا جمع کر کے اخوتِ اسلامی کا درس دیا، اور ان کے درمیان مواخات قائم کی، اس میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا حضرت ابی بن کعب انصاری رضی اللہ عنہ سے مواخات کا رشتہ قائم فرمایا۔ (ابن سعد: ۳/ ۱۵۴)

عہدِ رسالت میں آپ رضی اللہ عنہ کا کردار

آپ رضی اللہ عنہ مدینہ پہنچ کر بھی اطمینان سے نہیں بیٹھے، دین کے پھیلانے میں پیش پیش رہے، دیکھتے ہی دیکھتے دو سال گذر گئے، کفارِ مکہ اب بھی اپنی شرارتوں سے باز نہ آئے تو ہجرت کے دوسرے سال سے غزوات کا سلسلہ شروع ہو گیا، آپ رضی اللہ عنہ نے تمام غزوات اور لڑائیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ کفر وشرک کا پہلا معرکہ بدر کی صورت میں رونما ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وسعید بن زید رضی اللہ عنہ کو ملکِ شام سے آنے والے قریش کے قافلہ کی خبر معلوم کرنے کے لیے روانہ کیا، دونوں ''الحوار'' تک پہنچے اور وہیں مقیم رہے، اور قافلہ ان کے پاس سے گذر گیا، ان کے

مطلع کرنے سے پہلے ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر پہنچ گئی اور آپ مقابلے کے لیے نکل پڑے، اِدھر یہ دونوں خبر پہنچانے کی غرض سے مدینہ کی طرف روانہ ہوئے، چوں کہ ان کو مسلمانوں کی روانگی کی اطلاع نہ تھی، جس روز حق و باطل کا مقابلہ ہوا اسی روز یہ مدینہ میں داخل ہوئے، یہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ جاں نثاروں کا قافلہ معرکۂ حق و باطل کے لیے نکل چکا ہے، چناں چہ یہ بھی مدینہ سے جنگ کی غرض سے روانہ ہوئے، اُدھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بدر سے کامیاب و کامران ہوکر واپس لوٹ رہے تھے، ''تربان'' میں ملاقات ہوئی، اگرچہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وسعید رضی اللہ عنہ اس جنگ میں عملاً شریک نہ تھے؛ تاہم وہ اپنی کارگزاریوں کے باعث مالِ غنیمت اور فضائل وثواب سے محروم نہ رہے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۴، سیر الصحابہ: ۲/ ۱۰۶)

غزوۂ احد

غزوۂ احد ۳ھ میں پیش آیا، اس جنگ میں پہلے مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا؛ لیکن کچھ غلط فہمیوں کی وجہ سے تیر انداز صحابہ رضی اللہ عنہم جیسے ہی اپنی جگہوں سے ہٹنا شروع ہوئے تو خالد بن ولید۔ جو اس وقت اسلام نہیں لائے تھے۔ چکر کاٹ کر پہاڑ کی جانب سے حملہ آور ہوئے، اس ناگہانی حملہ نے مسلمانوں کو ایسا بدحواس کیا کہ سارا لشکر تتر بتر ہوگیا، ستم بالائے ستم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی جھوٹی خبر پھیلائی گئی، ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے، ہوش وحواس ٹھکانے نہ رہے، صرف دس بارہ آدمی میدانِ جہاد میں ثابت قدم رہے جو شمعِ ہدایت کے ارد گرد سیسہ پلائی

دیوار بنے کھڑے رہے، اس وقت حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بھی پروانہ وار جاں بازی اور فداکاری کے حیرت انگیز جوہر دکھلا رہے تھے، کفار ہر طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھیرے ہوئے تھے، تیروں اور نیزوں کی بارش ہو رہی تھی، خوں آشام تلواریں چمک چمک کر آنکھوں کو خیرہ کر رہی تھیں اور تمام کفار صرف ایک ہستی کو فنا کرنے کے لیے یورش کر رہے تھے، اس نازک ترین وقت میں جمالِ نبوت کا یہ شیدائی ہالہ بن کر خورشیدِ نبوت کو آگے پیچھے دائیں اور بائیں ہر طرف سے بچا رہا تھا، نیزوں کے وار کو ہتھیلی پر روکتا، تلواروں اور نیزوں کے سامنے اپنا سینہ سپَر کر دیتا، پھر جب کفار کا نرغہ زیادہ ہوتا تو شیر کی طرح پُر جوش حملہ کرتا اور دشمن کو پیچھے ہٹا دیتا۔

ایک دفعہ کسی طرف سے ایک سنسناتا تیر آیا، ذاتِ اقدس نشانہ تھی، خادم جاں نثار حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر تیر اپنے ہاتھوں پر روک لیا، تکلیف کی شدت سے باوجود ہزار برداشت کے ان کی زبان سے نکلا ''حِسّ''، رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ ''حِسّ'' کی جگہ بسم اللہ کہتے تو فرشتے انہیں اٹھا کر لے جاتے اور لوگ اس نظارے کو دیکھتے؛ یہاں تک کہ فرشتے ان کو آسمان میں لے کر گھس جاتے۔

غرض حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حیرت انگیز جاں نثاری اور بہادری کے ساتھ دفاع کرتے رہے، تمام بدن زخموں سے چور تھا، پچھتّر یا سینتیس زخم آئے تھے جس میں سے ایک تیر پیشانی پر لگا، پاؤں کی رگ کٹ چکی تھی، ہاتھ شل ہو گیا تھا۔

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۴، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ۲/ ۲۵۲)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی زخمی تھے، سامنے کے دندانِ مبارک شہید ہو چکے تھے، جب حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے حملوں کے ذریعہ دشمنوں کو دور ہٹا دیا تو آپ رضی اللہ عنہ پلٹے اور رسالتِ مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نظر پڑی کہ آپ چٹان پر چڑھنا چاہتے ہیں؛ لیکن زرہ کی وجہ سے چڑھ نہیں پا رہے ہیں، عاشقِ رسول حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے جسم پر پچھتّر زخم تھے، ہاتھ لٹک رہا تھا؛ لیکن عاشقی کا تقاضا! اللہ اکبر! فوراً نیچے بیٹھ گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی پشت پر بٹھایا اور چٹان پر چڑھا دیا۔ (ترمذی ۲ / ۲۱۵)

یہی وہ فدائیت تھی جس پر انعام واکرام لازم تھا؛ لہٰذا اُنھیں "اوجب طلحۃ" (طلحہ کے لیے جنت واجب ہوگئی) کہہ کر نوازا گیا۔ (جامع ترمذی ۲ / ۲۱۵)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جب احد کا تذکرہ کرتے تو فرماتے کہ: ذالک یوم کلہ لطلحۃ" احد کا دن تو پورا کا پورا طلحہ کا تھا۔ (سیر الصحابہ ۲ / ۱۰۸)

خود حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو بھی اس کارنامہ پر بڑا فخر تھا، ہمیشہ مسرت اور شادمانی کے ساتھ غزوۂ احد کی داستان سنایا کرتے تھے۔ (سیر الصحابہ ۲ / ۱۰۸)

غزوۂ احد سے فتحِ مکہ تک جتنے بھی غزوات ہوئے ان تمام میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے اور نمایاں کردار ادا کیا، ۵ھ میں خندق کھودنے کی تجویز ہوئی تو اس کھدائی میں پیش پیش نظر آئے۔ بیعتِ رضوان میں شرفِ بیعت سے بھی مشرف ہوئے۔ غزوۂ خیبر وموتہ میں بھی ناقابلِ فراموش کردار ادا کیا۔ فتحِ مکہ میں مہاجر لشکر کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم رکاب رہے اور ۲۰ /

رمضان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سایۂ عاطفت میں حرمِ مقدس میں داخل ہوئے، شکر وسپاس کے جذبہ سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر کجاوے سے لگا جا رہا تھا، کلماتِ حمد وثنا زبانِ ثنا خواں پر جاری تھے، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ساتھ ہی لگے سن رہے تھے اور خود بھی تقدیس بجا لا رہے تھے۔ اس وقتِ خاص میں قربت ظاہر ہے کس قدر اعزاز بخش بات ہے۔ ۱۰ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی حج کے لیے مدینہ سے روانہ ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہی ذوالحلیفہ میں احرام باندھا۔

(اصحابِ رسول اور ان کے کارنامے: ۴۴۳)

صدمۂ فراقِ محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ربیع الاول ۱۱ھ میں دوشنبہ کے دن جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے پردہ فرما گئے تو حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو جو صدمۂ جاں کاہ پہنچا تھا اس کا ذکر کرنا مشکل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جدائی اور فراق نے آپ رضی اللہ عنہ کی زندگی کو بے کیف بنا دیا، وفات کا ایسا صدمہ تھا کہ جس وقت سقیفۂ بنی ساعدہ میں سیادت وخلافت کا فیصلہ ہو رہا تھا آپ رضی اللہ عنہ کسی گوشۂ تنہائی میں مصروفِ گریہ وزاری تھے۔ کبھی کبھی ٹھنڈی آہ بھر کر کہا کرتے: خدا نے ہر مصیبت کے برداشت کرنے کا حکم دیا ہے، اسی وجہ سے اپنے آقا کی جدائی پر میں صبرِ جمیل کی کوشش کرتا ہوں اور اپنے خدا سے توفیق بھی چاہتا ہوں؛ ورنہ یہ غم ایسا نہیں کہ سہا جا سکے۔

(اصحابِ رسول اور ان کے کارنامے: ۴۴۳، سیر الصحابہ: ۲/ ۱۰۶)

عہدِ صدیقی

جب سقیفۂ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر اتفاق ہوگیا تو حضرت طلحہؓ نے بھی کچھ دنوں بعد بیعت کی، آپ حضرت ابوبکرؓ کے مشیرِ خاص رہے اور ہر موڑ پر اپنے مفید مشوروں سے تعاون کرتے رہے، فتنۂ ارتداد سے نمٹتے وقت اکثر صحابہ کی یہی رائے تھی کہ منکرینِ زکوٰۃ سے عارضی طور پر نرمی برتی جائے؛ لیکن حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ حضرت طلحہؓ نے بھی اس کی مخالفت کی اور فرمایا وہ مذہب سچا نہیں ہوسکتا جس میں زکوٰۃ نہ ہو۔

۱۳ھ میں حضرت ابوبکرؓ کو بخار آیا تو آپؓ خلیفۃ المسلمین کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اس وقت حضرت ابوبکرؓ بہت تیزی سے ضعف وانحطاط کی طرف جارہے تھے، آپؓ نے مشورہ کے طور پر حضرت طلحہؓ سے فرمایا کہ: عمر کو خلیفہ بنادوں؟ حضرت طلحہؓ نے کہا: حضرت عمرؓ تمام صحابہ میں بہترین اوصاف وکمالات کے حامل ہیں اور حق وباطل میں فرق کرنے والے ہیں؛ لیکن ان کے مزاج میں سختی ہے اور وہ زیادہ گرفت کرنے والے ہیں، حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اس میں کون سی قباحت ہے؟ حضرت طلحہؓ نے کہا: جب آپ کے ہوتے ہوئے اتنے سخت ہے تو آپ کے بعد اپنی ذمہ داری کے احساس میں خدا جانے کیا کریں گے، حضرت ابو بکرؓ نے کہا کہ: جب ان پر خلافت کا بار پڑے گا تو وہ خود بخود نرم ہوجائیں گے، آپؓ نے کہا کہ: حضرت عمرؓ میں صلاحیت وخوبیاں بہت ہیں، میں نے تو صرف

ایک پہلو کے بارے میں جو تأثرات تھے وہ بیان کر دیے۔ (سیر الصحابہ ۲/۱۰۹)

عہدِ فاروقی

۱۳ھ میں جب حضرت عمرؓ خلافت پر فائز ہوئے تو آپ نے حضرت طلحہؓ کو شایانِ شان مقام دیا اور ان کی اصابتِ رائے سے فائدہ اٹھاتے رہے، حضرت طلحہؓ نے اکثر اختلافی مسائل میں حضرت عمرؓ کا ساتھ دیا۔ ایک مرتبہ عراق کی فتح کے بعد ''مفتوحہ ممالک کو مجاہدین میں تقسیم کر دیے جانے'' پر ایک بڑی جماعت مُصِر تھی، صرف حضرت عمرؓ اور چند صحابہؓ اس کے خلاف تھے، اس کے بارے میں حضرت عمرؓ نے مجلسِ شوریٰ قائم کی جس میں حضرت طلحہؓ نے بڑے جذبے کے ساتھ آپ کی تائید کی اور ان ہی کے مشورہ پر فیصلہ ہوا۔

فاروقِ اعظمؓ نے دس سالہ خلافت کے بعد آخرت کے لیے رختِ سفر باندھا، تو وفات سے کچھ عرصہ پہلے عہدۂ خلافت کے لیے چھ آدمیوں کو نامزد کیا جن میں حضرت طلحہؓ بھی تھے؛ لیکن آپؓ نے نہایت ہی دانائی وفراخ دلی اور ایثار کے جذبہ سے کام لے کر حضرت عثمانؓ کو خلافت کے لیے پسند فرمایا، چناں چہ آپ کی کوششوں اور تائید سے وہی ''منصبِ خلافت'' کے لیے منتخب ہوئے۔ (سیر الصحابہ ۲/۱۱۰)

عہدِ عثمانی

حضرت عثمانؓ نے بارہ سال تک خلافت کی؛ لیکن آخری چھ سالوں میں کچھ ممالک شورش و بے چینی کی آماجگاہ بن گئے اور ریشہ دوانی اور فتنہ پردازی زور

پکڑنے لگی تو حضرت طلحہؓ نے شر پسندوں اور فتنہ پروروں کی تحقیق وتفتیش کی رائے دی، چناں چہ اس پر عمل کیا گیا؛ لیکن اس سے پہلے کہ اس کا کچھ ثمرہ ظاہر ہو مفسدین نے بارگاہِ خلافت کا محاصرہ کرلیا، حضرت طلحہؓ اس موقع پر خاص اعانت نہ کر سکے؛ لیکن ایک غیر جانب دار شخص کی حیثیت سے مجمع میں دریافتِ حال کے لیے تشریف لے جاتے۔ ایک دفعہ حضرت طلحہؓ مجمع میں تھے کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے بالاخانہ سے مجمع کو مخاطب ہوکر پکارا کہ تم میں طلحہ ہے؟ دو مرتبہ پکارا؛ مگر جواب نہ آیا، تیسری مرتبہ میں جواب آیا کہ میں حاضر ہوں، پھر حضرت عثمانؓ نے اپنے احسانات اور فضائل بیان کیے اور حضرت طلحہؓ سے تصدیق چاہی تو حضرت طلحہ نے بھرے مجمع میں بلند ہمتی سے ان کی تصدیق کی۔ (طبقات ابن سعد ۳/۱۴۷) جو مجمع حضرت عثمان کے خون کا پیاسا تھا اس کے درمیان تنِ تنہا ان کے فضائل واحسانات کی تصدیق کرنا بھی اس وقت جگر گردے کا کام تھا۔

آخر میں جب محاصرہ سخت ہوگیا تو حضرت علیؓ اور زبیرؓ کی طرح حضرت طلحہؓ نے بھی اپنے صاحبزادے محمد کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت کے لیے متعین کردیا، جب محاصرین نے شورش کی تو حضرت محمد بن طلحہؓ نے جاں فشانی سے مقابلہ کیا؛ لیکن بعض بدنصیب عقب کی جانب سے اندر گھس گئے اور پیکرِ صبر وحلم کو شہید کردیا، حضرت طلحہؓ کو جب شہادت کی خبر پہنچی تو فرمایا: ''اللہ عثمان پر اپنی رحمت نازل فرمائیں''، لوگوں نے کہا: مفسدین اپنے فعل پر نادم ہیں، فرمایا: خدا انہیں ہلاک کرے، اس

کے بعد آیت پڑھی: فلا یستطیعون توصیة ولا إلیٰ أھلھم یرجعون۔ (سیر الصحابہ ۲/۱۱۱)

عہدِ حیدری

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت کے بعد مدینہ میں موجود مصریوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنادیا اور مسجدِ نبوی میں لوگوں کو بیعتِ عام کے لیے جمع کیا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ انتخابِ خلیفہ کے اس طریقۂ کار سے متفق نہ تھے؛ لیکن اس وقت مصلحتاً خاموش رہے اور بادلِ ناخواستہ بیعت کی۔ (طبقات ابن سعد: ۳ بحوالہ سیر الصحابہ: ۲/۱۱۲)

چوں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت معمولی بات نہ تھی، اس کی وجہ سے تمام ملک میں بدامنی پھیل گئی، خود مدینہ کی فضا بھی مفسدین کی سازشوں سے آلودہ ہوگئی، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ چار سال تک پورا ماجرا دیکھتے رہے؛ لیکن جب دربارِ خلافت سے انسداد کی کوئی امید نہ رہی تو خود ہی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مدینہ سے مکہ چل دیے؛ تاکہ اصلاح کا کوئی طریقہ سوچا جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حج کے ارادے سے مکہ آئی ہوئی تھیں اور فتنہ وفساد کے حالات سن کر مکہ ہی میں مقیم تھیں، یہ دونوں حضرات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدینہ کے حالات بیان کیے اور علَمِ اصلاح بلند کرنے پر آمادہ کیا، بحث ومباحثہ کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا راضی ہوگئیں اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی رائے پر بصرہ جانے کی تیاری شروع ہوئی، چوں کہ وہاں ان کے طرفداروں کی ایک جماعت موجود تھی جو بہ آسانی ان کا ساتھ دینے پر آمادہ ہوسکتی تھی، چناں چہ ایک ہزار کی جماعت مکہ سے بصرہ کی طرف

روانہ ہوئی، چوں کہ بنو امیہ کے لوگ بھی مدینہ سے بھاگ کر مکہ میں پناہ گزیں تھے وہ بھی جوشِ انتقام میں ساتھ ہو گئے۔

بصرہ کے قریب پہنچے ہی تھے کہ عثمان بن حنیف نے بصرہ کے چند با اثر لوگوں کو ایلچی بنا کر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجا، انہوں نے خروج کی وجہ دریافت کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: بلوائیوں اور قبائل کے فتنہ پرداز لوگوں نے ہنگامہ برپا کر دیا ہے اور مسلمانوں کی جمعیت کو نقصان پہنچایا ہے اور اس خروج سے میرا مقصد ''اصلاحِ مسلمین'' کے سوا کچھ نہیں ہے، پھر وہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ وزبیر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور وجہِ خروج کی بابت دریافت کیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بدلہ لینے نکلے ہیں، ان قاصدوں نے پوچھا کہ آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، تو فرمایا: ہم نے اس شرط پر بیعت کی تھی کہ قاتلینِ عثمان سے بدلہ لیا جائے اور بیعت کے وقت تلواریں ہمارے سر پر تھیں، اس وفد نے واپس لوٹ کر عثمان بن حنیف کو پورے حالات سنائے تو اس نے انا للہ پڑھی حالات کی تحقیق کروائی گئی تو پتہ چلا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو شامیوں نے زبردستی بیعت پر مجبور کیا تھا، چوں کہ بصرہ میں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے حامی موجود تھے ان کو یہ حالات معلوم ہوئے تو وہ بھی آپ کا ساتھ دینے کے لیے کھڑے ہو گئے، ادھر مصالحت کا سلسلہ جاری رہا؛ لیکن جب عثمان بن حنیف مصالحت پر راضی نہ ہوا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا لشکر بزور بصرہ پر قابض ہو گیا۔ (تاریخِ اسلام: ۱/ ۳۷۶، سیر الصحابہ: ۲/ ۱۱۳)

ادھر حضرت علیؓ کو مدعیانِ اصلاح کا حال معلوم ہو چکا تھا چناں چہ وہ مدینہ سے نکل کر ذی قار تک پہنچے اور یہاں سے تقریباً نو ہزار جنگجو نوجوانوں کو ساتھ لے کر بصرہ کی طرف بڑھے، حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کو جب اس فوج کا حال معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اپنی فوج کو آراستہ کیا اور آگے بڑھے، بالآخر ۱۰/ جمادی الآخر ۳۶ھ میں دونوں فوجیں آمنے سامنے آگئیں۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۱۱۳)

شہادت

لڑائی کے آغاز سے قبل قعقاع بن عمرو نے فریقین سے بات چیت کر کے ان کو صلح پر آمادہ کر دیا، جب قعقاع بن عمرو کی پیغام رسانی سے دونوں فریق کی غلط فہمیاں دور ہو گئیں تو حضرت علیؓ اور ان کے درمیان اتحادِ فکر وعمل کے لیے بنیادیں طے ہو گئیں اور دونوں جماعتوں نے اطمینان کا سانس لیا؛ لیکن صیہونی سبائیوں نے حضرت عائشہؓ کے آدمیوں پر اور دوسری طرف خود ہی حضرت علیؓ کے لوگوں پر حملہ کر دیا اور مشہور کر دیا کہ حضرت علیؓ کے لشکر نے حملہ کر دیا ہے، ادھر حضرت علیؓ نے پوچھا تو کہا گیا کہ: حضرت عائشہؓ کے لشکر نے حملہ کر دیا، یوں جنگ شروع ہوگئی لڑائی زور پکڑنے لگی اور گھمسان کا رَن پڑا، سبائیوں کی اس مکّارانہ چال سے دس ہزار کے قریب لوگ کام آئے، ۱۱/ جمادی الثانی ۳۶ھ میں یہ واقعہ پیش آیا جو تاریخ میں ''جنگِ جمل'' کے نام سے مشہور ہے۔ (اصحابِ رسول اور ان کے کارنامے: ۴۴۸)

اسی جنگ میں حضرت طلحہؓ کو پاؤں میں تیر لگا جو بدبخت مروان نے ان

کی زرہ میں سوراخ دیکھ کر چلایا تھا جس سے ران کی رگ پھٹ گئی اور بہ کثرت خون بہا، حضرت طلحہؓ نے فرمایا: زخم کو چھوڑو؛ کیوں کہ یہ وہی تیر ہے جسے اللہ نے بھیجا ہے، آپ کو بصرہ لے جایا گیا؛ مگر جسم کا سارا خون بہہ چکا تھا، بالآخر خدا ورسول کے اس شیدائی نے شہرِ بصرہ میں چونسٹھ سال کی عمر گزار کر ۳۶ھ میں جان جاں آفریں کے حوالے کی اور بصرہ ہی میں مدفون ہوئے۔ (طبقات ابن سعد ۳/۱۵۹)

جہاں آپ کو دفن کیا گیا وہ زمین نشیب میں تھی اور اکثر غرقِ آب رہتی تھی، ایک شخص نے تین دن تک مسلسل آپ کو خواب میں دیکھا کہ آپ لاش منتقل کرنے کی ہدایت فرما رہے ہیں، حضرت ابن عباسؓ نے خواب سنا تو حضرت ابوبکرہؓ کا مکان دس ہزار درہم میں خرید کر لاش کو اس میں منتقل کر دیا۔ دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اتنے عرصے کے بعد بھی جسم ویسا ہی محفوظ تھا؛ یہاں تک کہ آنکھوں کا کافور بھی بعینہ موجود تھا، ایسا لگتا تھا جیسے ابھی دفن کیا گیا ہو۔ (اسد الغابۃ: ۳/۱۶۱ بحوالہ سیر الصحابہ ۲/ ۱۱۴) جیسا کہ آیتِ قرآنی اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے: ولا تحسبن الذين قتلوا في سبيل الله أمواتا بل أحياء عند ربهم يرزقون. (آل عمران: ۱۶۹)

ازواج واولاد

حضرت طلحہؓ نے متعدد اوقات میں متعدد شادیاں کیں، بیویوں کے نام یہ ہیں: ① حمنہ بنت جحش، ② خولہ بنت القعقاع جو بنی تمیم سے تھیں ③ ام ابان بنت عتبہ بن ربیعہ ④ ام کلثوم بنت ابی بکر ⑤ سعدی بنت عوف، ان میں سے ہر ایک سے

متعدد اولاد ہوئیں۔لڑکوں کے نام یہ ہیں:① محمد انہیں کے نام سے آپ کی کنیت ابو محمد تھی، جو سجاد کے نام سے بھی مشہور تھے، اور آپ نے جنگِ جمل میں اپنے والد کے ساتھ شہادت پائی،② عمران بن طلحہ ③ موسیٰ بن طلحہ ④ یعقوب بن طلحہ ⑤ زکریا ⑥ یوسف ⑦ عیسیٰ ⑧ یحییٰ ⑨ صالح۔ اور چار صاحبزادیاں تھیں جن کے نام یہ ہیں: ① ام اِسحٰق جن سے حسن بن علیؓ نے نکاح کیا، پھر ان کی وفات کے بعد حضرت حسینؓ سے نکاح ہوا،② عائشہ ③ صعبہ ④ مریم۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۲)

غذا ولباس

آپؓ کی زندگی دولت وثروت کے باوجود بالکل سادہ تھی، اکثر رنگین کپڑے پہنتے تھے، ایک مرتبہ موسمِ حج میں رنگین احرام باندھ کر آئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: طلحہ یہ کیا ہے؟ فرمایا: امیر المؤمنین گیروے رنگ (سرخ رنگ کے مشابہ) کا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ: آپ ائمۂ دین ہو لوگ آپ کو اس لباس میں دیکھیں گے تو کہیں گے کہ: ہم نے طلحہ کو ایسے لباس میں دیکھا ہے۔ اسی طرح آپ کے پاس میں ایک انگوٹھی تھی جس میں سرخ یاقوت جڑا ہوا تھا؛ لیکن بعد میں معمولی پتھر سے مرصع کر لیا تھا۔ دسترخوان خوب وسیع ہوتا تھا؛ لیکن پر لطف نہ ہوتا تھا، سادہ اور معمولی غذا پر اکتفا فرماتے تھے۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۱۱۹)

ذریعۂ معاش

تجارت شرفائے مکہ کا اصل پیشہ تھا ان کے آبا واجداد اسی پیشہ سے منسلک

تھے، حضرت طلحہؓ نے بھی اپنا ذریعۂ معاش تجارت کو بنایا تھا اور آفتابِ رسالت کے طلوع ہونے کی بشارت بھی آپؓ کو اسی تجارت کے سبب ملی؛ لیکن جب ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لے گئے تو زراعت کا کاروبار بھی شروع کیا، اور رفتہ رفتہ یہ پیشہ وسیع پیمانہ پر پھیل گیا، خیبر کی جاگیر کے علاوہ عراق، عرب میں متعدد علاقے حاصل ہوئے جن میں سے قناۃ اور سراۃ مشہور ہے: ان دونوں مقامات پر کاشتکاری کا نہایت وسیع اہتمام تھا، صرف قناۃ کی کھیتیوں پر بیس اونٹ سیرابی کا کام کرتے تھے، ان علاقوں کی پیداوار کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپؓ کی روزانہ کی آمدنی کا اوسط ایک ہزار دینار تھا۔

حضرت طلحہ کا ترکہ

چوں کہ تجارت وزراعت نے آپ کو غیر معمولی دولت وثروت کا مالک بنا دیا تھا، لاکھوں دینار ودراہم اپنے اہلِ عیال اور فقرا پر خرچ کرتے تھے۔ موسیٰ بن طلحہ سے پوچھا گیا کہ آپ کے والد نے کتنا مال چھوڑا تو فرمایا کہ: بائیس لاکھ درہم اور دو لاکھ دینار، اس کے علاوہ کثیر مقدار میں سونا چاندی اور جائدادِ غیر منقولہ تھی، جس کی قیمت کا اندازہ تین کروڑ درہم تک پہنچتا ہے۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۵۸)

بابِ دوم

اوصاف وکمالات اور خصوصیات

غزوۂ احد میں حضرت طلحہؓ نے مثالی بہادرانہ کارنامہ انجام دیا جس کا ذکر پہلے باب میں گذر چکا ہے، اس کے بارے میں حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ: جب کافروں نے دوبارہ حملہ کیا تو میں اور ابوعبیدہ بن جراح، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور تھے؛ لیکن جب مدد کی غرض سے ہم پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مجھے چھوڑو اور اپنے بھائی طلحہ کی مدد کو پہنچو، جب ہم ان کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ان کے جسم سے خون بہہ رہا ہے اور ان کا جسم تلواروں، نیزوں اور تیروں کے وار سے چھلنی ہو گیا ہے اور ان کی ہتھیلی کٹ چکی ہے اور ایک گڑھے میں پڑے ہیں۔ اس کے بعد اکثر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: ”من سرّہ أن ینظر إلیٰ رجل یمشي علی الأرض قد قضیٰ نحبه فلینظر إلیٰ طلحة بن عبید اللّٰه“ جو کسی ایسے شخص کو زمین پر چلتا پھرتا دیکھنا چاہے جو اپنی نذر (منت) پوری کر چکا ہو وہ طلحہ بن عبید اللہ کو دیکھ لے۔ (صور من حیاۃ الصحابہ: ۴۹۱)

ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: طلحة ممن قضیٰ نحبه.

(مسند: ۲/ ۱۴۶، بحوالہ تاریخ اسلام للذہبی: ۵۲۵)

اس حدیث کا پس منظر ایک تفصیلی واقعہ ہے، مختصراً یہ کہ غزوۂ بدر میں انسؓ

بن ضرار اور ان کے کچھ ساتھی شریک نہ ہو پائے تھے جس کا ان کو بڑا افسوس تھا، انہوں نے نذر مانی تھی کہ کسی نہ کسی جنگ میں شریک ہوکر جواں مردی کے ساتھ لڑیں گے اور جامِ شہادت نوش کریں گے جن میں سے بعض شہید ہو گئے تھے، اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ہنوز شہید نہیں ہوئے تھے؛ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشین گوئی فرمائی کہ طلحہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی نذر پوری ہوچکی۔ (فوائدِ عثمانی: ۵۴۵)

غزوۂ احد ہی کے دن آپ کی فدائیت کو دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: "أوجب طلحة" طلحہ نے اپنے اوپر جنت واجب کرلی۔ (ترمذی: ۲/ ۲۱۵) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فرمایا کرتے تھے "ذٰلک یوم کله لطلحة" یہ دن تو پورا کا پورا طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے تھا۔

دنیا ہی میں معافی کا پروانہ

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: ابشر یا أبا محمد! إن اللّٰه قد غفر لک ما تقدم من ذنبک وما تأخر وقد أثبت اسمک في دیوان المقربین. اے ابومحمد! آپ کے لیے خوشخبری ہے کہ اللہ نے آپ کے اگلے پچھلے تمام گناہوں کو معاف کردیا اور آپ کا نام مقربین کی فہرست میں درج کردیا ہے۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ۲/ ۲۵۰)

زندہ شہید

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو دنیا ہی میں جنت کا پروانہ دینے کے ساتھ ساتھ

''زندہ شہید'' قرار دیا تھا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''من أراد أن ينظر إلیٰ شهيد يمشي على رجليه فلينظر إلیٰ طلحة''، اگر کوئی کسی چلتے پھرتے شہید کو دیکھنا چاہے تو وہ طلحہ کو دیکھ لے۔ (ترمذی ۲/ ۲۱۵)

اسی طرح ایک دوسری حدیث میں ہے، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر (رضی اللہ عنہم) حرا پہاڑ پر تھے کہ وہ حرکت کرنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''أثبت حراء فما عليک إلا نبي أو صديق أو شهيد''. (ترمذی ۲/ ۲۱۵) تھم جا اے حرا! تجھ پر نبی، صدیق اور شہید ہی ہیں۔

جنت میں بہترین پڑوسی

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان لوگوں میں سے ہیں جن کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت میں اپنا پڑوسی قرار دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے سنا: ''طلحة والزبير جاراي في الجنة''. (ترمذی ۲/ ۲۱۵) کہ طلحہ اور زبیر جنت میں میرے پڑوسی ہوں گے۔

وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آپ رضی اللہ عنہ سے خوش ہونا

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑا عشق تھا، کبھی ایسا کام نہیں کیا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچے، آپ رضی اللہ عنہ جناب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حواری اور ہر وقت ساتھ رہنے والوں میں سے تھے اور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو راضی کرنے کی ہر ممکن

کوشش کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ان چھ خوش قسمت صحابہ میں سے تھے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے پردہ فرمانے کے وقت راضی تھے، حضرت عمرؓ حضرت طلحہؓ کے بارے میں فرماتے ہیں: "توفی النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وهو عنه راضٍ" (بخاری ۱/ ۵۲۷) کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دنیا سے اس حال میں رحلت فرما گئے کہ وہ حضرت طلحہؓ سے راضی تھے۔

آیتِ کریمہ کے مصداق

حضرت طلحہؓ اور علیؓ کے درمیان کچھ ناموافق باتیں پیش آئی تھیں جس کا مختصراً تذکرہ بابِ اول میں ہو چکا ہے، آپؓ کی شہادت کے بعد حضرت عمران بن طلحہ، حضرت علیؓ کے پاس آئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا: بخدا میں امید کرتا ہوں کہ میں اور عثمان اور طلحہ اور زبیر ان لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ونزعنا ما في صدورهم من غل إخوانا على سرر متقبلين.

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۶۰)

اسی طرح آپؓ قرآن کی بہت سی آیتوں کے مصداق تھے، جیسے اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے متعلق فرمایا: الذين أمنوا وهاجروا وجاهدوا في سبيل الله بأموالهم وأنفسهم إلخ (توبہ: ۲۰) ترجمہ: جو لوگ ایمان لے آئے اور انہوں نے اللہ کے راستہ میں ہجرت کی ہے اور اپنے مال اور اپنی جانوں سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک درجہ میں کہیں زیادہ ہیں اور وہی لوگ ہیں جو کامیاب ہونے

والے ہیں۔(آسان ترجمۂ قرآن:۴۰۸)

حضرت طلحہؓ کا شمار ان سابقین اولین میں سے ہوتا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: والسّبقون الأولون من المھجرین والأنصار والذین اتبعوھم بإحسان إلخ (توبہ: ۹۹) ترجمہ: مہاجرین اور انصار میں سے جو لوگ پہلے ایمان لائے اور جنہوں نے نیکی کے ساتھ ان کی پیروی کی اللہ ان سب سے راضی ہوگیا ہے اور وہ اس سے راضی ہیں، اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔یہی بڑی زبردست کامیابی ہے۔(آسان ترجمۂ قرآن: ۴۳۴)

نیز آپؓ ان جانباز اور جواں مرد لوگوں میں سے تھے جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے مقام پر ببول کے ایک درخت کے نیچے بیعت لی تھی، جن کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: لقد رضي اللہ عن المؤمنین إذ یبایعونک تحت الشجرۃ فعلم ما في قلوبھم إلخ (فتح: ۱۸) ترجمہ: یقیناً اللہ ان مؤمنوں سے بڑا خوش ہوا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے اور ان کے دلوں میں جو کچھ تھا وہ بھی اللہ کو معلوم تھا اس لیے ان پر سکینت اتار دی اور ان کو انعام میں ایک قریبی فتح عطا فرما دی۔(آسان ترجمۂ قرآن:۱۰۷۵) یعنی اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ: ان حضرات نے یہ بیعت دل سے پورے عزم کے ساتھ کی تھی، وہ منافقوں کی طرح جھوٹا عہد کرنے والے نہیں تھے۔(حوالۂ بالا)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ داری

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریبی رشتہ داری کا شرف حاصل تھا اور یہ اعزاز وشرف صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو حاصل نہیں تھا کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہم زلف تھے، ازواجِ مطہرات میں سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بہن ام کلثوم اور حضرت زینب بنت جحش کی بہن حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا آپ رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔

شجاعت

آپ رضی اللہ عنہ نہایت شجاع و بہادر تھے، قریش اور دیگر قبائل کے لوگ آپ کے اس وصف سے واقف اور مرعوب تھے، آپ کی شجاعت نے اکثر غزوات میں والہانہ فدائیت اور جاں نثاری کا ثبوت دیا، احد کے معرکہ میں تو آپ کی جاں سپاری اور بہادری ضرب المثل بن چکی ہے، جس پر صحابہ رشک کیا کرتے تھے کہ اپنے ہاتھ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لیے ڈھال بنا دیا، جو تیروں اور نیزوں کے پے در پے زخم کھا کھا کر شل ہو گیا؛ لیکن اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آنچ نہ آنے دی۔

مرویات

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ اگرچہ ہر وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے اور زبانِ گوہر فشاں سے نکلے ہر ہر موتی کی پاسداری کی؛ لیکن کمالِ اتقا کے باعث ان سے

حدیثیں بہت کم مروی ہیں، آپؓ سے جو روایات مروی ہیں ان کی تعداد تقریباً اٹھاسی (۸۸) تک پہنچتی ہے۔ (صفۃ الصفوۃ لابن الجوزی) جن کی کچھ جھلکیاں پیشِ خدمت ہے:

۱۔ رؤیتِ ہلال کے بارے میں حضرت طلحہؓ سے مروی ہے کہ جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چاند دیکھتے تو یہ دعا پڑھتے: ”اللهم أهله علينا بالأمن والإيمان، والسلامة والإسلام، ربي وربك الله هلال رشد وخير“.

(رواہ الترمذی، ح:۳۴۵۱)

۲۔ حضرت طلحہؓ سے مروی ہے کہ ایک الجھے ہوئے بال والا اعرابی آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! مجھے بتلاؤ کہ اللہ نے مجھ پر کتنی نمازیں فرض کی ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: پانچ وقت کی نمازیں مگر یہ کہ تو نفل بھی پڑھے، پھر اس اعرابی نے پوچھا کہ: اللہ نے مجھ پر کتنے روزے فرض کیے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: رمضان کے مہینہ کے؛ مگر یہ کہ تو کچھ نفل بھی رکھ لے، پھر پوچھا کہ اللہ نے مجھ پر کتنی زکوٰۃ فرض کی ہے؟ راوی فرماتے ہیں کہ: اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو تمام اسلامی احکام بتلائے، اس اعرابی نے کہا: قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو عزت بخشی ہے جو چیزیں اللہ نے مجھ پر فرض کی ہے نہ میں اس میں کچھ زیادہ کروں گا نہ کم، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: اگر اس نے سچ کہا تو یہ کامیاب ہے اور جنت میں داخل کیا جائے گا۔ (بخاری:۶۹۵۶)

فرمانِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یاد آنے پر خوشی سے اچھل پڑنا

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرامین کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھتے تھے اور ہر ہر ادا پر عمل کرنا اپنے فرائض میں شامل کر لیا تھا؛ لیکن اگر کبھی کوئی ارشادِ نبوی ذہن سے خطا کر جاتا تو سخت رنجیدہ اور مغموم ہوتے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو سراسیمہ دیکھ کر پوچھا: اے ابو محمد! کیا حال ہے؟ کسی سے جھگڑا تو نہیں ہوا؟ کہنے لگے: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے سنا تھا کہ اگر کوئی بندہ موت کے وقت ایک کلمہ زبان سے ادا کر لے تو نزع کی مصیبت اس سے دور ہو جائے گی اور اس کا چہرہ چمکنے لگے گا، مجھے وہ کلمہ یاد تھا؛ لیکن اب بھول بیٹھا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا تم اس سے بھی زیادہ باعظمت اور پُراثر کلمہ جانتے ہو جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا تھا یعنی لا الہ الا اللہ۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ یہ سن خوشی کے مارے اچھل پڑے، فرمایا: ہاں! خدا کی قسم یہی وہ کلمہ ہے۔ (مسند احمد ۱/۱۶۱، بحوالہ سیر الصحابہ ۲/۱۱۷)

دوستوں کے ساتھ حسنِ سلوک

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو دوستوں کے ساتھ بڑا لگاؤ تھا، دوستوں کی خوشی اور شادمانی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے لیے فرحت و شادمانی کا سامان بن چکی تھی۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے پائے تھے جس کی وجہ سے تمام مسلمانوں کو ان سے سلام و کلام سے روک دیا گیا تھا؛ لیکن جب ایک عرصہ کے بعد توبہ قبول ہوئی تو وہ خوشی سے دوڑے دوڑے دربارِ رسالت میں حاضر ہوئے،

حضرت طلحہؓ لپک کر آگے بڑھے، ان سے معانقہ کیا اور مبارک بادی دی۔ حضرت کعبؓ فرماتے ہیں کہ: میں طلحہؓ کے اس معانقہ کو کبھی نہیں بھولوں گا؛ کیوں کہ اس وقت مہاجرین میں سے کسی نے ایسی گرم جوشی کا اظہار کرنے میں پہل نہیں کی تھی۔

(بخاری، باب غزوۃ تبوک ۲/۶۳۶)

اپنے دوستوں کی خدمت بھی خوشی خوشی کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک اعرابی آپ کے یہاں مہمان ہوا تو اس نے آپ سے التماس کی کہ میرا اونٹ بازار میں فروخت کروا دیجیے، تو فرمایا ٹھیک ہے، اگر چہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شہری کسی دیہاتی کا معاملہ نہ چکائے اور اس کے ساتھ جا کر مناسب دام میں اس کا اونٹ فروخت کرا دیا (جس علت کی وجہ سے ممانعت تھی وہ موجود نہ تھی)، پھر اس نے خواہش کی کہ دربارِ رسالت سے زکوٰۃ کی وصولی کا ایک مفصل ہدایت نامہ دلوا دیجیے! تاکہ عُمّال کو اس کے مطابق زکوٰۃ دیا کروں تو آپؓ نے اپنے مخصوص تقرب کی وجہ سے یہ کام بھی کر دیا۔ (بخاری، باب غزوۂ تبوک بحوالہ سیر الصحابہ ۲/۱۱۷)

مہمان نوازی

حضرت طلحہؓ بڑے مہمان نواز تھے، مختلف مواقع پر اپنے دوستوں کی دعوت کیا کرتے تھے۔ غزوۂ ذی العسرہ میں تمام مجاہدین کی دعوت کی۔ ایک مرتبہ بنی عذرہ کے تین آدمی مدینہ آکر مشرف باسلام ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: کون ان کی کفالت کرے گا؟ تو حضرت طلحہؓ سب سے پہلے اٹھے اور فرمایا: میں

ان کی کفالت کا ذمہ لیتا ہوں۔(سیر الصحابہ ۲/ ۱۱۶)

سلمہ بن اَکْوَع بیان کرتے ہیں کہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے ایک پہاڑ کے کنارے کنواں خریدا اور ایک اونٹنی ذبح کی اور لوگوں کو دعوت کروائی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''أنت طلحة الفياض''، طلحہ آپ تو بڑے سخی ہیں۔

(طبرانی فی المعجم الکبیر:۱/ ۱۱۲،بحوالہ تاریخ الاسلام للذہبی:۵۲۵)

سخاوت

حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ بڑے سخی اور فیاض تھے، راہِ خدا میں ان کو جان کے ساتھ مال کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا، فقرا و مساکین کے لیے ان کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا، قیس بن ابی حازم بیان کرتے ہیں کہ میں نے طلحہ سے زیادہ کسی کو بے طلب کی بخشش میں پیش پیش نہیں دیکھا۔(فتح الباری ۷/ ۶۶)

غزوۂ ذی القرد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اپنے مجاہدوں کے ساتھ ایک چشمہ پر سے گذر ہوا جس کا نام ''بیسان مالح'' تھا، حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نے اس کو خرید کر وقف کر دیا۔(اصابہ ۳/ ۳۹۲،بحوالہ سیر الصحابہ ۲/ ۱۱۵)

ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اپنی ایک جائداد سات لاکھ درہم میں فروخت کی، جب رقم لے آئے تو کہا: جس انسان کے پاس رات کے وقت اتنا مال ہو نہ معلوم اس رات خدا کی طرف سے کیا حکم آجائے، چناں چہ انہوں نے اس طرح رات گزاری کہ ان کے قاصد اس مال کو لے کر مستحقین کو دینے کے لیے مدینہ کی گلیوں میں

پھر رہے تھے اور پچھلی شب ان کے پاس ایک درہم بھی نہ تھا۔ (طبقات ابن سعد ۳/ ۱۵۷)

آپؓ کو عراق سے چار سے پانچ لاکھ کے درمیان آمدنی وصول ہوتی تھی، اور علاقۂ سراۃ سے کم وبیش دس لاکھ دینار کی آمدنی ملتی تھی، ان تمام کو وہ اپنے خاندان والوں پر خرچ کر دیتے تھے؛ یہاں تک کہ کوئی ایسا نہ تھا کہ اس کی اور اس کے اہل وعیال کی آپؓ نے حاجت روائی نہ کی ہو، ان کی بیواؤں کا نکاح نہ کروایا ہو، ان کے تنگ دست کو غلام نہ دلوائے ہو اور ان کے مقروضوں کا قرض ادا نہ کیا ہو۔ آپؓ کو حضرت عائشہؓ سے بھی بڑی عقیدت تھی، انہیں بھی ہر سال دس ہزار درہم بھیجا کرتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ۳/ ۱۵۷)

حضرت طلحہ بڑے تاجر اور مالدار شخص تھے۔ ایک مرتبہ ان کے پاس حضر موت سے ستّر لاکھ درہم کی کثیر رقم آئی، انہوں نے پوری رات پریشانی کے عالم میں گزاری، ان کی اہلیہ حضرت امِ کلثوم بنت ابی بکر نے ان کی پریشانی دیکھ کر کہا: اے ابومحمد! آپ کو کیا ہو گیا، کہیں آپ کو میری طرف سے تکلیف تو نہیں پہنچی ہے؟ تو حضرت طلحہؓ نے فرمایا: نہیں، تم تو ایک بہترین مسلمان بیوی ہو، میں یہ سوچ رہا ہوں کہ وہ شخص اپنے رب کے بارے میں کیا گمان رکھتا ہے کہ جس کے گھر اتنی بڑی مقدار میں رقم موجود ہو اور وہ بے فکر سو رہا ہو، تو امِ کلثوم نے کہا کہ: پریشانی کی کیا بات ہے، آپ صبح یہ ساری رقم اپنے اہلِ قبیلہ اور مفلس لوگوں میں تقسیم کر دینا، انہوں نے خوش ہو کر کہا کہ اللہ تم پر رحم کرے، واقعی تم صاحبِ توفیق ہو اور صاحبِ

توفیق باپ کی بیٹی ہو، اور صبح یہ ساری رقم تھیلیوں اور بڑے بڑے پیالوں میں رکھ کر فقرائے انصار ومہاجرین میں تقسیم کردی۔

(صور من حیاۃ الصحابۃ: ۴۹۲۔ تاریخ الاسلام للذہبی: ۵۲۶)

اسی طرح کا ایک واقعہ دوسری بیوی حضرت سعدیٰ بنت عوف کے ساتھ بھی پیش آیا، وہ فرماتی ہیں کہ: ایک دفعہ میں نے انہیں غمگین دیکھا تو عرض کیا: کہیں میری طرف سے کوئی غلطی تو نہیں ہوئی، فرمایا: تم تو بڑی نیک وصالح بیوی ہو، فرمایا: میرے پاس بہت سی رقم جمع ہوگئی ہے، اس وقت فکر لاحق ہوگئی ہے کہ کیا کروں؟ تو میں نے کہا کہ: ان کو تقسیم کردو، یہ سن کر انہوں نے اسی وقت باندی کو بلا کر چار لاکھ کی رقم اپنی قوم میں تقسیم کروادی۔

(طبقات ابن سعد ۳/ ۱۵۷۔ الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ۲/ ۲۵۷)

حسنِ معاشرت

حضرت طلحہؓ اپنے حسنِ اخلاق کی وجہ سے تمام اہلِ خانہ میں نہایت محبوب وپسندیدہ تھے، وہ اپنے کنبہ میں جس لطف ومحبت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ عتبہ بن ربیعہ کی بیٹی امِّ ابان سے اگرچہ بہت سے معزز اشخاص نے نکاح کی درخواست کی؛ لیکن انہوں نے طلحہؓ کو سب پر ترجیح دی، لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا: میں ان کے اوصافِ حمیدہ سے واقف ہوں، وہ گھر آتے ہیں تو ہنستے ہوئے، باہر جاتے ہیں تو مسکراتے ہوئے، کچھ مانگو تو بخل نہیں کرتے

اور خاموش رہو تو مانگنے کا انتظار نہیں کرتے، اگر کوئی کام کردو تو شکر گزار ہوتے ہیں اور خطا ہو جائے تو معاف کر دیتے ہیں۔ (کنز العمال ۶/ ۴۱۳، بحوالہ سیر الصحابہ ۲/ ۱۱۷)

خلاصہ

یہ ہے کہ حضرت طلحہ بن عبید اللہؓ کی مختصر زندگی اور ان کے خصائل کے ہر گوشہ سے فدائیت وفنائیت کی خوشبو پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہے۔ راہِ خدا میں مر مٹنے، آفتابِ ہدایت پر اپنی زندگی کو جھونک دینے اور دینِ اسلام کے خاطر سرفروشانہ کارنامہ انجام دینے کے لیے ہمیشہ سر بکف رہنے کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ مالداری کے باوجود کبھی عیش وعشرت کو پسند نہیں فرمایا؛ بلکہ ہر وقت پورا مال راہِ خدا میں خرچ کرنے اور فقرا ومساکین کی امداد کرنے کی فکر میں غمزدہ رہتے تھے۔ اپنے رفقا وہم نشینوں کے ساتھ ہمہ دم حسنِ سلوک سے پیش آتے اور ان کی خدمت سے بھی دریغ نہ کرتے تھے۔ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہر ادا پر عاشق زار کی طرح عمل پیرا ہونے کو دنیا وآخرت کی کامیابی وکامرانی گردانتے تھے۔

لیکن کیا ہم ان کے نقشِ قدم پر گامزن ہیں؟ کیا ہمارے اندر ان کی صفات کا ایک ذرہ بھی پایا جاتا ہے؟ کیا ہم نے ان کو اپنا رہبر ورہنما سمجھا ہے؟ کیا ہمارا مال بھی راہِ خدا میں خرچ ہوتا ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ اس سے پہلے ہم ان کو جانتے تک نہ ہو؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہم ان کی پاکیزہ زندگی اور فضائل ومناقب کو جاننے کے باوجود انجان بنے ہوئے ہو؟ یہ کچھ ایسے سوالات ہیں جس پر ہمیں غور

وفکر کر کے اپنی زندگی کا جائزہ لینا چاہیے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام مسلمانوں کو صحابہؓ کے نقشِ قدم پر زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائیں۔آمین

<u>مراجع ومصادر:</u>

① ترجمۂ شیخ الہند ② توضیح القرآن ③ فتح الباری ④ جامع ترمذی ⑤ صفۃ الصفوۃ ⑥ الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ⑦ تاریخ الاسلام للذہبی ⑧ طبقات ابن سعد ⑨ صور من حیاۃ الصحابۃ ⑩ تاریخ اسلام ⑪ سیر الصحابہ ⑫ اصحاب رسول اوران کے کارنامے

حضرت زبیر بن عوّام رضی اللہ عنہ

ازقلم: ثناء اللہ بن شبیر احمد ایم پی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیروانِ حق کے لیے حق پر استقامت اور اس کی اشاعت ہر دور میں ابتلا وآزمائش کا ذریعہ رہی ہے، اس کے بغیر آج تک حق کی اشاعت ہوئی ہے اور نہ آئندہ ہوگی، حق کو تھامے رکھنا اور اس کو دوسروں تک پہنچانا پھولوں کی سیج نہیں؛ کانٹوں کا دشتِ بے کنار ہے۔ حضرت ابنِ مریمؑ کے بعد تقریباً پانچ صدیاں گذری ہوں گی کہ نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس عالمِ فانی میں مبعوث ہوئے، ان کے پیرؤوں کو بھی حق تک رسائی اور اس کی اشاعت کا وہی فطری اور تاریخی راستہ طے کرنا تھا، چناں چہ خاتم الانبیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قافلہ بھی بلا پس وپیش راہِ صداقت پر گامزن ہوا، ابھی قدم رکھا ہی تھا کہ زمین وآسمان دشمن ہوگئے، راستے میں آگ کے الاؤ جلائے گئے، کوڑے مارے گئے، گرم ریت اور تپتے پتھروں پر تپایا گیا، دہکتے انگاروں پر لٹایا گیا، انہیں زندگی کی بنیادی ضرورتوں سے محروم کرکے بیوی بچوں اور ماں باپ سے جذباتی تعلق توڑنے پر مجبور کیا گیا؛ مگر وہ منزلِ مقصود کے جوش میں یہ سب کچھ جھیل گئے، خندہ پیشانی کے ساتھ برداشت کر گئے اور اس طرح قبولِ حق کی آزمائش میں پورے اتر کر اپنے موحد ہونے کا دعویٰ سچ کر دکھایا۔ ان ہی پاسبانِ اسلام اور حق کے داعیوں کی مقدس جماعت کے ایک فرد حضرت زبیرؓ بن عوام ہیں، جن کی زندگی کی کچھ جھلکیاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں، بارگاہِ خداوندِ قدوس میں دست بدعا ہوں کہ وہ اسے میرے لیے آسان فرمائیں اور تمام امت کے حق میں اسے مشعلِ راہ بنائیں۔

بابِ اول

پیدائش، نام ونسب

ام القریٰ (مکہ) میں قریش کے کئی قبیلے آباد تھے، جن میں ایک قبیلہ بنی اسد کا بھی تھا، اس قبیلہ میں ''عوّام بن خویلد'' کا خاندان بڑا شریف تھا، عوّام حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے شوہر تھے۔

۵۹۴ء میں عوّام کے گھر ایک بچہ نے جنم لیا، جس کا نام ''زبیر'' رکھا گیا، یہی وہ بچہ ہے جو بعد میں چل کر زبیر بن عوّام کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ کی کنیت ابوعبداللہ تھی۔

حضرت زبیر کا نسب والد کی جانب سے اس طرح ہے: زبیر بن عوّام بن خویلد بن اسد بن عبد العزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر۔ اور والدہ کی طرف سے نسب نامہ یہ ہے: زبیر بن صفیہ بنت عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی۔ آپ کی والدہ حضرت صفیہؓ اور آپ کے والد عوّام کا نسب قصی بن کلاب پر جا کر مل جاتا ہے۔

حلیہ

حضرت زبیر بن عوّامؓ کشیدہ قامت تھے، رنگ گندمی تھا، آنکھیں بڑی

بڑی اوران میں خاص قسم کی چمک تھی، چہرے کی ساخت میں وجاہت تھی اوراس پرفطری رعب چھایا رہتا تھا،سر کے بال گھنے اورداڑھی ہلکی تھی جس میں زیادہ گھناؤ نہ تھا۔(اصحابِ الرسول:۴۷۰)

تربیت اوراسلام سے پہلے کی زندگی

عربوں کے یہاں بچوں کی تربیت کا بہت اہتمام کیا جاتا تھا، ان کی خواہش یہ ہوتی تھی کہ ان کا بچہ بڑا ہوکر خاندان کے لیے فخر ومباہات کا ذریعہ بنے، لڑائیوں میں ان کا معاون ومددگار بن سکے، اور اپنی جواں مردی وبہادری کے ذریعہ قبیلہ اورخاندان کا نام روشن کرے۔عربوں کی اسی عادتِ متواترہ کے پیشِ نظر آپ کی والدہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے آپ کی بڑی محنت ومشقت سے تربیت کی، ہر وقت نگرانی کیا کرتی تھیں اورصغرِ سنی ہی میں آپ سے محنت ومشقت بھرے کام کرواتی تھیں؛ تاکہ زمانے کے حالات سے بخوبی واقفیت حاصل ہوجائے، اور جب ضرورت محسوس کرتیں تو تربیت کے خاطر انہیں مارا بھی کرتیں۔

چناں چہ روایت میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنے لختِ جگر کو ماررہی تھیں کہ اسی لمحہ حضرت زبیر کے چچا نوفل بن خویلد ادھر آنکلے، انہوں نے پوچھا: اے صفیہ! کیا تم اسے مار ڈالنا چاہتی ہو؟ تو ان کی والدہ نے کہا: میں اسے اس لیے مارتی ہوں کہ یہ بڑا ہوکر بہادر اورنڈر بن جائے اور طاقتور لشکروں کا مقابلہ کرسکے۔حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کی اس کڑی اورسخت تربیت کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ بچپن

ہی میں نڈر، جرأت منداور بہادر بن گئے تھے، پھر کبھی زندگی میں بڑے بڑے اورنامور پہلوانوں سے مقابلہ کرنے سے نہیں جھجھکے۔(زبیر بن عوام:۱۲)

قبولِ اسلام

آفتابِ اسلام نے سب سے پہلے حضرت زبیرؓ کے گھر والوں کو ظلمتوں سے نکالا، آپ کی پھوپھی حضرت خدیجہؓ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گھر میں تھیں اور نزولِ وحی کے واقعہ سے سب سے پہلے آپ ہی باخبر ہوئیں، نیز حضرت زبیرؓ کی والدۂ محترمہ خود خاتم الانبیا ومہبطِ وحی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پھوپھی تھیں، عبدالمطلب کی اولاد میں ان کو قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا، ایسا لگتا ہے کہ وہ بعثتِ نبوی اور اسلام کے ظہور کے آغاز ہی سے مومنہ صادقہ ہوچکی تھیں، کم ازکم وانذر عشیر تک الاقربین کے نزول کے وقت تو ضرور مشرف باسلام ہوچکی تھیں، حضرت زبیر نے ان ہی کی آغوشِ تربیت میں ہوش سنبھالا۔

آپؓ اپنی ابتدائی عمر ہی سے مکہ میں اسلام کا چرچہ سننے لگے تھے، ابتداءً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خفیہ طریقے پر اشاعتِ توحید اور تبلیغِ اسلام کا فریضہ انجام دے رہے تھے، شب وروز کی محنت سے چند افراد ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے، جو بھی ایمان لاتا وہ خود بھی اس فریضہ کی انجام دہی میں مشغول ہوجاتا۔ چناں چہ جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے سب سے پہلے اپنے مخلص وجاں نثار دوست حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے اسلام کو پیش کیا تو آپؓ کسی قسم کی پس وپیش کیے

بغیر ایمانی حلقے میں شامل ہو گئے اور خود کو مؤمنین کے زمرے میں شامل کر کے دوسروں کو ایمان کی دعوت دینے میں لگ گئے، آپ کی محنت سے کئی افراد نے ایمان قبول کیا اور شمعِ رسالت کے پروانوں میں شامل ہو گئے۔ حضرت زبیرؓ بھی ان ہی افراد میں سے ہیں جنہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی محنت سے ایمان قبول کیا، آپؓ سولہ سال کی عمر ہی میں حلقۂ اسلام میں شامل ہو گئے اور ”السابقون الاولون“ میں آپؓ کا چوتھا نمبر رہا۔ (اصحاب الرسول: ۴۵۵)

ہجرت

حضرت زبیرؓ کا چچا نوفل بن خویلد بن اسد اپنے کفر میں بڑا پکا تھا، اس کو جب علم ہوا کہ حضرت زبیرؓ نے آبا و اجداد کا مذہب ترک کر کے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین قبول کر لیا ہے تو اس نے دوبارہ آپ کو کفر کی طرف موڑنے کے لیے ظلم و ستم اور تشدد کی حد کر دی؛ مگر صداقتِ ایمانی اور جوشِ اسلامی کے سامنے تشدد کے جھونکے بے اثر ثابت ہوئے، آپ کا چچا نوفل آپ کو بے دریغ مارتا پیٹتا اور بعض اوقات چٹائی میں لپیٹ کر لٹکا دیتا اور اذیت دینے کے لیے نیچے سے دھونی دیتا، اس دردناک عذاب کی وجہ سے آپ بے تاب ہو کر چیخ مارتے اور کہتے: مار ڈالو؛ مگر میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو نہیں چھوڑوں گا۔

تمام قبائلِ قریش میں یہی حالت تھی، ہر قبیلہ کے لوگ اپنے خاندان کے نو مسلموں کو طرح طرح کی اذیتیں دیتے اور اس طرح انہیں اسلام سے ارتداد پر

مجبور کرتے، جب ان کا ظلم ناقابلِ برداشت ہوگیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا: تم حبشہ کی طرف خاموشی سے نکل جاؤ، وہاں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ اس اجازت کے بعد شعبان ۵ سنہ نبوی میں گیارہ مردوں اور چار عورتوں کا جو قافلہ چھپ چھپا کر حبشہ پہنچا، اس میں بیس سالہ نوجوان حضرت زبیرؓ بھی تھے جو اپنے چچا نوفل اور دوسرے مشرکین کے تعاقب کے باوجود شعیبہ کی بندرگاہ پر کشتی مل جانے کی وجہ سے مکہ سے نکل آنے میں کامیاب ہوگئے تھے، اس کے بعد رمضان میں حبشہ کے مہاجرین کو یہ خبریں ملیں کہ مشرکینِ مکہ مسلمان ہوگئے ہیں تو حضرت زبیرؓ بھی چند دوسرے مہاجرین کے ساتھ شوال ۵ سنہ نبوی میں واپس آگئے؛ مگر یہ افواہ تھی جو حرم میں سورۃ النجم کی تلاوت کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ کافروں کے بے اختیار سجدے میں گرنے کی وجہ سے پھیل گئی تھی۔

ربیع الاول سن ۱۳ نبوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہجرت فرمائی تو حضرت زبیرؓ تجارتی سلسلے میں شام گئے ہوئے تھے، اس سلسلے میں امام بخاری نے آپ کے صاحبزادے حضرت عروہ سے یہ روایت نقل کی ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم (ہجرت کے سفر میں) حضرت زبیرؓ سے ملے جو مسلمان تاجروں کے ساتھ اس وقت ملکِ شام سے واپس آرہے تھے، حضرت زبیرؓ نے (اپنا کچھ سامان کھولا اور) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کو سفید کپڑے پہنائے۔

اس کے بعد حضرت زبیرؓ مکہ پہنچے اور مدینہ جانے کی تیاری کرنے لگے، وہ شاید تقریباً چالیس مسلمانوں کے ہجرت کرنے کے بعد آٹھویں جماعت میں شامل ہوئے، اس میں حضرت ابوسبرہؓ اور حضرت منذرؓ بھی شامل تھے، آپ نے اپنی والدۂ محترمہ حضرت صفیہؓ کو ہمراہ لیا اور یہ (والدہ کے ساتھ ہجرت کرنا) آپ کی خصوصیت سمجھی جاتی ہے، آپ کی زوجۂ محترمہ حضرت اسماء بنت ابوبکر بھی سفرِ ہجرت میں ساتھ رہیں اور قباء میں قیام کیا۔ بخاری میں ہے:

حضرت زبیرؓ نے مدینہ آکر قبا میں قیام کیا، حضرت اسماء حاملہ تھیں، یہیں عبداللہ پیدا ہوئے، مسلمانوں کو بہت خوشی ہوئی، حضرت اسماء نومولود بچے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں لے گئیں، آپ نے گود میں لے لیا اور اپنے ہاتھ سے گھٹی پلائی، ہجرت کے بعد مسلمان گھرانے میں جو بچے پیدا ہوئے یہ ان میں سب سے پہلے تھے۔ (اصحاب الرسول:۴۵۶)

مواخات و بھائی چارگی

جب مسلمان مکہ سے مدینہ ہجرت کرآئے تو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے انصار ومہاجرین کے درمیان رشتۂ اخوت قائم کیا اور تمام مسلمانوں کو آپس میں ایک بدن کی طرح رنج وغم کا شریک، مونس وغمگسار بنادیا، چناں چہ اسی اخوت کو قائم کرتے ہوئے مکہ کی زندگی میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت زبیر کو حضرت طلحہؓ کا بھائی بنایا تھا؛ مگر مدینہ آکر جب مہاجرین وانصار کے درمیان اخوت قائم ہوئی تو حضرت

زبیرؓ کو حضرت سلامہ بن وقشؓ کا بھائی بنایا گیا۔ (طبقات ابن سعد ۳/۱۷۔زبیر بن عوام: ۳۵)

غزوات

مکہ سے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آ گئے، اور مدینہ آ کر عزت، امن واطمینان کی زندگی بسر کرنے لگے، مشرکینِ مکہ کو مسلمانوں کی یہ عزت اور ان کا چین واطمینان سے رہنا گوارا نہ ہو سکا اور وہ دل ہی دل میں کڑھنے لگے، اسی حسد کی آگ نے انہیں کئی مرتبہ میدانِ کارزار میں لا کھڑا کیا، حضرت زبیرؓ چوں کہ اپنی والدہ حضرت صفیہؓ کی پرورش کے نتیجے میں نڈر اور باہمت ہو گئے تھے؛ لہٰذا ابتدا ہی سے تمام اسلامی لڑائیوں میں شرکت کرتے رہے اور ہمہ وقت اسلام اور مبلّغِ اسلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنی جان نچھاور کرنے کے لیے مستعد رہتے، اللہ کے راستے میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر کبھی بھی اپنی جان کی پرواہ نہیں کی۔

غزوۂ بدر، ۱۷/رمضان ۲ھ مطابق: ۱۳/مارچ ۶۲۴ء

حق وباطل کے درمیان سب سے پہلے بپا ہونے والا معرکہ ۲ھ میں غزوۂ بدر کی شکل میں برپا ہوا، جس میں کفار اور مشرکین، اسلام اور اہلِ اسلام کے مقابلے میں بڑے زور وشور اور پوری تیاری کے ساتھ آئے تھے، اور ان کا پورا عزم تھا کہ آج اسلام اور اہلِ اسلام کا خاتمہ کر دیں گے، دونوں لشکر آپس میں ٹکرائے اور بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ حضرت زبیر نے بھی اس جنگ میں بڑے بہادرانہ کارنامے انجام دیے، اور کئی ایک دشمنانِ اسلام کو جہنم رسید کیا، جدھر نکل

جاتے صفوں کی صفیں درہم برہم کر دیتے، آپؓ نے اس غزوے میں سب سے ممتاز زرد رنگ کا عمامہ پہن رکھا تھا، چناں چہ جب فرشتے اس غزوہ میں شریک ہوئے تو ان کے سروں پر بھی زرد رنگ کے عمامے تھے۔

دشمن کی صف میں سے کسی سورما نے ایک ٹیلہ پر چڑھ کر للکارا تو حضرت زبیرؓ اس پر باز کی طرح جھپٹے اور وہیں دونوں آپس میں گتھم گتھا ہوئے، دونوں لڑھکتے ہوئے نیچے کی طرف آنے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ دیکھ کر فرمایا: ان دونوں میں جو پہلے نیچے پہنچے گا وہ مارا جائے گا، چناں چہ پہلے وہ بد بخت سورما نیچے گرا اور اوپر سے حضرت زبیرؓ نے اس پر حملہ کیا اور اسے واصلِ جہنم کر دیا۔ اسی طرح ایک دوسرے بہادر عبید بن سعید نامی شخص پر حملہ کیا اور اسے بھی جہنم کا رخ دکھایا، اس شخص نے سوائے دو آنکھوں کے پورا بدن زرہ میں چھپا رکھا تھا، صرف دو آنکھیں ہی صاف نظر آتی تھیں، آپ نے بڑی چالاکی سے تاک کر اس کی آنکھوں میں نیزہ مارا جو دماغ تک گھستا چلا گیا اس خوفناک وار سے وہ زمین پر گرا اور دم توڑ گیا، آپ نے اس کے سینے پر پیر رکھ کر وہ نیزہ پوری طاقت سے باہر کھینچا۔ آپ کا یہ وار اتنا سخت تھا کہ نکالتے وقت نیزے کی نوک ٹیڑھی ہوگئی۔ حضرت زبیرؓ کی ہمت بڑھانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ نیزہ رکھ لیا جو بطور تبرک کے خلفائے راشدین کے پاس رہا، بعد میں حضرت زبیرؓ کے ورثا کو دے دیا گیا۔ اس جنگ میں آپ اتنی جاں فشانی سے لڑے کہ سارا بدن زخموں سے چور چور ہوگیا، ایک زخم

تو اتنا گہرا لگا کہ اس کا نشان ہمیشہ باقی رہا۔ روایت میں ہے کہ حضرت زبیر کے بیٹے عبداللہ اس میں انگلی ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔ (زبیر بن عوام:۹۔ الزبیر بن العوام:۴۰)

غزوۂ احد، ۷/شوال ۳ھ، مطابق: ۲۳/مارچ ۶۲۵ء

جب غزوۂ بدر میں مشرکین کا لشکر ہزیمت خوردہ ہوکر لوٹا تو ان کے دلوں میں انتقام کی چنگاری بھڑک اٹھی، جس نے انہیں دوبارہ مقابلہ کرنے پر مجبور کردیا اور تیسرے سال پھر مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے احد پہنچے، اس غزوے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی تلوار میان سے نکال کر اعلان فرمایا کہ کون ہے جو اس تلوار کے حق کو ادا کرسکے؟ تین مرتبہ آپ نے یہ اعلان فرمایا، حضرت زبیرؓ اس خوش نصیبی کو حاصل کرنے کے لیے تینوں مرتبہ کھڑے ہوئے؛ مگر تقدیر میں نہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ تلوار حضرت ابودجانہ کو مرحمت فرمادی۔ اس غزوے میں ابتداءً تو اہلِ اسلام کا غلبہ رہا؛ مگر کچھ اصحاب (جن کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٹیلے پر پہرہ داری کے لیے متعین کیا تھا) کی اجتہادی خطا سے جنگ کا پانسا پلٹ گیا، ادھر لشکرِ قریش کے ایک فوجی کمانڈر خالد بن ولید نے اس ٹیلے کو خالی پایا تو ادھر سے مسلمانوں پر چڑھائی کردی، اس اچانک حملہ سے مسلمانوں کے اوسان خطا ہوگئے اور جس کا جدھر رخ تھا نکل کھڑا ہوا؛ لیکن ایسے ہولناک اور سخت مصیبت کے وقت جاں نثار صحابہ کی ایک ٹولی وہ تھی جو کفار کے مقابلے میں ثابت قدم رہی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حلقہ بنا کر گھیرے میں لے لیا، اور یہ لوگ آخری دم تک آپ کی

حفاظت کرتے رہے، ان ہی وفادار و جاں نثار صحابہ میں سے ایک حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ (الزبیر بن العوام: ۴۳)

غزوۂ خندق، ذی قعدہ ۵ھ، مطابق: مارچ ۶۲۷ء

ابھی جنگِ احد کو دو سال ہی گذرے تھے کہ قریش کو پھر مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے یہودیوں نے ورغلایا، اب کی بار مشرکینِ مکہ تمام قبائلِ عرب کو لے کر مدینہ کی جانب روانہ ہوئے اور ان کا ارادہ یہ تھا کہ اس مرتبہ جو کچھ بھی ہو مسلمانوں کا نام و نشان مٹا دیں گے، جب آپ کو قریش کے اس برے ارادے اور لشکر کشی کی خبر ہوئی تو آپ نے اپنے وفادار و وفا شعار صحابہ کو جمع کیا اور ان سے اس معاملہ میں مشورہ کیا، ہر ایک نے مشورہ دیا، ان صحابہ میں ایک فارس سے آئے ہوئے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ بھی تھے، انھوں نے مدینہ کے ان حصوں میں جو کھلے تھے کسی قسم کی آڑ نہ تھی؛ خندق کھودنے کا مشورہ دیا، چناں چہ ان کے اس مشورے کو سبھی نے سراہا اور تمام صحابہ رضی اللہ عنہم خندق کھودنے میں مشغول ہو گئے۔ اسی خندق کی وجہ سے اس غزوہ کو ''غزوۂ خندق'' اور مختلف قبائل کی شرکت کی وجہ سے ''غزوۂ احزاب'' کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ کفار کا لشکر آیا اور خندق کی وجہ سے مدینے میں داخل نہ ہو سکا، محاصرہ کر دیا اور کئی دن مدینہ کا محاصرہ کیے رہے؛ مگر مسلمانوں کی ثابت قدمی اور پائے استقلال کی وجہ سے مجبور ہو کر الٹے پاؤں لوٹنا پڑا۔ اس محاصرہ کے وقت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو عورتوں کی حفاظت پر مامور کیا گیا تھا۔

اسی غزوہ میں مدینہ میں آباد یہودیوں کا ایک قبیلہ بنو قریظہ اپنے عہد سے پھر گیا اور اس نے غداری کی، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حال سے باخبر ہونے کے لیے اعلان کیا: کوئی ہے جو اس قبیلہ کی خبر لا سکے؟ آپ نے یہ اعلان تین مرتبہ فرمایا؛ مگر سخت سردی اور فاقہ کشی کی وجہ سے کوئی جانے کی ہمت نہ کر سکا، بالآخر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اپنے آپ کو پیش کیا، ایسے خوفناک اور پُرخطر ماحول میں یہودیوں کے قبیلہ میں جانا خطرہ سے خالی نہ تھا؛ مگر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اپنے آپ کو بے خطر اس کے لیے پیش کر دیا، آپ کی یہ مستعدی دیکھ کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لكل نبي حواري وإن حواري الزبير"، کہ ہر نبی کا حواری (وفادار دوست) ہوتا ہے، میرا حواری زبیر رضی اللہ عنہ ہے۔ اسی غزوے میں آپ کی ہمت وجرأت اور جاں نثاری ووفاداری کو دیکھ کر فرمایا: "فداک أبي وأمي" میرے ماں باپ تم پر قربان۔ یہ ارشادِ گرامی ہی حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی فضیلت کے لیے کافی ہے۔

(الزبیر بن العوام: ۴۸ تا ۵۱۔ زبیر بن عوام: ۱۱)

غزوۂ خیبر، محرم، جمادی الاولیٰ ۷ھ

ان مذکورہ غزوات کے علاوہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وقتاً فوقتاً چھوٹی بڑی لڑائیوں میں شریک ہوتے رہے، اور بیعتِ رضوان سے بھی مشرف ہوئے، بالآخر ایک دن وہ آیا کہ جس میں خیبر میں متمکن یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کا معرکہ ہوا، جب مسلمان خیبر پہنچے اور وہاں یہودیوں سے ٹکراؤ ہوا تو ان کا مشہور سردار مرحب

حضرت علیؓ کے ہاتھوں مارا گیا، پھر اس کا بھائی یاسر میدان میں آیا، یہ بڑے ڈیل ڈول والا ہٹا کٹا پہلوان تھا، اس نے آکر مسلمانوں کو للکارا، اس سے مقابلے کے لیے حضرت زبیرؓ میدان میں آئے، جب آپ کی والدہ حضرت صفیہؓ نے اپنے لختِ جگر اور نورِ نظر کو میدانِ جنگ میں ایک شہ زور پہلوان کے مقابل دیکھا تو بڑی بے چین ہوگئیں اور کہنے لگیں: آج میرا لختِ جگر مجھ سے جدا ہو جائے گا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کو تسلی دیتے رہے، اور فرمایا: نہیں، زبیر ہی اس کو قتل کرے گا۔ حضرت زبیرؓ آگے بڑھے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نامور پہلوان کو واصلِ جہنم کر دیا۔ (الزبیر بن العوام: ۵۵)

فتحِ مکہ، ۲۰/ رمضان المبارک ۸ھ، مطابق: ۱۱/ جنوری ۶۳۰ء

جب غزوۂ خیبر سے فراغت حاصل ہوئی تو اب مسلمان مکہ کی طرف متوجہ ہوگئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتحِ مکہ کی تیاری شروع فرمادی، ایک مشہور صحابی حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کے کچھ اعزا مکہ میں رہتے تھے، جب انہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارادے کی اطلاع ہوئی تو اپنے رشتہ داروں کا خیال کرتے ہوئے مدینہ کے تمام حالات لکھ کر ایک عورت کو خبر پہنچانے کے لیے روانہ کر دیا، ابھی وہ عورت راستہ میں ہی تھی کہ بذریعۂ وحی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ یا حضرت مقدادؓ کو حکم دیا کہ فوراً جائیں اور روضۂ خاخ پر پہنچیں، جہاں وہ عورت ملے گی جو حاطب کا خط لیے جا رہی ہے،

چناں چہ یہ حضرات روضۂ خاخ پر پہنچے اور اس عورت کو وہیں روک کر اس کے ساز وسامان کی تلاشی لی اور جب خط نہ ملا تو عورت کو دھمکی دی کہ یا تو خط حوالہ کر دے؛ ورنہ برہنہ کر کے تلاشی لی جائے گی، آخر عورت نے سر کھولا اور بالوں میں بندھے ہوئے گچھے میں سے خط نکال کر حضرت علیؓ کے حوالہ کیا جس کو لے کر یہ حضرات واپس ہوئے، نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں خط پیش ہوا تو حضرت حاطبؓ کی طلبی ہوئی۔

اس خط کے متعلق تفتیش ہوئی، حضرت حاطبؓ نے فرمایا کہ: یا رسول اللہ! یہ خط میرا ہے؛ مگر الحمد للہ میں مسلمان ہوں اور جو حرکت مجھ سے سرزد ہوئی اس کی وجہ یہ تھی کہ میں قریش سے نہیں ہوں اور میرے اہل وعیال مکہ میں ہیں، اس وقت میرے بچوں کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہیں، چناں چہ میں نے اپنے اہل وعیال کے خاطر مکہ والوں پر یہ احسان کرنا چاہا، اور میں سمجھتا تھا کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تو ضرور فتح حاصل ہوگی، دشمنوں کو اطلاع دیں یا نہ دیں؛ بہر حال بول بالا اسلام ہی کا ہوگا، پس بہ لحاظ ''مفت کرم داشتن'' میں نے ایسا کیا۔

حضرت عمر فاروقؓ نے عرض بھی کیا کہ: یا رسول اللہ! اجازت دیجیے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں؛ مگر جب رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں فرمایا کہ: ''اے عمر! تمھیں کیا خبر ہے جنگِ بدر میں شریک ہونے والے مسلمان کس رتبہ کے ہیں جن کے بارے میں حق تعالیٰ نے یوں کہہ دیا کہ جو چاہو کرو میں تمھیں بخش

چکا''۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ پر گریہ طاری ہو گیا اور کہنے لگے کہ: ''اللہ اور اس کا رسول ہی بہتر جانتے ہیں''الغرض حضرت حاطبؓ کا قصور معاف کر دیا گیا۔

جب بڑی خاموشی سے تیاریاں ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۸ ھ میں دس ہزار کا لشکر لے کر مکہ کی جانب کوچ فرمایا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقامِ صلصل پہنچے تو حضرت زبیرؓ کو دو سو سواروں کے ساتھ آگے روانہ فرمایا، اور بقول ابنِ کثیر: لشکر بجائے خشکی کے راستے کے بحری راستے سے بھیجا گیا؛ تاکہ نواحِ مکہ میں پہنچنے تک قریش کو خبر نہ ہو۔

غزوۂ حنین و دیگر لڑائیاں

فتحِ مکہ کے بعد جب قریش کا دم خم نکل گیا اور اہلِ مکہ ''بجز چند'' توحید کے رشتے میں بندھ گئے، صنم خانے مسمار ہو گئے اور بتوں کی خدائی ختم ہو گئی، تو مکہ کے قرب و جوار میں آباد دو طاقتور قبیلے بنو ہوازن اور بنو ثقیف کے جذبات نے انگڑائی لیں اور یہ دونوں قبیلے لڑائی کی تیاریاں کرنے لگے اور دیگر قبائل کو بھی مسلمان کے خلاف بھڑکانے لگے، جب تیاری مکمل ہو چکی تو اوطاس کی وادی میں اپنا لشکر جمع کیا جن کی تعداد چار ہزار بتائی جاتی ہے، بنو ہوازن کی یہ تیاریاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچتی رہتی تھیں، آپؐ بھی فتحِ مکہ کے انیس دن کے بعد ۶/ شوال ۸ ھ بروز ہفتہ بارہ ہزار کا لشکر لے کر روانہ ہوئے، جس میں کچھ نو مسلم اور وہ لوگ بھی تھے جو ابھی تک ایمان کی دولت سے محروم تھے، اس غزوہ میں ابتداءً تو مسلمانوں کو شکست

ہوئی؛ مگر دوبارہ اکٹھے ہو کر حملہ کیا تو فتح یاب ہوئے۔ روایت میں آتا ہے کہ: جب حضرت زبیرؓ اس وادی میں پہنچے جہاں دشمنوں کا لشکر چھپا ہوا تھا، تو دشمنوں کے ایک دستہ نے دیکھ کر آپ کو پہچان لیا اور آپس میں کہنے لگے: ہوشیار ہو جاؤ، یہ لمبا تڑنگا انسان زبیر ہی ہے، اس کے ماسوا اور کوئی نہیں ہو سکتا، اس کا حملہ بڑے زور کا ہوتا ہے، اس قسم کی باتیں کرتے ہوئے حضرت زبیر پر ٹوٹ پڑے، حضرت زبیر تنِ تنہا اس زور سے حملہ آور ہوئے اور مقابلہ کیا کہ اس دستے کے چھکے چھڑا دیے۔

اسی طرح حضرت زبیرؓ طائف و تبوک کے غزوات میں شریک ہوئے اور اس قسم کی دیگر چھوٹی بڑی جنگوں میں بھی شرکت فرمائی اور نہایت دلیری اور بہادری کا مظاہرہ کیا، ۱۰ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حجۃ الوداع میں بھی قدم بہ قدم ساتھ رہے۔

خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں

حج سے واپس آنے کے بعد سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی اور حضرت ابوبکر صدیق مسند آرائے خلافت ہوئے، حضرت زبیرؓ نے خلیفۂ اول کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور قدم قدم پر ان کا بھرپور تعاون فرمایا۔

خلیفۂ ثانی حضرت عمر کے عہد میں جنگِ یرموک کا حیرت انگیز کارنامہ

سوا دو برس خلافت کی باگ ڈور سنبھال کر خلیفۂ اول بھی رہ گزینِ عالمِ جاودانی ہوئے، ان کے بعد حضرت عمرؓ بن خطاب نے مسندِ خلافت پر قدم رکھا،

ویسے تو خلیفۂ اول کے دور ہی سے فتوحات کا سلسلہ شروع ہو چکا؛ مگر حضرت عمرؓ نے اس کو اور بھی زیادہ وسیع کر دیا، حضرت زبیرؓ کا دل اگرچہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے افسردہ ہو چکا تھا؛ تاہم ایک مردِ میدان اور جانباز بہادر کے لیے اس جوش وولولہ کے وقت عزلت نشین رہنا سخت دشوار تھا، خلیفۂ وقت سے اجازت لے کر شامی رزم گاہ میں شریک ہوئے، یہ وہ وقت تھا جب کہ میدانِ یرموک میں شام کی قسمت کا آخری فیصلہ ہونے والا تھا، دورانِ جنگ کچھ حضرات نے کہا کہ: اگر آپ حملہ کر کے غنیم میں گھس جائیں تو ہم بھی آپ کا ضرور تعاون کریں گے، حضرت زبیرؓ نے عرض کیا کہ تم لوگ میرا ساتھ نہیں دے سکتے ہو، لوگوں نے عہد کیا تو اس زور سے حملہ آور ہوئے کہ رومی فوج کا قلب چیرتے ہوئے تنہا اِس پار سے اُس پار نکل گئے، اور ان لوگوں میں سے کوئی بھی آپ کی مدد نہ کر سکا، جب آپ واپس ہوئے تو آپ کے گھوڑے کی باگ پکڑ کر رومیوں نے آپ کو نرغے میں لے لیا اور سخت زخمی کیا، گردن پر دو زخم اس قدر کاری لگے کہ وہ اچھے ہونے کے بعد بھی گڑھے بن کر باقی رہ گئے، آپ کے صاحبزادے عروہ فرماتے ہیں کہ: غزوۂ بدر کے زخم کے بعد یہ دوسرے زخم کا گڑھا تھا جس میں ہم بچپن میں انگلیاں ڈال کر کھیلا کرتے تھے۔ الغرض ان ہی حیرت انگیز کارناموں کا نتیجہ یہ ہوا کہ رومیوں کی ٹڈی دل فوج میدانِ کارزار سے بھاگ کھڑی ہوئی اور فرزندانِ توحید تمام ملکِ شام کے وارث بن گئے۔ (بخاری شریف، کتاب المغازی بحوالہ سیر الصحابہ ۲/ ۸۸)

فسطاط کی فتح

فتحِ شام کے بعد حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں حملہ ہوا، آپ نے چھوٹے چھوٹے مقامات کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کا محاصرہ کرلیا اور قلعہ کی مضبوطی، نیز فوج کی قلت دیکھ کر دربارِ خلافت سے اعانت طلب کی، امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے، ان افسران میں حضرت زبیر بھی تھے۔ آپ کے رتبہ کی بنا پر حضرت عمرو بن عاص نے آپ کو بھی افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے انتظامات آپ کے سپرد کردیے۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سات مہینہ تک قسم قسم کے حربے استعمال کرتے رہے؛ مگر فتح وشکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا، آپ رضی اللہ عنہ نے ایک دن تنگ آکر کہا کہ: آج میں مسلمانوں پر فدا ہوتا ہوں، یہ کہہ کر ننگی تلوار ہاتھ میں لی اور سیڑھی لگاکر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان کا ساتھ دیا، جب سب فصیل پر پہنچ گئے تو سب نے مل کر اتنا زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی، عیسائی یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے بدحواس ہوگر بھاگے، ادھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور تمام فوج اندر گھس آئی، مقوقس حاکمِ مصر نے صلح کی درخواست پیش کی تو اسی وقت سب کو امان دے دی گئی۔ (فتوح البلدان: ۲۲۰ بحوالہ سیر الصحابہ ۲/ ۸۹)

اسکندریہ کی تسخیر

جب فسطاط فتح ہوگیا تو اسلامی فوج نے اسکندریہ کا رُخ کیا اور مدتوں قلعہ

کا محاصرہ کیسے پڑی رہی؛ لیکن جس قدر زیادہ دن گذرتے جارہے تھے، اسی قدر دربارِ خلافت سے اس کے جلد فتح کر لینے کا تقاضا بڑھتا جاتا تھا، غرض ایک روز حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے آخری اور قطعی حملہ کا ارادہ کرلیا اور حضرت زبیر اور مسلمہ بن مخلد کو فوج کا ہراول بنا کر اس زور سے یورش کی کہ ایک ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا۔

(مہاجرین: ۸۵)

خلیفۂ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں

جب ۲۳ھ میں خلیفۂ وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مجوسی کے ہاتھ سے ناگہانی طور پر سخت زخمی ہوئے تو عہدۂ خلافت کے لیے چھ آدمیوں کے نام پیش کیے اور فرمایا کہ: حضرت سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اخیر تک ان سے راضی رہے تھے، ان چھ حضرات میں ایک حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی تھے، تین دن کی مسلسل گفت وشنید اور بحث ومباحثہ کے بعد شوریٰ نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو اس مسند پر بٹھایا، حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے بھی بہ صدق دل وجاں اس انتخاب کو تسلیم کرکے بیعت کرلی۔

خلیفۂ ثالث کے عہد میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے نہایت سکون وخاموشی کی زندگی بسر کی اور کسی قسم کی ملکی مہم میں شریک نہیں ہوئے، جب ۳۵ھ میں مصری مفسدوں نے بارگاہِ خلافت کا محاصرہ کیا تو انہوں نے اپنے بڑے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کو امیر المؤمنین کی مساعدت وحفاظت پر مامور کردیا۔

غرض ۱۸/ذی الحجہ جمعہ کے روز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مفسدین کے ہاتھوں شہید

ہوئے۔ حضرت زبیرؓ نے حسبِ وصیت پوشیدہ طریقہ پر رات کے وقت نمازِ جنازہ ادا کی اور مضافاتِ مدینہ میں حش کوکب نامی ایک مقام میں سپردِ خاک کیا۔

خلیفۂ رابع حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ

اس کے بعد مسندِ خلافت پر حضرت علیؓ آئے؛ لیکن حضرت علیؓ کی مسند نشینی کے دور میں مدینہ میں امن وامان قائم نہ تھا، سبائی فرقہ فتنہ وفساد کے نئے نئے کرشمے دکھاتا رہتا تھا، حضرت علیؓ نے ان کے فتنہ کو ختم کرنے کی بہت کوشش کی؛ مگر کامیابی نہ مل سکی۔ حضرت زبیرؓ ۔ جو اساطینِ امت میں سے تھے۔ کب تک اس شورش وہنگامہ آرائی کا تماشہ دیکھتے، اصلاحِ حال اور رفعِ فساد کا انتظار کرتے کرتے کامل چار ماہ گذر گئے؛ لیکن امن وسکون کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی، آخر تھک کر ہار کر حضرت طلحہؓ کو ساتھ لیا اور حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور قاتلینِ عثمان پر اقامتِ حدود کا مطالبہ کیا؛ مگر وہاں سے بھی مایوس کن جواب پاکر اس شورش کو دفع کرنے کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہؓ حج کے ارادے سے مکہ آئی تھیں اور مدینہ میں ہونے والی شورشوں کا حال سن کر یہیں مقیم تھیں، یہ دونوں حضرات، حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مدینہ کا سب حال سنا ڈالا، تو ام المؤمنین نے فرمایا: ''تو پھر کوئی رائے قائم کرکے اس شورش کو فرو کرنا چاہیے''۔ غرض تھوڑی دیر کی بحث ومباحثہ کے بعد علمِ اصلاح بلند کرنے پر سب کا اتفاق ہوا، بنوامیہ بھی جو

مدینہ سے بھاگ کر یہاں مجتمع ہو گئے تھے جوشِ انتقام میں ساتھ ہو گئے اور اس طرح داعیانِ اصلاح کی ایک ہزار افراد کی جماعت جانبِ بصرہ روانہ ہوئی؛ تاکہ وہاں سے اپنی قوت مضبوط کر کے مدینہ کا رُخ کرے۔

حضرت طلحہ وزبیرؓ نے اہلِ کوفہ کو بھی خطوط لکھ کر شرکت کی ترغیب دی؛ لیکن وہاں حضرت حسنؓ نے پہنچ کر پہلے ہی لوگوں کو اپنا طرفدار بنا رکھا تھا، ادھر تقریباً نو ہزار کی عظیم الشان جمعیت مقامِ ذی قار میں حضرت علیؓ کی فوج سے مل کر بصرہ کی طرف بڑھی۔ حضرت طلحہؓ وزبیرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی اپنی فوج کو مرتب اور منظم کر کے آگے بڑھایا، ۱۰/ جمادی الآخر ۳۶ھ جمعرات کے دن دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوگئیں۔ کیسا عبرت انگیز نظارہ تھا، چند دن بیشتر جو لوگ بھائی بھائی تھے، آج باہم ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو کر غیظ وغضب سے اپنے مقابل کو گھور رہے ہیں؛ لیکن ذاتی مخاصمت وعداوت سے نہیں؛ بلکہ حق وصداقت کے جوش میں، یہی وجہ ہے کہ ایک ہی قبیلہ کے کچھ آدمی اس طرف ہیں تو کچھ اس طرف، چوں کہ دونوں جماعتوں کے سربراہوں کے پیشِ نظر اصلاح تھی، اس لیے پہلے مصالحت کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی۔ صلح تقریباً طے ہو چکی، ادھر شر پسندوں کو اس کا علم ہوا تو انھوں نے دھوکے سے لڑائی شروع کر دی، گھمسان کا رن پڑا، حضرت علیؓ تنہا گھوڑا آگے بڑھا کر بیچ میدان میں آئے اور حضرت زبیرؓ کو بلا کر کہا: ابوعبداللہ! تمھیں وہ دن یاد ہے جب کہ ہم اور تم دونوں ہاتھ میں ہاتھ دیے

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے سے گذرے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم اس کو دوست رکھتے ہو؟ تم نے عرض کیا تھا، ہاں! یا رسول اللہ، یاد کرو اس وقت تم سے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: ایک دن تم اسی سے ناحق لڑو گے، حضرت زبیرؓ نے جواب دیا: ہاں! اب مجھے یاد آیا۔

حضرت علیؓ تو صرف ایک بات یاد دلا کر پھر اپنی جگہ چلے گئے؛ لیکن حضرت زبیرؓ کے قلبِ حق پرست میں ایک سخت تلاطم برپا ہو گیا، تمام عزائم اور ارادے فسخ ہو گئے، ام المؤمنینؓ کے پاس آکر کہنے لگے: ''میں برسرِ غلط تھا'' علیؓ نے مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مقولہ یاد دلایا، حضرت عائشہؓ نے پوچھا: پھر اب کیا ارادہ ہے؟ بولے: ''اب میں اس جھگڑے سے کنارہ کش ہوتا ہوں''۔ حضرت زبیرؓ کے صاحب زادے: عبداللہ نے کہا: آپ ہم لوگوں کو دو گڑھوں کے درمیان پھنسا کر خود حضرت علیؓ کے خوف سے بھاگنا چاہتے ہیں؟ حضرت زبیرؓ نے کہا: میں قسم کھاتا ہوں کہ علیؓ سے نہیں لڑوں گا! حضرت عبداللہؓ نے کہا: قسم کا کفارہ ممکن ہے، اور اپنے غلام کو بلا کر آزاد کر دیا؛ لیکن حواریٔ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دل اچاٹ ہو چکا تھا، کہنے لگے: جانِ پدر! علیؓ نے ایسی بات یاد دلائی کہ تمام جوش فرو ہو گیا، بے شک ہم حق پر نہیں ہیں، آؤ تم بھی میرا ساتھ دو۔ حضرت عبداللہؓ نے انکار کر دیا تو تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے؛ تاکہ وہاں سے اپنا اسباب وسامان لے کر حجاز کی طرف نکل جائیں۔ (مہاجرین:۸۶)

واقعۂ شہادت

قیس بن احنف کی نگاہ ان پر پڑی تو ان کے دل میں کھٹکا پیدا ہوا کہ حضرت زبیرؓ تنِ تنہا اس سمت کس ارادے سے تشریف لے جارہے ہیں، چناں چہ انہوں نے حالات معلوم کرنے کے لیے عمرو ابن جرموز کو ان کے پیچھے بھیجا، یہ ہتھیار سے لیس تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوکر ان سے جاملا اور ان سے کسی موضوع پر گفتگو کرنے لگا۔ حضرت زبیرؓ اس سے بالکل مطمئن تھے، حالاں کہ وہ شخص اپنے دل میں برا ارادہ چھپائے ہوئے تھا، راستے میں ایک مقام وادئ سباع میں نماز کا وقت آیا، حضرت زبیرؓ جب وہاں نماز کے ارادے سے ٹھہرے تو یہ بھی آپ کے ساتھ رک گیا۔ جب حضرت زبیرؓ نماز میں اپنے مولائے حقیقی سے گفت وشنید کرتے ہوئے کامل عبدیت کے اظہار کے خاطر اپنے خالق کے سامنے سربسجود ہوئے تو اِس بدبخت شخص نے موقع کو غنیمت جان کر حضرت زبیرؓ کا سرتن سے جدا کردیا۔

آخر کار یہ مجاہدِ اعظم اور حواریٔ رسول وادئ سباع میں ۔جو کہ بصرہ سے سات فرسخ کے فاصلہ پر ہے۔ بروز جمعرات ۱۰/جمادی الآخر ۳۶ھ کو تقریباً چونسٹھ سالہ زندگی اللہ اور اس کے رسول کے نام پر قربان کرکے اس دنیا کو خیر باد کہہ گیا اور وادئ سباع کی سنسان گھاٹیوں میں دفن کردیا گیا۔ ”إنا لله وإنا إليه راجعون“. (الریاض النضرۃ:۲/ ۲۷۴۔اسد الغابۃ ۲/ ۲۷۳۔زبیر بن عوام:۲۸)

قاتلِ زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہنم میں

جب قاتل عمرو بن جرموز حضرت زبیرؓ کے قتل کی خبر لے کر حاضر ہوا تو حضرت علیؓ نے فرمایا: او کمبخت قاتلِ زبیر! تجھے جہنم کی بشارت ہو۔ (اصحاب الرسول: ۵:۲۳)

ازواج و اولاد

ازواج:

حضرت زبیرؓ نے مختلف اوقات میں مختلف شادیاں کیں، جن کا تذکرہ مندرجۂ ذیل ہے:

۱۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہما: ان سے حضرت زبیرؓ کے پانچ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہوئیں۔

۲۔ حضرت ام خالد امۃ بنت خالد بن سعید بن عاص: ان کے بطن سے دو صاحبزادے اور تین صاحبزادیوں کو وجود ملا۔

۳۔ حضرت رباب بنت انیف بن عبید: ان کی وساطت سے حضرت زبیر دو لڑکے اور ایک لڑکی کے والد بنے۔

۴۔ حضرت زینب بنت مرثد ابن عمرو بن عبد عمرو: ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے دو بیٹے عطا کیے۔

۵۔ حضرت امِ کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط: یہ پہلے عبد الرحمٰن بن عوف کے عقد میں تھیں، پھر حضرت زبیرؓ سے عقد ہوا، ان سے حضرت زبیرؓ کے یہاں

صرف ایک بیٹا پیدا ہوا۔

۶۔ حضرت حلال بنت قیس بن نوفل: یہ اولاً مطیع ابن الاسود کی زوجیت میں رہیں، پھر اسود بن ابوالبختری کے عقد میں آئیں؛ لیکن وہاں بھی زیادہ عرصہ نہ گذرا کہ جدائیگی ہوگئی، پھر حضرت زبیرؓ انہیں اپنی زوجہ بنا کر اپنے گھر لائے؛ لیکن ان سے حضرت زبیرؓ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

۷۔ تماضر بنت اصوغ: یہ حضرت زبیرؓ کے نکاح میں صرف سات روز رہیں، پھر طلاق ہوگئی۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۷۰)

<u>لڑکے:</u>

مذکورہ ازواج سے آپؓ کے گیارہ لڑکے ہوئے جن کا مختصر تذکرہ ذیل میں مذکور ہے:

۱۔ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما: کنیت ابوبکر، ۲ھ میں مدینہ میں آپ کی پیدائش ہوئی، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بقول ہجرت کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلی ولادت آپ ہی کی ہوئی۔

۲۔ عروہ: کنیت ابوعبداللہ، یہ بڑے فیاض تھے، مدینہ میں آپؓ نے ایک کنواں بھی کھدوایا، جس کا پانی بڑا شیریں اور ذائقہ دار تھا۔ آپ کے چھ لڑکے ہوئے: عبداللہ، عثمان، یحییٰ، عمرو، مصعب، ہشام (رحمہم اللہ تعالیٰ)

۳۔ منذر: کنیت ابوعثمان، انہیں اپنے بھائی عبداللہ کے ساتھ شہید کر دیا

گیا تھا۔

۴۔عاصم: لڑکپن ہی میں اللہ کو پیارے ہو گئے۔

۵۔مہاجر: (مذکورہ پانچوں صاحبزادے حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی اولاد ہیں)

۶۔خالد بن زبیر۔

۷۔عمر: کنیت ابوالزبیر، بڑے عالی ہمت اور بلند مرتبہ والے شخص تھے۔ (مذکورہ دونوں صاحبزادوں کی والدہ حضرت امِ خالدؓ ہیں)

۸۔مصعب، کنیت: ابوعبداللہ، اشرافِ عرب میں سے تھے، جن کے آٹھ لڑکے ہوئے: جعفر، عیسیٰ، حمزہ، عکاشہ، عمرو، سعد، محمد، مصعب۔

۹۔حمزہ: اپنے بھائی کے ساتھ مکہ میں شہید ہوئے۔ (یہ دونوں حضرات رباب بنت انیف بن عبید کے بطن سے ہیں)

۱۰۔عبیدہ۔

۱۱۔جعفر: بڑے عاشق مزاج تھے۔ (یہ دونوں صاحبزادے زینب بنت مرثد سے ہیں)۔ (طبقات ابن سعد: ۳/ ۷۰۔ خاندانِ نبوت: ۵۷۳)

<u>لڑکیاں:</u>

حضرت زبیر کو اللہ تعالیٰ نے نو صاحبزادیاں عطا کی تھیں:

۱۔خدیجۂ کبریٰ: ان کی اولاً عبداللہ بن ابی ربیعہ سے شادی ہوئی، کچھ ہی

ایام گذرے کہ آپ کے شوہر چل بسے، چناں چہ دوسری شادی حضرت جبیر ابن مطعم سے ہوئی، ان سے بھی کچھ ہی ایام میں مفارقت ہوگئی، بالآخر آپ کا نکاح سائب بن جیش سے ہوا۔

۲۔ ام الحسن: آپ کا نکاح عبدالرحمٰن بن حارث سے ہوا جن سے کئی اولاد ہوئیں۔

۳۔ عائشہ: آپ کا عقدِ نکاح ولید بن عثمان سے ہوا جن سے عبداللہ بن ولید کی ولادت ہوئی۔

(مذکورہ تین صاحبزادیوں کی والدہ حضرت اسماء بنت ابوبکرؓ ہیں)۔

۴۔ حبیبہ: پہلے آپ کا عقد یعلیٰ بن امیہ السہمی سے ہوا؛ پھر عبداللہ بن عباس بن علقمہ کے نکاح میں آئیں۔

۵۔ سودۃ: آپ کی پہلی شادی اشدق عمرو بن سعید بن عاص سے ہوئی، پھر عبدالرحمٰن بن اسود کے نکاح میں آئیں۔

۶۔ ہند: آپ کا اولاً عقد عبدالملک بن عبداللہ سے ہوا اور ان سے آپ کے دو بچے پیدا ہوئے؛ مگر دونوں ہی صغرِ سنی میں وفات پا گئے، اس کے بعد آپ کا نکاح عباس بن عبداللہ بن عباس سے ہوا، جن سے عون بن عباس پیدا ہوئے۔

(مذکورہ تین صاحبزادیوں کی والدہ حضرت امِ خالد ہیں)۔

۷۔ رملہ: آپ کا نکاح عثمان بن عبداللہ بن حکیم سے ہوا اور ایک بچی کی

ولادت ہوئی تھی کہ عثمان کا انتقال ہوگیا، چناں چہ اس کے بعد خالد بن یزید کے نکاح میں آئیں۔(ان کی والدہ ماجدہ رباب بنت انیف بن عبید ہیں)۔

۸۔زینب: آپ کا عقدِ زوجیت عتبہ بن ابوسفیان بن حرب کے ساتھ قائم ہوا؛ مگر کوئی اولاد نہیں ہوئی۔آپ کی والدہ حضرت امِ کلثوم بنت عقبہ بن ابو معیط ہیں، یہ پہلے عبد الرحمٰن بن عوف کے نکاح میں تھیں اور ان سے چار صاحبزادے بھی ہوئے: محمد، ابراہیم، حمید اور اسماعیل۔

۹۔خدیجۂ صغریٰ: آپ کا رشتۂ زوجیت ابوالیسار عمرو بن عبدالرحمٰن کے ساتھ قائم ہوا جن سے دو صاحبزادے: زبیر اور مصعب ہوئے۔(ان کی والدہ حلال بنت قیس ہیں)۔(الریاض النضرۃ:۲۸۰۔طبقات ابن سعد:۳/۷۰)

آل واولاد سے محبت

حضرت زبیرؓ کو بیوی بچوں سے نہایت محبت تھی، خصوصاً حضرت عبداللہ اور ان کے بچوں کو بہت چاہتے تھے، چناں چہ اپنے مال میں سے ایک ثلث کی خاص ان کے بچوں کے لیے وصیت کی تھی، لڑکوں کی تربیت کو بھی خاص طور پر ملحوظ رکھتے تھے، جنگِ یرموک میں شریک ہوئے تو اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو بھی ساتھ لے گئے، اس وقت ان کی عمر صرف دس سال کی تھی؛ لیکن حضرت زبیرؓ نے انہیں گھوڑے پر سوار کرواکے ایک شخص کے سپرد کر دیا اور اس سے کہہ دیا کہ اسے جنگ کے ہولناک مناظر دکھا کر جرأت وبہادری کا سبق

دے۔(سیر الصحابہ:۲/ ۱۰۲)

دَین اور ترکہ

جب آپ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو آپ نے سوائے کچھ زمین اور مکانات کے کچھ نقد مال نہیں چھوڑا تھا، ایک بنجر زمین تھی اور پندرہ مکانات تھے، گیارہ مدینہ میں، دو مکانات بصرہ میں، ایک گھر کوفہ میں اور ایک مصر میں۔

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے کل ترکے کی قیمت ایک روایت کے مطابق پانچ کروڑ باون لاکھ، اور ایک روایت کے مطابق آپ کا تمام مال تین کروڑ باون لاکھ روپے تھا، جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بوقتِ وفات بائیس لاکھ کے مقروض تھے، ان کے بیٹے حضرت عبداللہ نے انتہائی کوشش کے بعد زمین کو فروخت کیا اور آپ کا پورا قرض ادا کیا، اور چار سال تک مکہ میں موسمِ حج میں اعلان کرتے رہے اور جب سارا دین چُک گیا تب ترکہ تقسیم کیا گیا۔(طبقات ابن سعد ۳/ ۷۷)

فضائل ومناقب

<u>جنت کی بشارت:</u>

۱۔حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوبکر جنت میں ہے اور عمر جنت میں ہے اور عثمان جنت میں ہے اور علی جنت میں ہے اور طلحہ جنت میں ہے اور زبیر جنت میں ہے اور عبدالرحمٰن بن عوف جنت میں ہے اور سعد بن ابی وقاص جنت میں ہے، سعید بن زید جنت میں ہے اور

ابوعبیدہ بن الجراح جنت میں ہے۔ (مشکوٰۃ ۲/ ۴۷۹)

حواریٔ رسول:

۲۔ حضرت جابرؓ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ خندق کے دن فرمایا: ہمارے پاس بنی قریظہ کی خبر کون لائے گا تو زبیرؓ نے کہا: میں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوبارہ لوگوں سے دریافت کیا اور سہ بارہ دریافت کیا، ہر دفعہ حضرت زبیر ہی آمادہ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔

(مسند احمد: ۳/ ۳۰۷، بحوالہ تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام: ۵۰۱)

یہ نصیب اللہ اکبر:

۳۔ حضرت جابر سے یہ بھی منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: زبیر میرے پھوپھی زاد بھائی اور میرے وفادار ساتھی ہیں۔ (مسند احمد ۳/ ۳۱۴ بحوالہ مذکور)

اے کاش کہ میں ہوتا:

۴۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ: حضرت زبیرؓ نے فرمایا: نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غزوۂ احد میں میرے لیے اپنے والدین کو جمع فرما کر کہا: "فداک أبي وأمي" میرے ماں باپ تم پر قربان ہوں۔

(مسند احمد: ۱/ ۱۶۴ بحوالہ فضائل الصحابہ: ۵۳۵)

شہید ہو تو ایسا ہو:

۵۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ: ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جبلِ حراء پر تھے کہ اتنے میں پہاڑ حرکت کرنے لگا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: اے حراء! ٹھہر جا! تجھ پر نبی، صدیق اور شہید کے ماسوائے کوئی نہیں، اور اس وقت جبلِ حراء پر خود نبئ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمان، طلحہ، زبیر اور سعد رضی اللہ عنہم تھے۔

(الخصائص: ۲/ ۴۴۷۔ الزبیر بن العوام: ۷۵)

اس کے حوصلے میں تزلزل نہ آیا

حضرت عروہؓ سے روایت ہے کہ: حضرت عائشہؓ نے ان سے فرمایا: اے بھتیجے! میرے والدِ بزرگوار یعنی ابوبکر صدیق اور زبیر ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے زخم کھانے کے بعد بھی اللہ اور اس کے رسول کے حکم کو مانا۔

(مسلم، رقمِ حدیث: ۲۴۱۸، طبقات ابن سعد: ۳/ ۱۰۴)

عطا ہو تو ایسی

عبدالرحمٰن بن ابی الزنادؒ ہشام سے اور وہ اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ نبئ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت زبیرؓ کو ایک ریشمی قبا عطا فرمائی تھی جسے پہن کر آپؓ جہاد کیا کرتے تھے۔

(تہذیب تاریخِ دمشق: ۵/ ۳۶۲، کنز العمال: ۳۳۶۲۹ بحوالہ تاریخ الاسلام: ۵۰۳)

وہ رکنِ دین ہے

حضرت عروہؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا: اگر میں وصیت کروں یا میں کوئی ترکہ چھوڑوں تو لوگوں میں مجھے سب سے محبوب زبیر ہیں،

وہ دین کے ارکان میں سے ایک رکن ہیں۔(المعجم الکبیر ۱ / ۱۲۰ بحوالہ تاریخ الاسلام: ۵۰۴)

اسلام میں پہلی تلوار

حضرت سعید بن مسیبؒ نے فرمایا کہ: اللہ کے لیے سب سے پہلے تلوار سونتنے والے حضرت زبیر بن عوّامؓ ہیں، مکہ کے قیام میں ایک روز جب انھوں نے سنا کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیا گیا تو تنِ تنہا تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے گھر سے نکل پڑے، جب اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں دیکھا تو فرمایا: اے زبیر! تمہاری یہ کیا حالت ہے؟ تو حضرت زبیرؓ نے جواب دیا کہ میں نے سنا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قید کرلیا گیا ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: تو تم کیا کرتے؟ حضرت زبیرؓ نے عرض کیا کہ بخدا! میں نے ان مکہ والوں سے جنگ کا ارادہ کرلیا تھا، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سن کر آپؓ کو بھلائی کی دعا فرمائی۔

(التہذیب ۲ / ۲۸۱، صفوۃ الصفوۃ: ۱ / ۳۴۶)

مشیرِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت معاذ بن جبلؓ کو یمن بھیجنے کا ارادہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے کچھ اصحاب سے مشورہ کیا جن میں حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر اور اسید بن حضیر رضی اللہ عنہم تھے اور ان میں سے ہر ایک صاحب الرائے تھا۔(الزبیر بن العوام: ۷۶)

حضرت زبیرؓ اور دیگر خدمات

حضرت زبیرؓ نے اپنی تمام زندگی اسلام اور اہلِ اسلام کی بڑی خدمت کی، غزوات کے علاوہ دیگر اہم ذمہ داریاں حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام اکثر آپؓ ہی کے سپرد کیا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص انصار کے کسی محلہ میں آیا اور کہنے لگا کہ: مجھے تمہارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھیجا ہے اور تمہارے نام یہ پیغام بھی بھیجا ہے کہ تم لوگ اپنی فلانی عورت سے نکاح کرادو (حالاں کہ اس شخص کو نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہیں بھیجا تھا) جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ کو بھیجا اور فرمایا کہ: جاؤ! اگر وہ تمہاری پکڑ میں آجائے تو اُسے قتل کرڈالنا؛ لیکن یہ دونوں حضرات وہاں پہنچے تو اسے اس حال میں پایا کہ ایک سانپ نے اسے ڈس لیا تھا۔ (الخصائص للسیوطی ۲/ ۳۱۴)

ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرائے صحابہؓ میں سے دس اصحاب کو کچھ لوگوں کے ساتھ روانہ فرمایا جو اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کررہے تھے، ان لوگوں نے ایک مقام پر اِن اصحاب سے عہد شکنی کی اور اِن دس افراد کی چھوٹی سی جماعت سے جنگ ہوئی، چناں چہ آٹھ افراد تو شہید ہوگئے اور دو کو گرفتار کرلیا گیا، ان اسیران میں سے ایک حضرت خبیبؓ بھی تھے، انہیں مکہ کے ایک مشرک حُجیر بن ایاب نے اپنے باپ ابو ایاب کے خون کا بدلہ لینے کے لیے خریدا تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حضرت خبیبؓ کے سولی پر چڑھائے جانے کی اطلاع ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے

بہت افسوس کا اظہار فرمایا اور ان کی نعش لینے کے لیے حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ کو روانہ فرمایا۔ یہ دونوں حضرات چھپتے چھپاتے سولی کے مقام پر پہنچ گئے، جب وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ چالیس دن سے برابر چالیس مشرک اس کی نگرانی کر رہے ہیں، حضرت زبیرؓ نے رات کے وقت لاش کو اتارا اور گھوڑے پر رکھ کر روانہ ہو گئے، کافر بیدار ہوئے اور لاش کو مفقود پایا تو تعاقب کیا، ایک جگہ گھر گئے تو لاش زمین پر رکھ دی اور مقابلہ کرنے لگ گئے۔ ابھی لاش کو زمین پر رکھا ہی تھا کہ زمین نے لاش کو نگل لیا، اسی دن سے حضرت خبیبؓ کو ''بلیع الارض'' کہا جانے لگا۔

(زبیر ابن عوام: ۶۵۔ الخصائص للسیوطی: ۱/ ۵۵۳)

جہاد فی سبیل اللہ میں آئے ہوئے زخم

حضرت حفص بن خالدؒ کہتے ہیں کہ: موصل سے ایک بڑی عمر کے بزرگ ہمارے پاس آئے اور انہوں نے ہمیں بتایا کہ میں ایک سفر میں حضرت زبیر بن عوامؓ کے ساتھ تھا، ایک چٹیل میدان میں ان کو نہانے کی ضرورت پیش آ گئی، وہاں نہ پانی تھا نہ گھاس اور نہ کوئی انسان، انہوں نے کہا: میرے نہانے کے لیے ذرا انتظام کر دو، میں نے ان کے لیے پردے کا انتظام کر دیا، نہانے کے دوران اچانک میری نگاہ ان پر پڑی تو میں نے دیکھا کہ ان کے سارے جسم پر تلوار کے زخموں کے نشان ہیں، میں نے ان سے کہا کہ: میں نے آپ کے جسم پر اتنے زخموں کے نشان دیکھے کہ کسی اور کے جسم پر کبھی اتنے زخم نہیں دیکھے۔ حضرت زبیرؓ

نے کہا: کیا تم نے دیکھ لیا؟ میں نے کہا: جی ہاں! تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بخدا اِن میں سے ہر زخم حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معیت میں لگا ہے اور اللہ کے راستے میں لگا ہے۔

(حیاۃ الصحابہ: ۱/۳۱۱)

اخلاق وعادات

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی عمدہ خصلتوں کو کیسے شمار کیا جا سکتا ہے بس اتنا کافی ہے کہ ان سے اللہ اور اس کے رسول دونوں خوش تھے، اور خوش بھی اتنے کہ دنیا ہی میں جنت کا پروانہ عطا کر دیا تھا۔ دل میں خوفِ خدا اور زبان پر ذکر اللہ ان کی عادتِ شریفہ تھی، سخاوت اور ایثار آپ کا خاص امتیاز تھا، دل کے بہت نرم تھے، معمولی باتوں سے آپ کا دل پسیج جاتا تھا۔

ورع، وتقویٰ اور پرہیز گاری

۱۔تقویٰ اور پرہیز گاری کا یہ عالم کہ ایک مرتبہ ام عطا رضی اللہ عنہا کے پاس گئے اور دیکھا کہ ایامِ تشریق کے بعد بھی قربانی کا گوشت رکھا ہے تو کہا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ کھانے سے باز رکھا ہے، تین دن تو گذر گئے ہیں اور تم نے ابھی تک قربانی کا گوشت رکھ چھوڑا ہے (حالاں کہ یہ حکم بعد میں منسوخ ہو گیا تھا)، امِ عطا رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ لوگوں نے اس قدر ہدیے بھیج دیے ہیں کہ ختم ہونے کو نہیں آتے ہیں۔ (زبیر بن عوام: ۳۳)

۲۔عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت زبیر رضی اللہ عنہ

سے دریافت کیا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ارشاداتِ عالیہ کو کیوں بیان نہیں کرتے؟ حالاں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دیگر اصحاب رضی اللہ عنہم تو بیان کرتے ہیں تو حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ: بخدا جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے کبھی آپ سے جدا نہیں ہوا؛ لیکن میں نے اپنے محبوب کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے میری طرف جھوٹی بات منسوب کی اسے جہنم میں اپنا ٹھکانا بنالینا چاہیے۔ (بخاری ۱/۲۱)

اور ایک دوسری روایت میں اس طرح ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں ایسی افضل چیز حاصل کی جسے کسی نے نہیں کیا؛ مگر میں نے آپ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص نے میری طرف منسوب کرتے ہوئے وہ بات کہی جسے میں نے نہیں کہا تو اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے؛ لہٰذا میں پسند نہیں کرتا کہ آپ کی کوئی بات نقل کروں۔ (الریاض النضرۃ: ۲۷۱)

آپ سے مروی روایات کی چند جھلکیاں

اس قدر احتیاط کے باوصف ذخیرۂ احادیث میں آپ کی چند روایات ملتی ہیں، ملاحظہ ہو:

۱ - قال الزبير بن العوام عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم: من أحب أن تسر صحيفته فليكثر من الاستغفار. (رواه البيهقي) ترجمہ: حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے روایت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ: اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا جو شخص یہ چاہے کہ اس کا نامۂ اعمال اسے خوش کردے تو کثرت سے استغفار کرے۔

۲ – وعن الزبير عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال: ما من صباح يصبح العباد فيه إلا وصارخ يصرخ أيها الخلائق سبحوا الملك القدوس. (رواه ابن السني)

ترجمہ: حضرت زبیرؓ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کوئی صبح ایسی نہیں جس میں بندے صبح کریں؛ مگر یہ کہ ایک پکارنے والا پکار کر کہتا ہے: اے مخلوقِ خدا! خدائے پاک اور بادشاہِ حقیقی کی پاکی بیان کرو۔

۳ – عن عامر بن عبد الله بن الزبير يحدث عن أبيه قال: قلت للزبير: مالي لا أسمعك، تحدث عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم كما يحدث فلان وفلان، قال: أما اني لم أفارقه منذ أسلمت ولكني سمعت رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم يقول: من كذب عليّ فليتبوأ مقعده من النار. (رواه البخاري) ترجمہ: عامر بن عبداللہ بن زبیر اپنے والد سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ: میں نے حضرت زبیرؓ سے دریافت کیا: کیا بات ہے کہ میں آپ کو نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث بیان کرتے ہوئے نہیں سنتا ہوں جس طرح فلاں اور فلاں بیان کیا کرتے ہیں۔ حضرت زبیرؓ نے جواب دیا کہ میں اسلام لانے کے بعد سے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جدا نہیں ہوا؛ لیکن میں نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: جس نے میری طرف جھوٹی بات منسوب کی اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

عشقِ رسول

حضرت زبیرؓ کم عمری میں ہی ایمانی حلقہ میں شامل ہو گئے تھے، اللہ اور

اس کے رسول کی مخالفت سننا ہرگز گوارا نہ کرتے تھے۔ حضرت عروہ فرماتے ہیں: حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ نے مسلمان ہونے کے بعد یہ شیطانی آواز سنی کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم گرفتار کر لیے گئے ہیں۔ اس وقت حضرت زبیر کی عمر تقریباً ۱۶ / ۱۷ سال ہی کی ہوگی، یہ سنتے ہی انہوں نے تلوار سونت لی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تلاش میں نکل پڑے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس وقت مکہ کے بالائی حصہ پر تھے، یہ تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے ملاقات ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان سے پوچھا: تمہیں کیا ہوا؟ انہوں نے کہا کہ: میں نے یہ بات سنی کہ آپ کو گرفتار کر لیا گیا ہے، تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا تم کیا کرنے لگے تھے؟ انہوں نے کہا: آپ کو گرفتار کرنے والوں کو اپنی تلوار سے مارنے والا تھا، اس بات پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کے لیے اور آپ رضی اللہ عنہ کی تلوار کے لیے دعا فرمائی اور ان سے فرمایا کہ واپس لوٹ جاؤ۔ یہ سب سے پہلی تلوار ہے جو اللہ کے راستے میں سونتی گئی تھی۔

(کنز العمال: ۵ / ۶۹۔ ابونعیم فی الحلیہ: ۱ / ۸۹)

امانت و دیانت

عام طور پر تمام لوگ آپ رضی اللہ عنہ پر بھروسہ کرتے تھے، اپنی دولت و رقوم آپ رضی اللہ عنہ کے پاس امانت رکھواتے تھے، بہت سے لوگ مرتے وقت اپنے بچوں اور مال و دولت کا آپ کو محافظ و وصی بنا جاتے تھے، اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ خوشی خوشی ایمان داری کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیتے تھے۔

سخاوت

حضرت کعبؓ سے روایت ہے کہ حضرت زبیرؓ کے پاس ایک ہزار غلام تھے، جو کما کر انہیں خراج ادا کرتے تھے؛ لیکن وہ اس میں سے ایک درہم بھی گھر میں نہ رکھتے؛ بلکہ پورا کا پورا مال صدقہ کر دیتے تھے۔ (الریاض النضرۃ: ۲۷۱)

اسی سخاوت کا نتیجہ ہے کہ جب آپؓ کا انتقال ہوا تو اس وقت آپؓ بہت مقروض تھے۔ قرض ودین کے متعلق مختلف روایات وارد ہوئی ہیں؛ مگر اکثر مؤرخین نے تقریباً بائیس لاکھ کا قرض بیان کیا ہے۔

مساوات پسندی

مساواتِ اسلامی کا اس قدر خیال تھا کہ دو مسلمان لاشوں تک میں کسی تفریق یا امتیاز کو جائز نہیں سمجھتے تھے، جنگِ اُحد میں آپؓ کے ماموں حضرت حمزہؓ شہید ہوئے تو حضرت صفیہؓ نے بھائی کی تجہیز وتکفین کے لیے دو کپڑے لا کر دیے؛ لیکن ماموں کے پہلو میں ایک انصاری صحابی کی لاش بھی بے گور وکفن پڑی تھی، دل نے گوارا نہ کیا کہ ایک کے لیے دو دو کپڑے ہوں اور دوسرا بے کفن رہے۔ غرض تقسیم کرنے کے لیے دونوں ٹکڑوں کو ناپا، اتفاق سے چھوٹا بڑا نکلا، قرعہ ڈال کر تقسیم کیا کہ اس میں بھی کسی قسم کی ترجیح نہ ہونے پائے۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۹۸)

استقلال

حضرت زبیرؓ خطرات کی بالکل پرواہ نہ کرتے اور موت کا خوف کبھی ان

کے عزم وارادے میں حائل نہ ہوتا، اسکندریہ میں جب محاصرہ طویل ہوگیا تو چاہا کہ سیڑھی لگا کر قلعہ پر چڑھ جائیں، لوگوں نے کہا: قلعہ میں سخت طاعون ہے، فرمایا: ''ہم طعن وطاعون ہی کے لیے آئے ہیں'' یعنی موت سے ڈرنا کیا ہے!۔ غرض سیڑھیاں لگائی گئیں اور جاں بازی کے ساتھ چڑھ گئے۔ (سیر الصحابہ ۲/ ۹۹)

جاگیر وزراعت

فتحِ خیبر کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خیبر کی زمین کو مجاہدین میں تقسیم فرما دیا تھا، چناں چہ حضرت زبیرؓ کو بھی اس میں سے ایک وسیع اور سرسبز قطعہ ملا۔ اس کے علاوہ مدینہ کے اطراف میں بھی ان کے کھیت تھے، جن کو وہ خود آباد کرتے تھے، کبھی کبھی آب پاشی کے لیے شرکا سے خفگی بھی ہوجاتی تھی۔ کھیت کی نگرانی اور فصل کی حفاظت کا فرض بسا اوقات خود ہی انجام دیتے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی مقام جرف میں انہیں ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی، اسی طرح حضرت عمرؓ نے مقام عقیق کی زمین انہیں دے دی تھی، جو مدینہ کے اطراف میں ایک خوش فضا میدان ہے۔ (سیر الصحابہ ۲/ ۱۰۱)

غذا اور لباس

دولت وثروت کے باوجود طرزِ معاشرت نہایت سادہ تھا، غذا بھی پُر تکلف نہ تھی، لباس اکثر معمولی اور سادہ زیب تن فرماتے؛ البتہ جنگ میں ریشمی کپڑے استعمال کرتے تھے؛ کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے خاص طور پر ان کو اجازت دی

تھی، آلاتِ حرب کا نہایت شوق تھا اور اس میں تکلف جائز سمجھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ان کی تلوار کا قبضہ نقرئی تھا۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۱۰۲)

اختتام

بارگاہِ لم یزل ولا یزال میں دست بدعا ہوں کہ: ہمیں تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو نمونہ بنا کر زندگی بسر کرنے کی توفیق عنایت فرمائے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام سنتوں کا اتباع نصیب فرمائے۔ آمین

زبیر ابن عوام اس دور میں میرے حواری ہیں
کہ میرے واسطے آمادۂ سو جاں نثاری ہیں
وہ جن کا مرتبہ عالی رہا دورِ صحابہ میں
وہی جو تیغ زن پہلا رہا دورِ صحابہ میں
جنہیں ناحق کسی ظالم کے ہاتھوں قتل ہونا تھا
وہ جن کے پاس مرتے دم نہ چاندی تھی نہ سونا تھا
جبینِ ناز پر ظاہر رہا جوہر شجاعت کا
عرب میں بج رہا تھا چار سو ڈنکا سخاوت کا
زبیر ابن عوام وہ مردِ حق تھے قرنِ اول میں
گرامی مرتبہ ان کا رہا قومِ حجازی میں

کمی جن سے نہیں سرزد ہوئی دینِ مکمل میں
مثال ان کی نہیں مل پائے گی بندہ نوازی میں

مراجع ومصادر:

①بخاری شریف ②مسلم شریف ③مشکوۃ شریف ④مسند احمد ⑤التہذیب ⑥الخصائص للسیوطی ⑦کنز العمال ⑧حلیۃ الاولیاء ⑨طبقات ابن سعد ⑩سیر الصحابہ ⑪خاندان نبوت ⑫مہاجرین ⑬اصحاب الرسول ⑭الزبیر بن العوام ⑮زبیر بن عوام ⑯حیاۃ الصحابہ ⑰سیرت احمد مجتبیٰ ⑱تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام۔

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

از قلم: محمد زبیر عبدالمجید بیڑ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرحدِ شام تیس ہزار لشکر جرّار سے چرچرا رہی تھی جو عیسائیوں کے متوقع حملہ کو ملکِ شام کی سرحد ہی پر روک دینے کے لیے خیمہ زن تھا، گرمیوں کا موسم تھا، رات کے اخیری پہر میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اونٹنی لشکر سے کچھ پیچھے کی جانب ہٹی، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابی مغیرہ ابن شعبہؓ کی اونٹنی کی گردن پر ہاتھ مارا تو وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ہو لیے، تھوڑی دیر چلنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹنی کو بٹھایا اور خود پیدل چلنے لگے؛ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان صحابیؓ کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئے، کچھ دیر کے بعد واپس تشریف لائے، مٹی سے ہاتھوں کو ملا اور مغیرہؓ سے پوچھا: کیا تمہیں کوئی حاجت ہے؟ عرض کیا جی نہیں! پھر پوچھا: پانی ہے؟ انہوں نے جواب دیا: جی حضور! یہ کہہ کر اپنے کجاوے کی پچھلی جانب سے ایک مشک لے آئے اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وضو کروایا، پھر جب لشکر کی جانب واپس لوٹے تو کیا دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عدمِ موجودگی کی بنا پر لوگوں نے ایک شخص کو اپنا امام بنالیا ہے۔ حضرت مغیرہؓ فرماتے ہیں کہ: میں یہ دیکھ کر فوراً ان صحابیؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کی خبر دینے کے لیے آگے بڑھنے لگا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرا ہاتھ تھام لیا اور منع فرمایا اور خود سردارِ کل جہاں امام الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی اقتدا میں نیت باندھ لی، میں نے بھی ویسا ہی کیا، پھر جب لوگ نماز سے فارغ ہوئے تو ہم دونوں اپنی مسبوقہ نماز کو پوری کرنے کے

لیے کھڑے ہو گئے، لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر گھبرا گئے کہ امامِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں ہیں اور ہم فارغ ہو گئے، اسی گھبراہٹ میں لوگوں نے تسبیح پڑھنا شروع کر دیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو لوگوں سے فرمایا کہ: قد اصبتم (ٹھیک کیا تم نے) پھر فرمایا: مَا قُبِضَ نَبِیٌّ حَتّٰی صَلّٰی خَلْفَ رَجُل صَالِح (کسی نبی کی وفات اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک کہ اس نے اپنی امت کے کسی نیک صالح مرد کے پیچھے نماز نہ پڑھی ہو) یہ کون شخص تھا جس کو وہ مرتبہ ملا، وہ مقام ملا، وہ درجہ ملا جس کا سہیم اور شریک کوئی نہیں کہ پیغمبرِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنہوں نے انبیا کی امامت کی، ان کی امامت کا شرف حاصل ہوا؟ یہ تھے عبد الرحمن بن عوفؓ، یہ وہی صحابی تھے جن کے بارے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عبدالرحمن بن عوف فی الجنۃ جی ہاں! یہ تھے عبدالرحمن بن عوفؓ جن کے سامنے دنیا کھول کھول کر رکھ دی گئی؛ لیکن دنیا ان کو ''رحمن'' سے دور کیا کرتی؛ بلکہ خود ان کو ''عبدالرحمن'' سے ''تاجرالرحمن'' بنا دیا۔ (طبقات ابن سعد ۲۳۰/۳)

نام ونسب

حضرت اسماعیلؑ کے بیٹے قیدار کی اولاد میں ایک شخص عدنان پیدا ہوئے، عدنان کی اولاد بنی اسماعیل کے تمام مشہور قبائل پر مشتمل ہے، عدنانی قبائل میں ایاد، ربیعہ اور مضر بہت مشہور ہوئے ان میں بھی ربیعہ اور مضر زیادہ نامور ہیں، شرف اور عزت میں یہ دونوں ایک دوسرے کے مدِّ مقابل تھے، قبائلِ مضر کے

مشہور قبیلہ میں کنانہ بن فہر بن مالک تھے جن کو قریش بھی کہتے تھے، قریش کی اولاد میں بہت سارے قبائل ہوئے جن میں بنی سہیم، بنی مخزوم، بنی تمیم، بنی عدی، بنی عبدالدار، بنی زہرہ اور بنی عبد مناف زیادہ مشہور ہوئے۔ (تاریخ اسلام ۱/ ۴۵) ان ہی مشہور قبائل میں سے زہرہ کی چوتھی پشت سے ۴۳ قمری اور ۵۸۱ء میں ایک لڑکے کی ولادت ہوئی، اہلِ خانہ نے اس لڑکے کا نام عبدِ عمرو رکھا۔ یہ گھرانہ مسجدِ حرام کے پڑوس ہی میں مقیم تھا، اسلام میں ان کو ''عبدالرحمن'' سے پکارا گیا، آپ کے والد عوف اور آپ کی والدہ شفاء تھی۔ (فضائل الصحابہؓ)

حلیہ

آپ کی شخصیت باوقار اور وجیہ تھی، اونچا قد، خوبصورت چہرہ، آنکھیں بڑی بڑی، حسین لانبی لانبی سیاہ پلکیں، خوبصورت ناک، گردن لمبی، نرم جلد، رنگت بہت صاف، بھرے گوشت کی انگلیاں، پُر گوشت ہتھیلیاں، زلف کے بال لمبے گھنے تھے، سینہ کسی قدر ابھرا ہوا تھا، داڑھی اور سر کا رنگ بدلتا نہیں تھا اور کبھی خضاب استعمال نہیں کیا، آپ پر بڑھاپے کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا، صاف طور پر چہرے سے وجاہت ٹپکتی تھی جو لوگوں کو مرعوب کرکے رکھ دیتی تھی۔ (سیر الصحابہ ۲/ ۱۳۵)

پیشہ

دھیرے دھیرے یہ ننھا بچہ ایک خوبرو نوجوان کی شکل اختیار کرتا گیا، قبیلہ میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا، پھر پیشہ وہ اختیار کیا جس کو عام طور پر شرفائے

عرب پسند کیا کرتے تھے، اس پیشہ نے ان کو قبیلہ میں صاحبِ وجاہت بنا دیا، اور قبیلہ کے سرداروں میں سے شمار کیے جانے لگے، اور اسی تجارت کے سلسلہ میں اپنے والد محترم عوف بن عبد عوف کے ساتھ تجارتی اسفار میں شرکت کرتے رہے، یہاں تک کہ بڑے بڑے تاجروں میں آپ کا شمار ہونے لگا۔

(تذکرۂ عبد الرحمن بن عوفؓ: ۱۳)

اسلام سے پہلے کی زندگی

آپ تجارت کے سلسلہ میں موسمِ سرما میں عام طور سے ملکِ یمن کا سفر کرتے تھے، اور ہر مرتبہ عسقلان بن عواکن حمیری کے یہاں مہمان بنتے؛ لیکن ایک عجیب بات تھی جب بھی آپؓ اس کے یہاں مہمان بنتے تو وہ ایک ہی بات آپ سے دریافت کرتا کہ: تم میں کوئی شخص پیدا ہوا ہے جس کا چرچا لوگوں میں بہت ہوا ہے؟ کوئی ایسا پیدا ہوا ہے جو تمہارے آبائی دین کی مخالفت کرتا ہو؟ آپ ہر مرتبہ نفی میں سر ہلاتے، پھر ایک دن وہ آیا کہ فاران کی چوٹیوں سے آفتابِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم طلوع ہوا؛ لیکن عبدِ عمرو کو قطعاً اس کا علم نہیں تھا؛ غرض ایک بار پھر یمن کا سفر ہوا، اب عسقلان بوڑھا ہو چکا تھا اور اسے کم سنائی دیتا تھا، ان کے وہاں پہنچنے کی خبر جب اسے ملی تو وہ باہر آیا اور پٹی باندھی اور تکیہ لگا کر بیٹھ گیا، اس کے ارد گرد اس کے لڑکے پوتے سب جمع ہو گئے، تو عبدِ عمرو سے ان کا نسب نامہ پوچھا، تو عبد عمرو نے نسب نامہ بیان کرنا شروع کیا: عبد عمرو بن عوف بن عبد جوف بن عبد

بن الحارث بن زہرہ؛ جب زہرہ پر پہنچے تو اس نے کہا: ٹھہر جاؤ، کیا میں تم کو ایسی بات کی اطلاع نہ دوں جو تجارت سے بہت بہتر ہے؟ آپ نے جواب دیا: آپ ضرور ایسا کیجیے! اس نے کہا کہ: میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے پہلے والے مہینہ میں (ربیع الاول) تمہاری قوم (قریش) میں ایک رسول مبعوث کیا ہے اور اس کو برگزیدہ اور مقبول بنایا ہے، اور اس پر ایک کتاب اتاری ہے اور اس کتاب پر عمل کرنے والوں کے لیے ثواب مقرر کیا ہے۔ اس کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ بتوں (اللہ کے سوا سب کی) کی پرستش سے منع کرتا ہے، دعوتِ اسلام دیتا ہے، اچھے کام کا حکم کرتا ہے، خود بھی اچھے کام کرتا ہے، بے ہودہ باتوں سے منع کرتا ہے اور خود بھی اس سے بچتا ہے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ: وہ کس قبیلہ سے ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ وہ نہ تو قبیلہ ازد سے ہے اور نہ قبیلہ شمالہ سے ہے، وہ بنی ہاشم سے ہے اور تم اس کے ننیہالی رشتہ دار ہو، اور آپ کو مخاطب کر کے کہا کہ: اے عبدِ عمرو! تم اس کو پوشیدہ رکھو اور جلد واپس جاؤ، اور ان سے جا کر ملو اور ان کی دلداری کرو، اور میری طرف سے یہ التماس نامہ پیش کر دینا:

اشھد باللہ ذی المعالی		فالق اللیل والصباح

گواہ بناتا ہوں اللہ بڑائی بزرگی والے کو جو رات اور دن کو ظاہر کرنے والا ہے

انک ذو السیر من قریش		یا ابن الفدی من الذباح

بے شک آپ قریش میں راز دار ہیں اے اس شخص کے بیٹے جس کی قربانی کا فدیہ

دیا گیا ہے۔

ارسلت تدعو الی یقین			ویرشد للحق والفلاح

رسول بنا کر بھیجے گئے یقینی باتوں کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں اور حق اور بھلی باتوں کی ہدایت کرتے ہیں۔

اشھد باللہ رب موسی			انک ارسلت بالبطاح

قسم ہے موسیٰؑ کے رب کی: میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ بے شک بطحا میں رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

فکن لی شفیعا الی ملیک			یدعو البرایا الی الفلاح

پس میرے لیے ہوجایئے شفیع اس مالک کے دربار میں جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلاتا ہے۔ عبدِ عمرو کو یہ اشعار سنتے ہی یاد ہوگئے اور جلد از جلد سفر سے واپسی کی، اور مکہ میں آکر سب سے قریبی دوست حضرت ابوبکرؓ سے سارا واقعہ کہہ سنایا۔

(تذکرۂ عبدالرحمن بن عوفؓ: ۱۴)

آپؓ کا قبولِ اسلام

چوں کہ تقدیر میں آپ کا مشرف بہ اسلام ہونا لکھا جاچکا تھا، اُس وقت حضرت ابوبکرؓ نے مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ دعوتِ اسلام کا سلسلہ بھی شروع کررکھا تھا، حضرت عثمان ابن عفانؓ اور ان کے جیسے شریفانہ مزاج کے حامل افراد حضرت ابوبکرؓ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کرچکے تھے، اب جب کہ حضرت

ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنے دوست عبد عمرو کی باتیں سنی تو فوراً دربارِ رسالت میں حاضری دلوائی، سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمیق اور دور اندیش نظر نے ان کے چہرہ کو پڑھ لیا، چہرہ پر خوشی کے آثار تھے، زبانِ رسالت کو حرکت ہوئی کہ میں ایسا چہرہ دیکھ رہا ہوں جسے دیکھ کر نیکی کی امید بندھتی ہے۔ عبد عمرو نے کہا کہ: ایک امانت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہاں! ایک مرسل نے پیغام بھیجا ہے وہ مجھ کو پہنچادو، عبدِ عمرو نے وہ اشعار سنا دیے، پھر عبد عمرو نے بھی اس ظلمت کدۂ کفر (مکہ) میں اپنے قلبِ عفیف کی اندھیریوں کو دور کرنے کے لیے شمعِ اسلام کو روشن کر دیا۔ کہا جاتا ہے کہ: عبدِ عمرو کا اسلام "پنجتن کے لیے متمم" ہے، یعنی آپ نے پانچویں نمبر پر اسلام قبول کیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کا نام عبدِ عمرو سے عبدالرحمن فرمایا، اور ابو محمد کنیت تجویز ہوئی، اس وقت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی عمر تیس سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ دعوت اسلام کا سلسلہ چلتا رہا، رفتہ رفتہ لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے؛ یہاں تک کہ مسلمانوں کی ٹکڑی بن گئی۔ اب ان کی تربیت کے لیے کسی مخصوص جگہ کی ضرورت درپیش ہوئی، جس کے لیے دامنِ کوہِ صفا کو بطور اسلامی درسگاہ کے استعمال کرنا شروع کیا، جس میں حضرت عبدالرحمن بن عوف ایک ممبر کی حیثیت رکھتے تھے، چناں چہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دارِ ارقم میں ان سابقین اولین کی تربیت فرمائی، ان کو اسلام کی حقانیت سے آگاہ کیا، قرآن پڑھ کر سنایا، جس کو سن کر ان کے دلوں میں رقت پیدا ہوگئی، ایک عزم اور حوصلہ بنا اور انھوں نے توحید و رسالت پر تن من

دھن کی بازی لگانے کا عہد کرلیا، یہاں تک کہ انہوں نے علی الاعلان اپنے اسلام کو کفارِ مکہ پر ظاہر کردیا۔ (سیر الصحابہ ۱۲۰/۲)

مشرکین کے مظالم اور ہجرتِ حبشہ

ادھر مشرکینِ مکہ نے بے تحاشہ ظلم ڈھانا شروع کیا، طرح طرح کی ذہنی اور جسمانی اذیتیں پہنچاتے؛ لیکن یہ حضرات صبر سے کام لیتے رہے، پھر جب ان کا ظلم حد سے تجاوز کر گیا تو حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ چند صحابہؓ کو لے کر تاجدارِ بطحا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا: یا رسول اللہ! انا کنا فی عز ونحن مشرکون فلما امنا جرنا اذلة (اے اللہ کے رسول! ہم مشرک تھے تو ہم معزز تھے اور کوئی ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا تھا؛ لیکن جب سے ہم مسلمان ہوئے ہیں کمزور اور ناتواں ہوگئے ہیں، اور ہم کو ذلیل ہوکر کفار کے مظالم سہنے پڑتے ہیں) پس یا رسول اللہ! آپ ہم کو اجازت دیں کہ ہم ان کفار کا مقابلہ کریں۔ (سیرت عبدالرحمن بن عوفؓ: ۲۱) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ”انی امرت بالعفو فلا تقاتلوا“ (عبدالرحمن! صبر کرو ابھی سے قتال شروع نہ کرو، فی الحال مجھے عفو اور درگذر کا حکم دیا گیا)۔

آپؓ واپس لوٹ گئے اور اہلِ مکہ کے مظالم سہتے رہے، اسی طرح تقریباً چار سال گذر گئے، اور قریش کے مظالم میں کمی تو کیا آتی روز افزوں اضافہ ہی ہوتے گیا، اس کے نتیجے میں مسلمانوں کی تعداد بھی تیزی سے بڑھنے لگی، بالآخر مکہ

کے بت پرستوں کو فکر لاحق ہوئی کہ کہیں سارا مکہ مسلمان نہ ہوجائے، چناں چہ انہوں نے ایذا رسانی میں مزید اضافہ کر دیا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خانۂ کعبہ کے اندر آنے سے روک دیا گیا، شہر کے لڑکوں اور اوباشوں کو متعین کر دیا کہ جہاں کہیں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں میں سے کسی کو دیکھیں تو تالیاں بجائیں اور گالیاں دیں، جس طرح قابو ملے اور جیسے موقع پائیں تکلیف پہنچائیں، مسلمان ہر سمت سے دھتکارے جانے لگیں، یہ حالات دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رہا نہ گیا اور فرمایا: ”لو خرجتم الی ارض حبشة فان بها ملكا لا يظلم عنده احد وهی ارض صدق حتی يجعل الله لكم فرحا منا انتم فيه“ اگر تم حبشہ کی طرف ہجرت کرنا چاہتے ہو تو چلے جاؤ؛ اس لیے کہ وہاں کا بادشاہ ایک منصف مزاج حاکم ہے، اس کی قلمرو میں کوئی مظلوم نہیں، وہ زمین: سچائی کی زمین ہے، اور وہیں رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی رحمت کے دروازے کھول دے۔

(سیرت ابن ہشام ص ۴۵۵ بحوالہ تذکرۂ عبدالرحمن بن عوف: ۲۱)

حبشہ (ایتھوپیا، ایبے سینیا) یہ ملک برِ اعظم افریقہ کے شمال مشرق میں واقع ہے، وہاں کا بادشاہ اگر چہ عیسائی تھا؛ لیکن بڑا انصاف پسند تھا، رعایا اس سے خوش تھی، چناں چہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بعثت کے پانچویں سال یعنی ۶۱۶ء میں رجب کے مہینے میں حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ رات کے وقت چھپ کر مکہ سے نکلے، جدہ کی بندرگاہ پر پہنچے، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ جہاز

نکلنے کے لیے تیار تھا یہ لوگ جہاز میں سوار ہو کر ملکِ حبشہ پہنچے۔

اللہ کے پرستاروں پر کیا کچھ بیت رہی ہوگی کہ وہ اپنے جگر گوشوں، ماں باپ، بیوی بچوں اور جو کچھ ان کو میسر تھا سب کچھ چھوڑ کر سمندر پار ایسی جگہ چلے گئے، جہاں کوئی ان کی بات سمجھنے والا بھی نہیں تھا، ان اولین ہجرت کرنے والوں میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ قرآن نے جگہ جگہ ان اصحاب کی تعریف کی ہے، اور رضائے الٰہی اور نصرتِ خداوندی کی بشارتیں دی ہیں: الذین اخرجوا من دیارھم واموالھم یبتغون فضلا من اللّٰہ ورضوانا وینصرون اللّٰہ ورسولہ اولئک ھم الصادقون (الحشر:۸) وہ مسلمان جو اپنے گھروں اور جائیدادوں سے نکال باہر کیے گئے ہیں یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کی حمایت پر کمر بستہ ہیں، یہی لوگ راست باز ہیں۔

ابھی چند مہینے ہی گذرے تھے کہ یہ افواہ پھیلی کہ مکہ میں قریش اسلام لے آئے، چناں چہ صحابہ رضی اللہ عنہم - جن میں عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے - خوشی خوشی واپس لوٹ آئے؛ لیکن کیا دیکھتے ہیں کہ یہاں تو وہی خونچکاں حال ہے، چناں چہ چند لوگ ضعف اور کمزوری کی بنا پر مکہ ہی میں ٹھہر گئے، اور بعض حضرات نے پھر دوبارہ حبشہ کی جانب ہجرت کی، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی ان کے ساتھ ہجرت کر گئے۔ اس طرح وہ خدا کے لیے کی جانے والی اسلام میں سب سے پہلی اور دوسری ہجرت دونوں میں مسلمانوں کے شریک سفر رہے۔ (فتح الباری ۵۹/۳)

ہجرتِ مدینہ

لیکن یہ دونوں ہجرتیں تو عارضی تھیں؛ اس لیے مدینہ سے پہلے حضرت عبدالرحمن مکہ واپس آ گئے، پھر چند روز قیام کے بعد اللہ اور رسول کے خاطر اپنے آبائی وطن مکہ کو خیر آباد کہہ دیا اور مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی۔

(تذکرۃ عبدالرحمن بن عوف:۲۲)

مواخاۃ

وقت گذرتا رہا، مسلمان یکے بعد دیگرے ہجرت کرتے رہے، یہاں تک کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مدینہ تشریف لے آئے، اور آ کر سب سے پہلا اقدام یہ کیا کہ مہاجرین کی دل جوئی اور انصار کی آسانی کے لیے مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخاۃ کا سلسلہ قائم فرمایا، اسی مواخاۃ کے نتیجہ میں عبدالرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ربیع کے بھائی قرار دیے گئے۔ حضرت سعد مدینہ کے متمول ترین اور فیاض طبع شخص تھے، مواخاۃ میں انہوں نے جس ایثار کا مظاہرہ کیا وہ آج تک ھل من مثیل کا نعرہ بلند کر رہا ہے، ویسے ہی خودداری کفایت شعاری اور بے نیازی میں حضرت عبدالرحمن کا کردار بھی اپنا ثانی تلاش نہ کر سکا۔ چناں چہ انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا: میرے بھائی! میں مدینہ کا سب سے مال دار شخص ہوں، میرے پاس اس وقت دو باغ اور دو بیویاں ہیں، تم دیکھ لو کہ دونوں میں سے کون سا باغ تمہیں پسند ہے؛ تاکہ میں تمہارے حق میں اس سے دست

بردار ہوجاؤں، اور دونوں میں سے کس عورت کو اپنے نکاح میں لینا چاہتے ہو؛ تاکہ میں تمہارے لیے طلاق دے کر اس سے الگ ہوجاؤں۔(سیر الصحابہ ۱۲۱/۲)

حضرت عبدالرحمنؓ ایک شریف اور غیور نوجوان تھے، انہوں نے اپنے اس انصاری بھائی سے کہا: اللہ تعالیٰ آپ کے مال ودولت اور اہل وعیال میں برکت دے، آپ صرف مدینہ کے بازار تک میری رہنمائی کردیں، حضرت سعدؓ نے ان کی بازارِ قینقاع تک رہنمائی کردی، حضرت عبدالرحمن نے اسی وقت اپنی تجارت کی بنیاد ڈال دی، اور شام ڈھلتے وقت ہاتھ میں کچھ گھی اور پنیر وغیرہ نفع میں بچالائے، اور دوسرے ہی دن سے باقاعدہ تجارت شروع کردی اور اس میں خوب محنت کی، یہاں تک کہ چند ہی ایام میں مدینہ کے بڑے تاجروں میں شمار ہونے لگے۔آپ کے بارے میں صاحب الریاض المستطابۃ لکھتے ہیں: کان مجد ورافیھا وانفق بقدر ذلک تجارت میں خدا تعالیٰ نے آپ کو موفّق بنایا تھا اور اسی قدر آپ نے خرچ بھی کیا۔(سیر الصحابہ ۱۲۱/۲)

آپؓ کے تجارتی اصول

آپ کی تجارت کے چند اصول تھے جس پر کاربند ہونے کے بعد تاجر نقصان اٹھائے یا کم سے کم نفع سے محروم رہے، یہ مشکل ہی نہیں؛ بلکہ ناممکن اور امر محال ہے، ان سے پوچھا گیا: آپ کی تجارت کے کیا خاص اصول ہے جس کی وجہ سے آپ کامیاب ہوکر اتنے عظیم مال دار کہلائے؟ تو آپؓ نے جواب دیا کہ: پانچ

باتیں ہیں: ایک تو میں نے ملتے ہوئے نفع کو کبھی واپس نہیں کیا، دوسرا یہ کہ مجھ سے جب کبھی کسی نے کوئی چیز خریدنا چاہا تو میں نے اس کے بیچنے میں دیر نہ کی، تیسرا یہ کہ کبھی ادھار نہیں بیچا (ہمیشہ نقد بکری کا سلسلہ رکھا)، چوتھا کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیا، پانچواں کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ یہ وہ اصول تھے جن کی روشنی میں حضرت عبد الرحمنؓ روزانہ نفع بچا کر لاتے تھے اور کچھ نہ کچھ پس انداز کرتے۔

(تذکرۂ عبد الرحمن ابن عوفؓ: ۱۱۵)

ایک تاریخی نکاح

کچھ ہی دن گذرے تھے کہ آپؓ اس قدر دراہم کے مالک بن گئے جن کی بنا پر کسی شریف زادی سے نکاح کیا جا سکے، چناں چہ قبیلۂ بنو اشہل کی ایک شریف زادی جو ابوالخیر انس بن رافع انصاریؓ کی بیٹی تھی ان سے نکاح کیا، اور یہ نکاح ایک عام نکاح نہیں تھا؛ بلکہ یہ نکاح ایک تاریخی امتیازی حیثیت رکھتا تھا؛ اس لیے کہ یہ وہی نکاح تھا جو اسلام میں سب سے پہلے کیا گیا تھا، اسی نکاح سے ولیمہ کی دعوت کا شمار مسنون دعوتوں میں ہونے لگا، اور بطور خاص یہی وہ نکاح تھا جس کے موقع سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں وہ دعا دی جس نے ان پر دنیا کے دہانے کھول دیے۔

واقعہ کچھ یوں ہے کہ: ایک دفعہ حضرت عبد الرحمنؓ نے دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضری دی، تاجدار حرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر پڑی تو کپڑے پر نکاح کے

آثار نظر آرہے تھے، پوچھا گیا: ”مهيم يا عبد الرحمن“ عبدالرحمن! یہ کیا ہے؟ عرض کیا: اللہ کے رسول! میں نے نکاح کیا، استفسار ہوا: ما اعطيت زوجك من المهر؟ اپنی بیوی کو مہر میں کیا دیا؟ جواب میں کہا: ایک نواۃ سونا جو پانچ درہم کے برابر ہوتا ہے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم ہوا: اولم ولو بشاة، بارك الله فی مالك ولیمہ کرو چاہے ایک بکری کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ تمہارے مال میں برکت دے۔ حضرت عبدالرحمنؓ فرماتے ہیں کہ: وہ دن ہے اور آج کا دن، دنیا پوری برکات اور فوائد کے ساتھ میری طرف متوجہ ہوئی، اور میری تجارت کی کامیابیوں کا یہ حال ہو گیا کہ میں کسی پتھر کو اٹھاتا ہوں تو مجھے اس بات کی توقع ہوتی ہے کہ اس کے نیچے مجھے سونا یا چاندی کا ٹکرا ملے گا۔ (زندگیاں صحابۂ کرامؓ کی: ۳۱۷)

مدینہ میں آپؓ کا گھر

اس کے بعد جب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں مہاجرین کے درمیان زمینیں تقسیم فرمائیں، تو چوں کہ مکہ میں آپؓ کا گھر خانۂ کعبہ کے پڑوس میں تھا؛ اس لیے منصفِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں بھی ان کو حرم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوار میں زمین عطا کی، اسی قرب سے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مقصود تھی، اور آپؓ کی زمین میں حش تھا، (حش: چھوٹی چھوٹی کھجوروں کا وہ باغ جو سینچا نہیں جاتا)، چناں چہ وہاں پر آپ نے ایک بہت بڑا مکان تعمیر کیا، مکان اتنا بڑا تھا کہ لوگ اسے ”قلعہ“ کہتے تھے، اس کے باوجود آپؓ کا مدینہ میں رہن سہن نہایت

سادہ تھا، یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ جب اپنے غلاموں کے ساتھ بیٹھتے تھے تو پہچانے نہ جاتے تھے، کہ یہ وہی شخص ہے جس کی فقط جرف میں اتنی بڑی کھیتی ہے کہ اس کو سینچنے کے لیے تقریباً بیس اونٹ سینچائی کا کام کرتے ہیں۔ ہاں! کبھی کبھی نفیس اور بیش قیمت لباس پہن لیا کرتے تھے، بعض مرتبہ آپ کی چادر کی قیمت چار پانچ سو درہم ہوتی۔ (طبقات ابن سعد ۳/ ۲۲۸)

غزوات میں شرکت

۲ھ میں غزوات کا سلسلہ شروع ہوا، آپ رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے اور ہر ایک میں شجاعت اور استقامت کا مظاہرہ کیا۔

(ابن سعد بحوالہ تذکرۂ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ: ۵۵)

غزوۂ بدر

مدینہ میں آئے ابھی کل اٹھارہ مہینے ہوئے تھے، تمام مہاجرین شکستہ حال تھے، ہر گھر اور خاندان کے ایک دو آدمی مسلمان ہوئے، ان میں سے جس کو بھی موقع ملتا وہ چھپ چھپا کر خالی ہاتھ اپنے ماں باپ، بیوی بچوں کو چھوڑ کر مدینہ چلا آتا۔ ۱۷/ رمضان المبارک ۲ھ کو میدانِ کارزار گرم ہوا، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے جہاد فی سبیل اللہ کا پورا پورا حق ادا کیا، اور دشمنِ خدا عمیر بن عثمان بن کعب تیمی کو کیفرِ کردار تک پہنچادیا، اور معاذ بن عمرو رضی اللہ عنہ اور معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہ یہ دونوں ابو جہل کو نہیں جانتے تھے، انہوں نے آپ رضی اللہ عنہ ہی سے اس کے بارے میں دریافت کیا اور

اس ناپاک ہستی سے دنیا کو نجات دلائی۔ (تاریخ اسلام ۱/ ۱۲۲، تاریخ ابن خلدون ۱/ ۸۵)

آپؓ فرماتے ہیں کہ: بدر کے دن میں نے کئی کافروں کو قتل کیا اور ان کی زرہ اتاری، اور کسی ایک جگہ رکھنے کے لیے چلا، راستہ میں امیہ بن خلف نے مجھے آواز دی، وہ اپنے بیٹے علی کے ساتھ کھڑا ہوا تھا اور کہا کہ: کیا میں تمہارے نزدیک ان زرہوں سے زیادہ قیمتی نہیں ہوں جب کہ ہم دونوں کے درمیان معاہدہ بھی ہے؟ (آپؓ نے تجارت کی غرض سے امیہ کو تحریر دی تھی کہ میں تیری مدینہ میں حفاظت کروں گا اگر تو میری مکہ میں حفاظت کا ذمہ لے) یہ سن کر آپ نے زرہیں وہیں پھینک دیں اور ایک ہاتھ سے اس کا اور دوسرے ہاتھ سے اس کے بیٹے علی کا ہاتھ پکڑا، امیہ نے کہا کہ: ایسا برا دن میں نے کبھی نہیں دیکھا آج تو قریش کے تمام سردار ہلاک ہی ہو گئے۔ اسی اثنا میں حضرت بلالؓ کی نظر امیہ پر پڑی، وہ چلّائے: اے مسلمانو! یہ ہے مشرکوں کا سردار امیہ بن خلف، ان کی پکار نے ہر طرف سے لوگوں کو جمع کر دیا، اتنے میں کسی نے اس کے بیٹے علی پر حملہ کر دیا تو وہ مقتول ہو کر گر پڑا، میں نے اس سے کہا: بھاگ سکتا ہے تو نکل جا، اس نے خوف زدہ چہرہ سے کہا: عہد تو پورا کرو، میں نے کہا: بیٹھ جا، وہ بیٹھ گیا تو میں اس کی حفاظت کے لیے اس کے جسم پر جھک گیا، لوگوں نے میرے نیچے سے اس پر تلوار چلائی یہاں تک کہ وہ قتل ہو گیا اور میرا پیر بھی زخمی ہو گیا۔

آپؓ فرمایا کرتے تھے: اللہ بلالؓ پر رحم کرے، میری زرہیں بھی گئی،

میرا قیدی بھی گیا اور چوٹ بھی آئی۔

(البدایہ والنہایہ ۳/ ۳۶۳ بحوالہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کے کارنامے ۳۶۴)

غزوۂ احد

جنگِ بدر کے بعد ایک طرف تو خود اہلِ مکہ کے دلوں میں آتشِ انتقام موجزن تھی، تو دوسری طرف ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے۔جس کے باپ اور بھائی جنگِ بدر میں ہلاک ہوئے تھے۔ابوسفیان کو غیرت دلائی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۳ ھ میں احد کے دامن میں جنگ چھڑ گئی، اس غزوہ میں حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نہایت ثابت قدمی کے ساتھ لڑتے رہے، یہاں تک کہ آپ رضی اللہ عنہ کے دو دانت بھی شہید ہوگئے، آپ رضی اللہ عنہ کے بدن پر بیس سے زیادہ زخم آئے، خصوصاً پاؤں میں ایسا کاری زخم آیا تھا کہ صحت کے بعد بھی ہمیشہ آپ لنگڑا کر چلتے تھے۔ابتدائی فتح کے بعد جب جنگ کا نقشہ بدلا تو جن صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھیرے میں لے کر آہنی دیوار کا کام کیا اور اپنے خطرناک حملوں سے دشمن کے ناپاک ارادوں کو پورا نہ ہونے دیا، ان میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے۔(تاریخ اسلام ۱/ ۱۳۵)

اسی لڑائی میں تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زخمی ہونے کے بعد جب احد کے ایک زاویہ میں پناہ لی، تو ابی بن خلف کی نظر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پڑ گئی، وہ شامت کا مارا شہید کرنے کے ناپاک ارادے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف بڑھا، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ دیکھ رہے تھے، چناں چہ اسے جہنم رسید کرنے کے لیے آگے بڑھے:

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو روک دیا اور حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے نیزہ لے کر ابی بن خلف کی گردن پر ہلکی سی ضرب لگائی، وہ چیختا چلاّتا بھاگا اور مکہ واپسی کے دوران مقامِ سرف میں مرگیا۔ (اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے کارنامے: ۳۶۴)

احد کی لڑائی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک گھاٹی میں تھے، حضرت حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ سے پوچھا: کیا تم نے عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو دیکھا؟ آپ نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ! میں نے انہیں پہاڑ کے دامن میں دیکھا تھا اور مشرکین کی ایک جماعت ان پر حملہ کیے ہوئے تھی، میں نیچے اترنے لگا تا کہ ان کی مدد کروں؛ لیکن راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نظر پڑ گئی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس چلا آیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے حارث! غور سے سنو! فرشتے ان کے ساتھ مل کر مشرکین سے جنگ کر رہے ہیں۔ حضرت حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں وہاں سے حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کے پاس چل پڑا، میں نے وہاں جا کر دیکھا کہ مشرکین بھاگ چکے تھے اور حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کے چاروں طرف سات مشرکین قتل کیے ہوئے پڑے ہیں، میں نے عرض کیا کہ: اے عبد الرحمن! کیا آپ نے ان کو قتل کیا؟ انہوں نے کہا کہ: یہ ارطات بن عبد شرحبیل اور یہ مشرک، ان دونوں کو میں نے قتل کیا، اور باقی پانچ کو اس شخص نے قتل کیا جو مجھے نظر نہیں آرہا تھا، میں نے کہا کہ: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ کہا۔ (حیاۃ الصحابہ ۳/ ۵۸۵)

دومۃ الجندل

شعبان ۶ھ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو بلایا اور اپنے دستِ اقدس سے آپ رضی اللہ عنہ کے سر پر عمامہ باندھا، پیچھے شملہ چھوڑا اور ہاتھ میں علَم دیا، اور نواحِ دَومۃ الجندل کی طرف تبلیغِ اسلام کے لیے روانہ کیا، اور فرمایا: ان سے جا کر جہاد کرو؛ لیکن کسی کو دھوکا نہ دینا، فریب نہ کرنا، بچوں کو نہ مارنا، یہاں تک کہ دومۃ الجندل پہنچ کر قبیلۂ کلب کو اسلام کی دعوت دو، اگر وہ قبول کرلے تو ان کے بادشاہ کی لڑکی سے نکاح کرلینا۔ چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے اور دومۃ الجندل پہنچ کر تین دن تک تبلیغِ اسلام کا فرض اس خوش اسلوبی سے انجام دیا کہ، قبیلۂ کلب کے سردار اصبغ بن عمرو اور اس کی قوم کے بہت سے لوگ اسلام لائے، اور بعضوں نے جزیہ ادا کرنا منظور کرلیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اصبغ کی بیٹی تماضر سے نکاح کرلیا، اور رخصت کروا کر مدینہ ساتھ لے آئے، چناں چہ اسی کے بطن سے ابوسلمہ بن عبدالرحمن پیدا ہوئے، اور یہ وہی ابوسلمہ ہے جو اکابر تابعین میں سے شمار کیے جاتے ہیں۔ (سیر الصحابہ ۱۲۲/۲)

حدیبیہ

کعبۃ اللہ کا دیدار کیے زمانہ گذر گیا تھا، مہاجرین کو خانۂ خدا بہت یاد آتا تھا، ادھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی خواب دیکھا، چناں چہ عمرہ کے لیے جانے کا فیصلہ ہوا۔ ماہ ذی قعدہ ۶ھ میں تاجدارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ہزار چار سو صحابہ کو لے کر روانہ ہوئے، حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریکِ سفر تھے۔

اس موقع پر جو صلح نامہ لکھا گیا اس پر آپؓ کی بھی دستخط تھی۔(تاریخِ اسلام ۱/۱۵۶)

غزوۂ خیبر

صلحِ حدیبیہ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مشرکینِ مکہ کی جانب سے اطمینان ہو گیا، ادھر مدینہ آکر معلوم ہوا کہ خیبر کے علاقے میں مدینہ پر حملہ آوری کے سامان مکمل ہو رہے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہودیوں کی ان تیاریوں کا حال سن کر محرم ۷ھ میں پندرہ سو صحابہؓ کے ساتھ خیبر کا سفر کیا۔ اسی غزوہ میں گدھے کی حرمت کا حکم آیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ کو بھی حکم دیا کہ اعلان کرو: جو شخص مجھ کو نبی اور رسول مانتا ہے اس کے لیے گدھوں کا گوشت حلال نہیں ہے، اور اسی غزوہ میں یہ بھی حکم دیا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر یہ اعلان کر دو کہ: جنت بجز ایمان دار کے اور کسی کے لیے حلال نہیں۔ (نسائی کتاب الصید: ۶۶۵ بحوالہ تذکرۂ عبدالرحمن بن عوفؓ ۶۰)

فتحِ مکہ اور سریۂ خالد بن ولیدؓ

۱۱ رمضان المبارک ۸ھ میں آپؓ فتحِ مکہ کی فوج کشی میں قدم بہ قدم شریک تھے، مکہ کے زیرِ نگیں ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو قبیلۂ بنو جذیمہ کے پاس ۔ جو اطرافِ مکہ میں مسکن گزیں تھا۔ دعوتِ اسلام کے لیے بھیجا، انھوں نے غلطی سے قتل اور خوں ریزی کا بازار گرم کر دیا، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کے خاندان اور قبیلۂ جذیمہ میں قدیم زمانہ سے عداوت چلی آ رہی تھی، یہاں تک کہ ان کے والد کو اسی قبیلہ کے ایک آدمی نے قتل

کیا تھا، تاہم اخوتِ اسلامی نے اس دیرینہ عداوت کو بھی محو کر دیا، چناں چہ اس خوں ریزی سے بیزار ہو کر آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ سے کہا: افسوس! تم نے اسلام میں جاہلیت کا بدلہ لیا، انہوں نے جواب دیا: میں نے تمہارے باپ کے قاتل کو مارا، حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ نے کہا: نہیں؛ بلکہ تم نے درحقیقت فاکہ بن مغیرہ کا انتقام لیا جو تمہارا چچا تھا، (حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے والد اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے چچا فاکہ بن مغیرہ تجارت کے خیال سے یمن جارہے تھے، بنوجذیمہ نے راہ میں ایک ساتھ دونوں کو قتل کیا تھا)۔ (سیرت ابن ہشام ۲/۲۵۶)

اس کے بعد ان دونوں میں سخت گفتگو ہوئی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اطلاع پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: خالد رضی اللہ عنہ! میرے اصحاب سے سخت کلامی نہ کرو، دین کے لیے تم نے ان کی حمایت اور راہِ خدا میں جان و مال کی قربانی کا حال نہیں دیکھا؛ ورنہ یہ رویہ اختیار نہ کرتے، میرے اور اللہ کے پاس ان کی حرمت اور عظمت سے تم واقف نہیں، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کرے تو وہ ان کے مد اور اس کے ''نصف'' کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ (تاریخ ابن کثیر ۷/ ۳۱۳۔ سیرت احمد مجتبی ۳/۲۳۱)

غزوۂ تبوک

اسلامی غزوات میں ایک اہم غزوہ ''غزوۂ تبوک'' ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جمعرات کے روز ماہ رجب ۹ھ میں غزوۂ تبوک کا قصد کیا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

زندگی کا آخری غزوہ تھا، عموماً آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منزل کا اعلان نہ فرماتے تھے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلے ہی سے اعلان فرمادیا تھا، اس مرتبہ چوں کہ بڑا لشکر تیار کرنا تھا، مدینہ میں قحط سالی بھی تھی اور مسافت طویل اور سامانِ سفر قلیل تھا؛ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عام چندہ کی بھی اپیل کی تھی، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے خوب دیا، اس موقع پر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ بھی معاونین کی صفِ اول میں شامل تھے، انہوں نے دوسو اوقیہ چاندی دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پیش کی۔(زرقانی ۳/ ۶۴ بحوالہ حیاۃ الصحابہ ۳/ ۸۷)

اس موقع پر حضرت عمرؓ نے کہا کہ: میں سمجھتا ہوں کہ عبدالرحمنؓ ایسا کرکے ایک گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں، کیوں کہ انہوں نے اپنے اہل وعیال کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑا ہے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے دریافت فرمایا: ھل ترکت شیئا لاھلک یا عبدالرحمن عبدالرحمن! تم نے گھر والوں کے لیے کچھ چھوڑا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا: نعم! ترکت لھم اکثر واطیب ہاں! میں نے ان کے لیے جو کچھ چھوڑا ہے وہ اس سے کہیں زیادہ اور بہتر ہے جو میں نے خرچ کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پھر پوچھا: کم؟ کتنا؟ تو جواب دیا: ما وعد اللّٰہ ورسولہ من الخیر والاجر خیر اور اجر کا وہ وعدۂ برحق جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا ہے۔ لشکر تبوک روانہ ہوا، قیامِ تبوک کے دوران آپؓ کو فجر کی نماز میں امامت کا شرف حاصل ہوا، جس میں خود تاجدارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک تھے، جس کا

تفصیلی ذکر شروع میں آچکا ہے۔ یہ شرف مسلمانوں میں سے صرف آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص تھا۔ (تذکرہ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ:۶۱)

حجۃ الوداع تک جتنی مہمات پیش آئیں آپ رضی اللہ عنہ ان تمام میں شریک رہے۔ آخری سفرِ حج سے واپس آنے کے بعد ۱۱ھ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی، اور خلافت کا قصہ پیش آیا، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اس مسئلہ کو سلجھانے میں نہ صرف شریک تھے؛ بلکہ پیش پیش تھے، جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا خلیفہ ہونا طے پایا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرنے والوں میں آپ کا تیسرا نمبر تھا۔ (سیر الصحابہ ۲/ ۱۲۳)

عہدِ صدیقی

عہدِ صدیقی میں حضرت عبد الرحمن ایک مخلص مشیر اور صاحبِ رائے کی حیثیت رکھتے تھے، ہر قسم کے مشوروں میں شریک ہوتے۔ جمادی الثانی ۱۳ھ میں جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو یقین ہوگیا کہ وقتِ آخر آپہنچا ہے، تو سب سے پہلے آپ نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو بلا کر خلافت کے متعلق مشورہ کیا اور فرمایا کہ: عمر رضی اللہ عنہ کی بابت تمہارا کیا خیال ہے؟ تو حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: عمر رضی اللہ عنہ کے مزاج میں سختی زیادہ ہے، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: عمر رضی اللہ عنہ کی سختی کا سبب صرف میری نرم طبیعت تھی، میں جس معاملہ میں نرمی اختیار کرتا تھا اس میں عمر رضی اللہ عنہ سختی کی جانب مائل نظر آتے تھے؛ لیکن جن معاملات میں مَیں نے سختی سے کام لیا ہے ان

میں عمر رضی اللہ عنہ ہمیشہ نرم رہے، میرا خیال ہے کہ خلافت ان کو ضرور نرم کردے گی۔ پھر چند دنوں کے بعد یہ چراغ بھی گُل ہوگیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

(تاریخ اسلام ۱/ ۲۵۹)

عہدِ فاروقی

حضرت فاروق اعظم نے ۲۲/ جمادی الثانی بروز سہ شنبہ مدینۂ منورہ میں مسندِ خلافت پر قدم رکھتے ہی نظامِ خلافت کو پہلے سے زیادہ منظّم کرنا شروع کردیا، مہماتِ مسائل پر بحث ومباحثہ کرنے کے لیے ایک شوریٰ قائم کی، حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ اس مجلس کے نہایت صاحب الرائے اور پُر جوش رکن ثابت ہوئے، بہت سے معاملات میں ان ہی کی رائے پر آخری فیصلہ ہوتا۔

عراق پر فوج کشی کے لیے جب دار الخلافہ کے گرد ایک عظیم لشکر مجتمع ہوا، اور عام سوچ یہ تھی کہ خود امیر المؤمنین اس فوج کی باگ اپنے ہاتھ میں لے، امیر المؤمنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی اس کے لیے تیار ہوگئے؛ لیکن حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے سختی سے مخالفت کی اور فرمایا کہ: لڑائی کے دونوں پہلو ہیں، خدانخواستہ اگر شکست ہوئی اور امیر المؤمنین کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے، آپ رضی اللہ عنہ کی رائے کو تمام اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے پسند کیا، اب یہ مسئلہ پیش آیا کہ: سپہ سالارِ عراق کون بنے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انکار کیا، حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ اور حضرت خالد رضی اللہ عنہ ملکِ شام میں مصروفِ پیکار تھے، اسی غور وفکر کی حالت میں حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں ایک شخص کا

نام لیتا ہوں، یہ کہہ کر حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا نام لیا، سب نے تائید کی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی پسند فرمایا۔

حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کا وظائف مقرر کرنا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فتوحات کا دروازہ کھل گیا اور بیت المال کی آمدنی میں بیش بہا اضافہ ہوگیا، تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: میں چاہتا ہوں کہ اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وظائف مقرر کردوں، انہوں نے کہا: بہت اچھا خیال ہے، فرمایا: اس خیال کو عملی جامہ پہنانے کے لیے تجویز دو، انہوں نے عرض کیا: مخرمہ بن نوفل رضی اللہ عنہ، جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ اور عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہ؛ تینوں حضرات علم الانساب میں ماہر ہیں، ان کو فہرست لکھنے پر مقرر کردیجیے، فہرست تیار ہوگئی، جس میں امیر المؤمنین کا نام اوپر تھا، امیر المؤمنین اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے اسے دیکھا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میرا نام اور میرے قبیلۂ عدی کے افراد کے نام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نسبی قربت کے لحاظ سے جب ان کا نمبر آئے تب لکھو، اور موجودہ ترتیب بدل دو، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: آپ امیر المؤمنین ہیں، فہرست آپ کے نام سے شروع ہونی چاہیے، امیر المؤمنین نے کہا: نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ سے شروع کرو، اس کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لکھو۔

وظائف کی مقدار اپنے مشیرِ خاص حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی رائے

سے مقرر کی اور پھر شوریٰ میں سنائی، جس کا خاکہ یہ تھا:

نمبر	ترتیب اسماء	مقدار وظیفہ
۱	حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ	۵۰۰۰ درہم سالانہ
۲	حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ	۵۰۰۰ درہم سالانہ
۳	حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	۱۲۰۰۰ درہم سالانہ
۴	امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن	۱۰۰۰۰ درہم سالانہ
۵	حضراتِ اصحابِ بدر رضی اللہ عنہم	۵۰۰۰ درہم سالانہ
۶	اصحابِ بدر میں سے ہر ایک کے صاحبزادے کے لیے	۲۰۰۰ درہم سالانہ
۷	بدر سے حدیبیہ تک کے زمانہ میں اسلام قبول کرنے والے حضرات	۴۰۰۰ درہم سالانہ
۸	حضراتِ انصار	۴۰۰۰ درہم سالانہ
۹	حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ	۴۰۰۰ درہم سالانہ
۱۰	مہاجرین قبلِ فتحِ مکہ اور شرکائے جہاد تا فتحِ قادسیہ	۳۰۰۰ درہم سالانہ
۱۱	جن لوگوں نے فتحِ مکہ میں اسلام قبول کیا یا قادسیہ اور یرموک میں لڑے	۱۰۰۰ درہم سالانہ
۱۲	سپہ سالار حضرات مثنیٰ کی فوج	۵۰۰ درہم سالانہ
۱۳	شرکائے بدر کی بیویاں	۵۰۰ درہم سالانہ

۱۴	بدر کے بعد سے حدیبیہ تک جہاد میں شریک ہونے والے اصحاب کی بیویاں	۴۰۰ درہم سالانہ
۱۵	حدیبیہ کے بعد سے فہرست کی تیاری تک لڑائیوں میں شریک ہونے والوں کی ازواج	۳۰۰ درہم سالانہ
۱۶	بلا امتیاز مراتب	۲۰۰ درہم سالانہ

(اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے کارنامے: ۳۷۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے بے تکلفی

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ (حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ) کی ملاقات سے بہت خوش ہوتے تھے اور آپ رضی اللہ عنہ سے بہت بے تکلف تھے، ایک روز عشا کی نماز کے بعد حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ آپ رضی اللہ عنہ کے مکان پر تشریف لے گئے، دروازہ بند تھا، دروازہ کھٹکھٹایا، ایک خادمہ نے دروازہ کھولا، آپ رضی اللہ عنہ کچھ دیر باہر کھڑے رہے، پھر اندر داخل ہوئے تو دیکھا: حضرت عبدالرحمن نماز پڑھ رہے ہیں، آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ: کھانے کی کوئی چیز ہے؟ خادمہ نے جو اس وقت موجود تھا حاضر کر دیا، آپ رضی اللہ عنہ بے تکلفی سے کھانے لگے، حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ کو دیکھا اپنے اسی اطمینان کے ساتھ نماز میں مشغول ہے، تو پیچھے سے آواز لگائی، نماز جلدی ختم کرو، مجھے تم سے کام ہے۔ (طبرانی بحوالہ تذکرۂ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ: ۸۰)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اپنے تجارتی اغراض کے لیے چار ہزار درہم کی

ضرورت پیش آئی، تو حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ سے کہلا بھیجا، حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: لاکھوں درہم تمہارے قبضہ میں رہتے ہیں اور دو چار ہزار کے لیے مجھ سے مانگتے ہوں؟ پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیت المال کا روپیہ ادا کرنے سے پہلے مر جاؤں تو تم ہی لوگ کہو گے کہ: معاف کر دو، اور خدا کے یہاں مجھ سے باز پرس ہوگی، میں چاہتا ہوں کہ تم جیسے بخیل شخص سے قرض لوں کہ مر بھی جاؤں تو کسی نہ کسی طرح وصول کر لوں گے۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ الفاظ مزاح اور بے تکلفی کے طور پر کہے تھے؛ ورنہ آپ سخاوت اور فیاضی میں ممتاز تھے)۔ (جمع الفوائد، ابن سعد ۱۳/ ۱۹۹ بحوالہ تذکرۂ عبدالرحمن عوف رضی اللہ عنہ: ۸۱)

ایک عجیب قصہ

ایک دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ جمع ہوئے، اور ان حضرات نے حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ سے کہا: اے عبدالرحمن! کیا ہی اچھا ہوگا اگر آپ امیر المؤمنین سے کہے کہ بہت سے حاجت مند آتے ہیں؛ لیکن آپ کی ہیبت کی وجہ سے اپنی ضرورت پیش کیے بغیر واپس لوٹ جاتے ہیں۔ چناں چہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ، امیر المؤمنین کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور عرض کیا: اے امیر المؤمنین! آپ لوگوں کے ساتھ نرمی اختیار فرمائیں؛ کیوں کہ بہت سے ضرورت مند آپ کے رعب اور ہیبت کی وجہ سے اپنی ضرورت پیش ہی نہیں کر پاتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تمہیں

عثمان رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ وغیرہ نے بھیجا؟ پھر فرمایا: اے عبد الرحمن! میں نے اتنی نرمی اختیار کی مجھے ڈر محسوس ہونے لگا کہ اللہ تعالی اس کے بارے میں مجھ سے باز پرس کرے گا، پھر میں نے اتنی سختی اختیار کی کہ مجھے ڈر محسوس ہونے لگا کہ خدا اس کے بارے میں مجھ سے پوچھے گا، اے عبد الرحمن! اب تم ہی بتاؤ کہ میں کیا کروں؟ حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ یہ سن کر روتے ہوئے اٹھے اور فرمایا: پتہ نہیں! آپ کے بعد امت کا کیا ہوگا!!۔ (حیاۃ الصحابہ رضی اللہ عنہم ۲/ ۳۶۲)

شہادتِ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ

۲۳ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ صبح کی نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے، تو ابولؤلؤ نامی ایک عجمی غلام نے حملہ کیا اور متعدد زخم پہنچائے، آپ رضی اللہ عنہ نے فوراً حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو کھینچ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا، اور خود زخموں کے صدمہ سے بے ہوش ہو گئے، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو اسی حالت میں نماز پڑھائی، نماز کے بعد امیر المؤمنین کو گھر لایا گیا، دوائی اور دودھ پلایا گیا، سب پیٹ کے زخم سے باہر نکل گیا، یہ حالت دیکھ کر لوگوں کو مایوسی ہوئی اور عرض کیا کہ: آپ بھی کسی کو اپنا جانشین مقرر فرما دیجیے، آپ رضی اللہ عنہ نے چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام لیا جن میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے، اور فرمایا کہ: میرے بعد ان میں سے کسی کو اپنا جانشیں بنا لینا، پھر اپنے بیٹے حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا کہ: اگر لوگ خلافت کے انتخاب میں اختلاف کریں تو تم اس گروہ میں شامل ہونا جس میں حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ

ہو۔ یکم محرم ۲۴ھ میں وفات پائی، جن باسعادت حضرات نے آپ کو قبر میں اتارا ان میں حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ (ابن سعد ۳/ ۲۴۴ بحوالہ سیر الصحابہ ۲/ ۱۲۵)

عہدِ عثمانی

انتخابِ خلیفہ کے لیے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قائم کردہ چھ اصحابِ شوریٰ بیٹھے اور باہمی گفت وشنید کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا نام طے پایا، چناں چہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے مجمعِ عام میں ایک مؤثر تقریر کی اور فرمایا کہ: میں نے ہر طبقہ اور ہر گروہ کی رائے معلوم کر لی، اور تمام اصحابِ شوریٰ نے میرے فیصلہ کو ناطق تسلیم کیا ہے، یہ کہہ کر آپ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا بیعت کرنا تھا کہ تمام خلقت ٹوٹ پڑی۔

وفات حسرت آیات

عہدِ عثمانی میں آپ رضی اللہ عنہ نے نہایت خاموشی سے زندگی بسر کی اور مہماتِ ملکی میں آپ رضی اللہ عنہ نے کوئی خاص دل چسپی نہیں لی۔ ۳۲ھ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نکسیر کے مرض میں سخت مبتلا ہوئے، تو اکثر صحابہ رضی اللہ عنہم کو آپ کی حیات سے ناامیدی ہو گئی تھی، لوگوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے اپنا خلیفہ بنانے پر اصرار کیا، اسی اصرار کی بنا پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے بارے میں وصیت لکھوادی۔ حمران نے قبل از وقت وصیت کو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ پر ظاہر کر دیا، یہ وصیت آپ پر بہت شاق گذری، اور آپ نے باری تعالیٰ سے دعا کی: اے میرے خدا! مجھ کو عثمان سے پہلے

اپنے پاس بلا لیجیے، دعا قبول ہوگئی، آپ بیمار ہو گئے، علالت نے طوالت اختیار کی، ضعف بڑھتا گیا، حتیٰ کہ وفات سے قبل آپ پر غشی طاری ہوگئی، افاقہ ہوا تو پوچھا کہ: میں بے ہوش ہو گیا تھا؟ لوگوں نے کہا: ہاں! آپ نے فرمایا: میرے پاس دو فرشتے آئے جن میں شدت اور سختی تھی، اور مجھے لے چلے، پھر میرے پاس دو اور فرشتے آئے جو ان دونوں سے زیادہ نرم اور مہربان تھے، ان دونوں نے کہا کہ: اسے چھوڑ دو یہ ان لوگوں میں سے ہے جس کی تقدیر میں سعادت ان کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لکھ دی جاتی ہے، اور ابھی اس کی اولاد اس سے متمتع ہوتی رہے گی، چناں چہ اس کے ایک ماہ کے بعد ۳۲ھ م ۶۵۲ء میں آپ کی وفات ہوئی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون. (تذکرۂ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۱۰۹۔ سیرت حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ)

کفن

آپ کا کفن نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک استعمال شدہ چادر تھی۔ واقعہ یوں ہے کہ: ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ مبارک میں ایک عورت ایک نئی چادر لے کر آئی، اور عرض کیا کہ: حضور! اپنے ہاتھ سے بُن کر لائی ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو ازار کے طور پر استعمال کیا اور بڑی تعریف کی، حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی خدمتِ اقدس میں حاضر تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے چادر طلب کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ دیر استعمال کرنے کے بعد بھیجوادی۔ بعد میں صحابہ رضی اللہ عنہم سے آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ: میں نے کفن کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے طلب کی تھی؛ ورنہ مجھ کو کپڑے کی

ضرورت نہیں ہے، اور یہی چادر آپ کے کفن میں استعمال کی گئی۔ (بخاری، باب من استعد الکفن ،بحوالہ تذکرۂ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ :۴۱)

نمازِ جنازہ ودفن

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ جنازہ اٹھانے والوں میں شریک تھے اور کہتے جاتے تھے: واجبلاہ آہ! یہ پہاڑ بھی چل بسا۔ حضرت عثمانؓ نے وصیت کے مطابق نمازِ جنازہ پڑھائی۔

آپؓ کے مرض الموت میں حضرت عائشہؓ نے یہ کہلا بھیجا کہ: آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان کے ہم نشینوں کے ساتھ دفن ہو؛ مگر آپ نے پاس ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے انکار کیا، اور یہ کہلا بھیجا کہ: میرا عثمان بن مظعون سے معاہدہ ہو چکا تھا کہ ہم میں جو آخر میں وفات پائے وہ پہلے کے پہلو میں دفن ہو، چناں چہ آپؓ بھی جنت البقیع میں حضرت عثمانؓ بن مظعون کے پہلو میں دفن ہوئے، اور عجیب اتفاق کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ بھی آپ کے رفیقِ غار تھے، مرنے کے بعد آپؓ کے پڑوسی رہے اور آپؓ کے قریب دفن ہوئے۔

(الریاض المستطابۃ، ابن سعد بحوالہ تذکرۂ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ :۴۲)

اولاد وازواج اوران کا تعارف

حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کی اولاد میں سالم اکبر جو قبل از اسلام مر گئے، ان کی ماں کلثوم بنت عتبہ بن ربیعہ تھی۔

ایک لڑکی ام قاسم بھی جاہلیت میں پیدا ہوئی، ان کی ماں بنت یثبہ بن ربیعہ بن عبد الشمس تھیں۔

محمد بن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ: یہ بڑے باغیرت آدمی تھے، اسی سے آپ کی کنیت ابو محمد تھی، اور ابراہیم، اسماعیل، حمید، حمیدہ اور امۃ الرحمن، ان کی ماں ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط تھیں۔

ابراہیم بن حضرت عبد الرحمن بن عوف: یہ پستہ قد اور سیاہ فام تھے، ان کی کنیت ابو اسحاق تھی، انہوں نے ۶۹ھ پچھتر سال کی عمر میں وفات پائی۔ ابراہیم کے لڑکے سعد اور صالح تھے، جن کا مختصر تعارف درجِ ذیل ہے:

سعد بن ابراہیم: ان کی والدہ سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں، یہ ہشام بن عبد الملک کے زمانہ میں مدینہ کے قاضی رہے، اور قابلِ اعتماد حاملینِ حدیث میں سے تھے، ان کی کنیت ابو ابراہیم تھی۔

صالح بن ابراہیم رحمہ اللہ: یہ محدث تھے، چناں چہ معاذ اور معوذ کے بدر میں ابو جہل کو قتل کرنے کی حدیث ان ہی سے مروی ہے۔

حمید بن عبد الرحمن: یہ بہت مال دار تھے اور حاملینِ حدیث میں سے تھے، انہوں نے ۹۵ھ کو تہتر سال کی عمر میں وفات پائی، ان کا ایک بیٹا تھا عبد الرحمن، اور اسی سے آپ کی کنیت ابو عبد الرحمن تھی، یہ بھی محدث تھے۔

معن، عمر: یہ قریشی پہلوانوں میں سے تھے، زید، امۃ الرحمن صغریٰ: ان

سب کی ماں سہلہ بنت عاصم بن الجد بن عجلان قبیلۂ قضاعہ کی شاخ بلہ کے انصار میں سے تھیں۔

عروہ اکبر بن عبد الرحمن: یہ جنگِ افریقہ میں شہید ہوئے، ان کی ماں بحریہ بنت ہانی قبیصہ بنی شیبان میں سے تھیں۔

سالم اصغر بن عبد الرحمن: یہ فتحِ افریقہ کے دن شہید ہوئے، ان کی والدہ سہلہ بنت سہیل بن عمر بن عبد شمس تھیں۔

سہیل بن عبد الرحمن: انھوں نے بنو امیہ ثریا کی الصغریٰ سے نکاح کیا، ان کی والدہ امِ سہیل مجد بنت یزید بن سلامہ تھیں۔ آپ کی کنیت ابو الابیض تھی، ان کے بیٹے عبد المجید بن سہیل رحمہ اللہ تھے، یہ بہت بڑے محدث تھے، قوم ان کی پیروی کرتی تھی اور یہ ابو جعفر منصور کے مشیرِ خاص بھی تھے۔

موسیٰ سلامانی فرماتے ہیں کہ: میں بیٹھا ہوا تھا، چناں چہ میرا ایک غلام آیا اور کہا: آپ کی والدہ کے خاندان کا ایک آدمی آپ کے پاس آنے کی اجازت چاہتا ہے، (ان کی والدہ حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے تھیں)، میں نے ان کو اجازت دے دی، چناں چہ ایک خوبصورت نوجوان داخل ہوا جو قریشی معلوم ہوتا تھا، میں نے کہا: اللہ آپ پر رحم کرے آپ کون ہیں؟ جواب دیا: عبد المجید بن سہیل بن عبد الرحمن الزہری ہوں، میں نے کہا: قریب آؤ قریب آؤ! پھر میں نے اپنے غلام کو حکم دیا: وہ آپ کے ساتھ اچھا معاملہ کرے، اکرام کرے

اور نرمی سے پیش آئے، اور کہا کہ: ان کو حمام میں داخل کرو، آپ کے لیے سفید استر والی عمدہ چادر کی قمیص بنوائی اور حضرمی جوتے بنوائے۔

عبد اللہ اصغر بن عبد الرحمن الفقیہؒ: یہ محدث تھے، انہوں نے حضرت عائشہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت جابرؓ سے بہت سی حدیثیں روایت کیں، ان کے دو بیٹے تھے: عمر اور سلمہ، دونوں محدث تھے، اسی سے ان کی کنیت ابو سلمہ تھی۔

عبداللہ اصغر کی والدہ تماضر بنت اصبغ بن عمرو بن ثعلبہ قبیلہ کلب سے تھیں، (وہ پہلی کلبیہ ہے جن سے ایک قریشی نے نکاح کیا تھا)۔

عثمان بن عبد الرحمنؒ: آپ کا خاندان بصرہ میں تھا، ان کی والدہ غزال بنت کسریٰ ام ولد تھیں، جو مدائن کے قیدیوں میں سے تھیں، ان کی اولاد میں سعید بن یحییٰ بن الحسن بن عثمان بن عبدالرحمن بن عوفؓ بھی بہت بڑے محدث تھے۔

عبداللہ اکبر بن عبدالرحمنؓ: یہ فتحِ افریقہ کے موقع سے شہید ہوئے، آپ کی والدہ بنت ابی الحسین بن رافع اوس میں سے تھیں۔

مسور بن عبدالرحمنؒ: یہ یوم الحرۃ میں شہید کیے گئے۔

ابو بکر بن عبد الرحمنؒ: ان کی والدہ ام حکیم بنت فارظہ بن خالد بن عبید، کنانہ سے تھیں۔

جویریہ بنت عبدالرحمنؒ: آپ کے شوہر مسور بن مخرمہ تھے، آپ کی والدہ بادیہ بنت غیلان بن سلمہ بن معب الثقفی تھیں۔

(الجوہرۃ فی نسب النبی واصحابہ العشر ۲/۳۲۷ تا ۳۳۶، طبقات ابن سعد ۲۲۸/۳)

فضائل ومناقب

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عبد الرحمن بن عوفؓ کے متعلق فرماتے ہوئے سنا: امین فی اهل السماء، وامین فی اهل الارض آپ آسمان والوں میں امین اور زمین والوں میں امین ہے۔ (الریاض النضرۃ ۲/ ۲۸۲)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ سے فرمایا: انت ولي فی الدنیا والاخرة عبدالرحمن! دنیا اور آخرت دونوں میں تم میرے دوست ہو۔
(الریاض النضرۃ بحوالہ تذکرہ عبدالرحمن بن عوفؓ ٦٦)

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ -سفر ہو یا حضر- ہمیشہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہتے، صرف سریۂ دومۃ الجندل میں کچھ دن کے لیے مفارقت رہی۔
(تذکرۂ عبدالرحمن بن عوفؓ ۱۰۳)

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کو عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے امہات المؤمنین کی خدمت کا شرف حاصل تھا۔ (اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے کارنامے ٣٧٦)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: عبد الرحمن بن عوف زمین میں اللہ کے وکیل ہے۔ (الریاض النضرۃ ۲/ ۲۸۳)

غزوۂ تبوک میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔
(صور من حیاۃ الصحابۃ ۲٦۱)

آپؓ ان خوش نصیب صحابہ میں تھے جو سب سے پہلے ایمان لائے۔
(صور من حیاۃ الصحابۃ ۲۵۷)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: عبد الرحمن فی الجنۃ۔ (تحفۃ الالمعی ۸/۳۸۱)

آپ رضی اللہ عنہ ان مخصوص مفتیان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی موجودگی میں فتویٰ دینے کا مجاز قرار دیا گیا تھا۔ (زندگیاں صحابۂ کرام کی ۳۱۵)

سریۂ دومۃ الجندل میں رخصت ہوتے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو شفقت سے اپنے قریب بلایا، اپنے سامنے بٹھایا اور اپنے دستِ مبارک سے آپ کا عمامہ کھولا، اور اپنا سیاہ عمامہ خود ہی اپنے ہاتھوں سے آپ رضی اللہ عنہ کے سر پر باندھا۔ (طبقات ابن سعد ۲/۲۳۱)

ابوعمر رضی اللہ عنہ و بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: عبد الرحمن بن عوف سید من سادات المسلمین عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے سرداروں میں سے ایک سردار ہے۔ (الریاض النضرۃ ۲/۳۸۴)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اکثر آپ ہی سے مشورے لیتے تھے۔

(طبقات ابن سعد ۲/۱۹۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اچھے صاحب الرائے ہیں، ان کی بات سنو اور ان کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔

(ابن اثیر بحوالہ تذکرۂ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۹۰)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چھ شخصوں کو خلافت کے لیے نامزد کیا تھا، جن میں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ بھی تھے، اور اپنے بیٹے سے فرمایا تھا: اگر ان میں آپس میں

اختلاف ہو تو عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ جس طرف ہو اس کو ترجیح دینا۔

(فتح الباری، باب بیعۃ والاتفاق بحوالہ تذکرۂ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۸۱)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ: ان میں عمدہ اوصاف ہیں۔ (تذکرۂ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۸۳)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے پہلے سال ۱۳ھ میں آپ ہی کو امیرِ حج مقرر کر کے مکہ روانہ کیا، اور اپنی طرف سے قربانی کے لیے جانور دیے۔

(اصحابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے کارنامے ۳۷۶)

ایرانی غلام فیروز نے فجر کی نماز میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر خنجر سے وار کیا تو آپ نے فوراً جس شخص کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا وہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہی تھے۔ (اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے کارنامے ۳۷۷)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو قبر میں اتر کر اپنے ہاتھوں سے ۲۳ھ میں آغوشِ صدیقی میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیرِ قدم سلایا تھا۔ (تذکرۂ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۱۰۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جب نکسیر کے موقع سے علیل ہوئے تو آپ ہی کے متعلق وصیت کی کہ: میرے بعد عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قائم مقام ہوں گے۔

(تذکرۂ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۸۸)

مسور بن مخرمۃ فرماتے ہیں کہ: جس وقت میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت

عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے درمیان لشکر کے ساتھ چل رہا تھا، اور حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ایک سیاہ چادر اوڑھے ہوئے میرے آگے چل رہے تھے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: یہ سیاہ چادر والا کون ہے؟ لوگوں نے کہا: عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ہے، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مجھے پکارا: اے مسور! میں نے کہا: لبیک یا امیر المؤمنین! آپ نے فرمایا: جس نے یہ دعویٰ کیا کہ عثمان رضی اللہ عنہ پہلی اور دوسری ہجرت میں تمہارے ماموں عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے بہتر ہے تو وہ کاذب ہے۔ (طبقات ابن سعد ۳/ ۲۲۷)

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کے جنازہ کے قریب آئے تو برجستہ آپ کی زبان سے یہ کلمات جاری ہوئے: لقد ادرکت صفوها و سبقت زیفوها یرحمک اللّٰہ، آپ نے دنیا میں سے اس کے عمدہ حصہ کو اپنایا، اور اس کے خراب حصہ کو چھوڑ کر گذر گئے، اللہ تعالیٰ آپ کو غریقِ رحمت کرے۔ آمین (صور من حیاۃ الصحابہ ۲۶۵)

اخلاق وعادات

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا دامن فضل وکمال اور اخلاقی جواہر پاروں سے مالا مال تھا، خصوصاً حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صدق وعفا، ترحم، فیاضی اور انفاق فی سبیل اللہ آپ کے نہایت درخشاں اوصاف تھے۔ (سیر الصحابہ ۲/ ۱۲۹)

آپ رضی اللہ عنہ میں قدرتِ کلام وبیان اور فصاحت وبلاغت کا خاص جوہر تھا، پیرایۂ بیان جچا تلا، مختصر اور انتہائی مؤثر ہوتا تھا، نہ جملوں کی بے جا تکرار ہوتی اور نہ ہی الفاظ کا زائد از ضرورت استعمال ہوتا۔ نوشت وخواند سے اپنے زمانہ کے معیار

کے مطابق بخوبی واقف تھے، آپ رضی اللہ عنہ کے اوصاف میں سب سے زیادہ نمایاں وصف اصابتِ رائے ہے۔ (اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کے کارنامے ۳۸۳)

آپ رضی اللہ عنہ نہایت خشوع اور خضوع کے ساتھ نماز پڑھتے، دل ہمیشہ مسجد میں لگا رہتا، ظہر کے وقت دیر تک نوافل پڑھا کرتے تھے۔

(سیرت حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۵۸)

آپ رضی اللہ عنہ رمضان المبارک کے فرض روزوں کے علاوہ بھی اکثر روزے رکھتے تھے، آپ حج کے لیے بارہا تشریف لے گئے، حجۃ الوداع میں شریک تھے، جس سال حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے اس سال امارتِ حج کی خدمت آپ رضی اللہ عنہ ہی کے سپرد کی گئی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی آپ کو امیرِ حج بنایا۔ امہات المؤمنین کی خدمت میں بھی لگے رہتے، اور وقتاً فوقتاً ان پر خرچ کرتے رہتے۔

(طبقات ابن سعد ۲/ ۲۳۲۔ سیرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۵۶)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر بطورِ گواہ جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دستخط کروائے تھے ان میں سے آپ رضی اللہ عنہ بھی تھے، اس سے آپ رضی اللہ عنہ کی امانت داری اور اخلاق کا پتہ چلتا ہے۔ (تذکرۂ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۶۰) آپ رضی اللہ عنہ بہت طویل نماز پڑھتے تھے اور خدا کی بارگاہ میں عرض معروض کرنے میں ایک معتد بہ حصہ خرچ کیا کرتے تھے، اذان سنتے ہی مسجد جانے کی تیاری کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ شب کو اتفاقیہ طور پر آپ رضی اللہ عنہ کے مکان چلے گئے تو آپ کو نماز میں مشغول پایا۔

(اصابہ بحوالہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۴۶)

مسور بن مخرمۃ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے کچھ رات گذرنے کے بعد مجھے اٹھایا اور کہا: جاؤ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ اور خود نماز میں مشغول ہو گئے، وہ دونوں آئے تو ختمِ نماز تک انتظار کیا۔ آپ خیال کیجیے! جو شخص اتنا وقت نفل نماز میں بھی صرف کرتا ہو وہ اپنے فرض کو کس طور سے ادا کرتا ہوگا! اس میں کیا شک ہے کہ یہ تمام باتیں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت با برکت کا ادنیٰ کرشمہ تھیں؛ تاہم فطری قابلیت اور صلاحیت شرط ہے۔

صحبت اندر جو ہر قابل کند تاثیر بس		ورنہ شاخ گل ز بوئے گل چرا محروم شد

اور اسی فطری صلاحیت و اخلاق کا ایک معمولی اثر تھا جس نے کفر کی حالت میں بھی ہمیشہ شراب سے مجتنب رکھا۔ (تذکرۂ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۴۶)

جود وسخا

بادِ صبا کے ہلکے ہلکے سے تھپیڑوں میں سے کچھ ذرات شمولیت پذیر ہوتے جارہے تھے، کچھ دیر تو لوگ نظر انداز کرتے رہے؛ لیکن جب ذرات سے فضا دھندلی ہونے لگی تو لوگوں کے اوسان خطا ہو گئے اور مدینہ میں افراتفری پھیل گئی، جب وہ قریب ہوا تو آوازیں آنے لگیں، جس سے یہ اندازہ ہوا کہ کوئی آفت سماوی نہیں؛ بلکہ رزقِ رَازق ہے جو ایک تجارتی قافلے کی شکل میں مدینہ آرہا ہے، جب انہیں کسی نے بتایا کہ: یہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا سات سو اونٹوں پر مشتمل تجارتی قافلہ ہے جو ملکِ شام سے اناج وغیرہ لے کر واپس آرہا ہے، تو

مدینہ میں ہل چل مچ گئی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دریافت کیا کہ: یہ شور کیسا؟ جواب ملا: حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کا قافلہ ملکِ شام سے اناج لے کر لوٹ رہا ہے، فرمایا: ایک قافلہ اور اتنا شور؟ کہا گیا: سات سو اونٹوں پر مشتمل ہے، یہ سن کرامی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: میں نے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: رایت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ یدخل الجنة حبوا میں نے دیکھا کہ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ گھسٹتے ہوئے جنت میں جارہے ہیں۔ کسی نے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی تو آپ رضی اللہ عنہ نے ام المؤمنین کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا: میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ یہ پورا قافلہ مع اسباب اور سامان؛ بلکہ اونٹ اور کجاوے تک راہِ خدا میں وقف ہے۔ (اسد الغابۃ ۳/ ۳۱۶ بحوالہ سیر الصحابہ ۲/ ۱۳۲)

سورۂ برات کے نزول پر جب آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدقات اور خیرات کی ترغیب دی تو اس وقت آپ رضی اللہ عنہ نے چار ہزار درہم پیش کیے، حالاں کہ یہ آپ رضی اللہ عنہ کے کاروبار کا ابتدائی دور تھا۔ (البدایۃ ۷/ ۱۶۳ بحوالہ حیاۃ الصحابہ ۲/ ۲۲۳)

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غلاموں کو آزاد کرنے کی تحریک فرمائی، تو آپ نے ایک ہی دن میں تیس غلام آزاد کیے۔ (اسد الغابۃ ۳/ ۳۱۶)

ایک مرتبہ پانچ سو گھوڑے اللہ کے راستے میں دیے۔

(اصابۃ ۲/ ۴۱۶ بحوالہ حیاۃ الصحابہ ۲/ ۲۲۳)

ایک دفعہ پانچ سو اونٹ مجاہدین کی خدمت میں پیش کیے۔

(تاریخ ابن کثیر ۷/ ۳۱۳)

قومی چندوں میں دومرتبہ آپ رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار نقد پیش کیے۔

(اسد الغابۃ ۳/ ۳۱۷ بحوالہ سیرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ: ۶۰)

ایک دفعہ آپ نے ایک زمین چالیس ہزار دینار میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فروخت کی، اور تمام دینار غربا اور مساکین میں تقسیم کیے۔

(طبقات ابن سعد بحوالہ سیرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۶۱)

جب آپ رضی اللہ عنہ اس دنیا سے رخصت ہونے لگے تو وصیت فرمائی کہ: جنگِ بدر کے تمام اصحاب کو جو حیات ہیں چار چار سو دینار بطور ہدیہ کے پیش کرو، اس وقت سو سے زیادہ بدری صحابہ رضی اللہ عنہم حیات تھے۔ (ابن کثیر ۷/ ۳۱۵)

بدری صحابہ رضی اللہ عنہم سے فارغ ہونے کے بعد ارشاد فرمایا کہ: اب پچاس ہزار دینار اور ایک ہزار گھوڑے اللہ کی راہ میں دے دیے جائیں، چناں چہ اسی وقت تقسیم کر دیے گئے۔ (تاریخ ابن کثیر ۷/ ۳۱۳)

اتنے صدقے اور خیرات کے بعد جب آپ کی جائیداد ورثا میں تقسیم کی گئی، تو آپ کی بیویوں کو آٹھویں حصہ میں اَسّی اَسّی ہزار دینار آئے۔

(تاریخ ابن کثیر ۷/ ۳۱۵)

خشیتِ الٰہی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے بلا واسطہ سن چکے تھے کہ: آپ نے بلا کسی شرط کے فرمایا: عبد الرحمن فی الجنة اور آپ اس مبارک غزوہ میں

بھی شریک تھے جس کے متعلق حدیثِ قدسی میں حق تعالیٰ شانہ کا فرمان ہے: قد غفرت لکم فاعملوا ما شئتم سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما چکے تھے کہ: عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نیک ہے، صابر ہے اور سچے ہے۔ (تحفۃ الالمعی ۸/۳۸۱)

اس کے باوجود بھی خشیتِ الٰہی کا یہ عالم تھا کہ ایک گھڑی کے لیے بھی اپنے خاتمہ سے بے خوف نہیں تھے۔ خوفِ خدا کے باعث دنیا کا ہر ایک واقعہ آپ کے لیے مرقعِ عبرت ہو جاتا تھا۔

آپ کے پوتے سعد بیان کرتے ہیں کہ: ایک دفعہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ روزہ سے تھے، شام کے وقت کھانا سامنے آیا تو مسلمانوں کا گذشتہ فقر وفاقہ یاد آیا، اور رفیقوں کی یاد نے ایسا بے چین کیا کہ آپ زار وقطار رونے لگے اور کہنے لگے: حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ مجھ سے بہتر تھے، وہ شہید ہوئے، کفن میں صرف ایک چادر تھی جس سے سر چھپایا جاتا تو پاؤں کھل جاتے، اور پاؤں چھپایا جاتا تو سر کھل جاتا؛ لیکن اب دنیا ہمارے لیے کشادہ ہوگئی ہے، اور ہمیں اس قدر دنیوی نعمتیں مرحمت کی گئیں کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں ہماری نیکیوں کا معاوضہ دنیا ہی میں نہ دیا جارہا ہو۔ اس طرح کی باتیں کر کر کے اتنا روئے کہ کھانا بھی نہ کھا سکے۔

(بخاری، باب غزوۂ احد، ص ۵۷۹ بحوالہ تذکرہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۴۸)

رقتِ قلب

خوفِ خدا کا یہ اثر تھا کہ قرآن شریف پڑھتے وقت آپ پر ایک خاص

رقت طاری ہوتی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ قرآن شریف پڑھتے وقت عبد الرحمن بن عوفؓ کی طرح اس کے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہو۔ (تذکرۂ عبدالرحمن بن عوفؓ ۴۸)

آپؓ فرطِ خشیت سے طواف میں دعا فرماتے تھے: اللھم قنی شح نفسی اے اللہ! مجھے نفسانی طمع سے محفوظ رکھیو۔ (تذکرۂ عبدالرحمن بن عوفؓ ۴۹)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا آپؓ کو دعائیں دینا

ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے تو حضرات حسنینؓ کو بھوک سے روتے ہوئے دیکھا، اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان صاحبزادوں کے رونے سے ملال ہوا، اتنے میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ روٹی اور سالن لے کر آئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو دعا دی اور فرمایا: کفاک اللہ امر دنیاک فاما اخر تک فانا لھا ضامن (خدا تعالیٰ تمہارے دنیوی امور کی کفایت کرے، باقی رہا قصۂ آخرت تو میں اس کا ضامن ہوں۔ (ابن عساکر ۵/۶۱/۳ بحوالہ تذکرہ عبدالرحمن بن عوفؓ ۶۵)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے لیے برکت کی دعا فرمائی، اس کے بعد بعض بعض اصحاب کے لیے مخصوص دعائیں کیں، چناں چہ عبدالرحمن بن عوفؓ کے لیے اللھم وقر عبدالرحمن فرمایا۔ (ابن عساکر ۳/۱۰ بحوالہ تذکرۂ عبدالرحمن بن عوفؓ ۶۶)

ایک مرتبہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: میں ایک فوجی دستہ بھیجنا چاہتا ہوں اس کے لیے مالی تعاون پیش کرو، یہ سن کر حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ دو ہزار درہم

لے آئے اور کہا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو ہزار میں اللہ کو قرض دے رہا ہوں اور باقی دو ہزار اپنے اہل وعیال کے لیے چھوڑے ہیں، یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ رضی اللہ عنہ کو دعا دی: بارک اللہ لک فیما اعطیت وبارک اللہ لک فیما ترکت۔ (جو کچھ تم نے دیا اس میں اللہ تعالیٰ تم کو برکت دے، اور جو کچھ تم نے بچوں کے لیے چھوڑا اس میں بھی اللہ تعالیٰ تم کو برکت سے نوازے)۔

(زندگیاں صحابہ رضی اللہ عنہم کی ۳۱۸)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ازواج سے یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: میرے بعد جو شخص تم لوگوں کا محافظ ہوگا وہ صادق اور نیکوکار ہوگا، اے اللہ! عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو سلسبیل جنت سے سیراب کر۔

(طبقات ابن سعد ۳/ ۲۳۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے فرما رہے تھے: بارک اللہ لک فی مالک وخفف علیک حسابک یوم القیامۃ اللہ تمھارے مال میں برکت دے اور قیامت کے دن تم پر حساب ہلکا کرے۔ (الریاض النضرۃ ۲/ ۳۸۴)

علمی کمالات

آپ رضی اللہ عنہ کے علمی کمال کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں فتویٰ دیا کرتے تھے۔ (زندگیاں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی ۳۱۵)

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کوضرورتِ علمی کا اس قدر احساس تھا کہ بہت کم لوگوں کو ہوگا، حصولِ علم سے آپ رضی اللہ عنہ کی طبیعت کبھی سیر نہیں ہوئی، یہی وجہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ذات علم کا مخزن تھی۔ کسی کے بارے میں آپ رضی اللہ عنہ کو دریافت ہوجاتا کہ وہ فلاں مسئلہ میں حدیث جانتا ہے یا اس نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی عمل کا مشاہدہ کیا ہے، تو خواہ اس کی علمی قابلیت کیسی ہی ہوتی، آپ رضی اللہ عنہ اس کی خدمت میں طالبانہ حیثیت سے جاتے، اور جو کچھ وہ جانتا ہے اس سے سیکھتے۔

آپ کے اسی شغفِ علمی کا نتیجہ تھا کہ تجارت اور زراعت کی مشغولی کے باوجود آپ رضی اللہ عنہ نبی رضی اللہ عنہ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اتنی ساری حدیثیں روایت فرمائی ہیں، کہ مستقل ایک کتاب ''مسند عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ'' مدوّن ہوئی، (جس کو ابوالعباس احمد بن محمد بغدادی المتوفی ۲۸۰ھ نے تالیف کی)۔ جس کی چند جھلکیاں حسب ذیل ہیں:

عن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ان المسلم فی ذمة اللہ منذ ولدته امه الی ان نقوم بین یدی ربه تبارک وتعالی بشھادة ان لا الہ الا اللہ، کتب له براءة من اللہ: حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: مسلمان خدا کی پناہ میں اپنی پیدائش کے وقت سے اس وقت تک رہتا ہے کہ وہ خدا کے سامنے حاضر ہو اور اللہ کی ملاقات کے وقت، لا الہ الا اللہ کی شہادت دے دے تو خدا کی طرف سے اس کو

برأت نامہ لکھ کردے دیا جاتا ہے۔

(مجمع الزوائد کتاب الایمان بحوالہ تذکرہ عبدالرحمن بن عوفؓ ص ۱۷۲)

عن عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ان اللہ وملائکتہ یصلون علی الصف الاول: حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ، حضوراقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: اللہ تعالیٰ اوراس کے فرشتے پہلی صف پررحمت نازل کرتے ہیں۔(ابن ماجہ فضل الصّف المقدم بحوالہ تذکرہ عبدالرحمن بن عوفؓ:۱۷۸)

عن عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال: صلاۃ الھجھیر مثل صلاۃ اللیل: حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادفرمایا: آفتاب ڈھل جانے کے بعد کی نماز تہجد کی نماز کے مثل ہے۔(مجمع الزوائد الطبرانی فی الکبیر بحوالہ تذکرہ عبدالرحمن بن عوفؓ ص ۱۸۸)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ بہت کم عمر تھے؛ لیکن بایں ہمہ ذی علم، ذہین اور دانش مند ہونے کی وجہ سے آپؓ باوجود اپنے فضل وکمال، جلالتِ قدر اور منزلتِ علمی کے خودان کے پاس تشریف لے جاتے، اور جو حدیثیں ان کوایسی یاد ہوتیں جن سے آپؓ خود بےخبر ہوتے تو ان سے سیکھ لیتے۔ابن عباسؓ خودفرماتے ہیں کہ: مجھ سے مہاجرین کے چندشخص پڑھتے تھے، جن میں عبدالرحمن بن عوفؓ بھی تھے۔(بخاری کتاب الجہاد بحوالہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کے کارنامے:۳۸۴)

خلافتِ صدیقی میں جب رسول اللہ کی وراثت کا مسئلہ چھڑا تو آپؓ نے

بلند آہنگی کے ساتھ اس حدیث کی تصدیق کی، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متروکہ میں وراثت نہیں ہے۔ (سیر الصحابہ ۲/ ۱۲۸)

اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ حکومت میں ایران فتح ہوا تو مجوسیوں کا مسئلہ پیش آیا، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو فکر دامن گیر ہوئی کہ آتش پرستوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے؟ تو اس وقت حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے ہی اس مسئلہ کو حل کیا اور فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کے ساتھ اہلِ کتاب کی روش اختیار کی تھی اور انہیں ذمی قرار دیا تھا۔ (کتاب الخراج ۷۴۔ سیر الصحابہ ۲/ ۱۲۸)

۱۸ھ میں عمواس میں طاعون پھیلا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو بلا کر دریافت کیا کہ: طاعون والی جگہ سے ہٹنا کیسا ہے؟ تو کوئی قطعی جواب نہ دے سکا؟ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اس وقت موجود نہ تھے؛ لیکن جب انہیں خبر ملی تو انہوں نے حاضر ہو کر کہا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ: جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ، اور اگر تم پہلے سے طاعون زدہ علاقہ میں ہو تو وہاں سے نہ ہٹو۔

(سیر الصحابہ ۲/ ۱۲۸)

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور ان سے پوچھا: کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس شخص کو حکم دیتے ہوئے سنا جو یہ بھول گیا ہو کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: واللہ! مجھے تو نہیں معلوم، اے امیر المؤمنین! آپ نے بھی نہیں سنا؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: نہیں، اسی دوران

حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور فرمایا؛ تم کس الجھن میں ہو؟ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو بتلایا، تب آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں نے اس مسئلہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حکم سنا ہے، چناں چہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: آپ تو ہمارے درمیان عمدہ انصاف کرنے والے ہو، آپ رضی اللہ عنہ نے کیا سنا؟ تو حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: میں نے رسول اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: اذا سہا احدکم فی صلاتہ حتی لایدری ازاد ام نقص فان کان شک فی الواحدۃ والثنتین فلیجعلھا واحدۃ و اذا شک فی الثنتین او الثلاث فلیجعلھا ثنتین واذا شک فی الثلاث والاربع فلیجعلھا ثلاثا حتی تکون الوھم فی الزیادۃ ثم یسجد سجدتین وھو جالس قبل ان یسلم ثم یسلم. اگر تم میں سے کوئی شخص یہ بھول جائے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں تو اگر وہ شک پہلی اور دوسری رکعت میں ہو تو اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ پہلی رکعت تسلیم کرے، اور اگر اس کو شک ہو دوسری اور تیسری رکعت میں تو وہ اس کو دوسری تسلیم کرے، اور اگر شک ہو تیسری اور چوتھی رکعت میں تو اس کو تیسری تسلیم کرے؛ تاکہ زیادتی میں وہم ہو جائے اور کم میں یقین ہو جائے، پھر تشہد میں بیٹھ کر سلام پھیرنے سے پہلے دو سجدے کرے اور سلام پھیر دے۔ (بخاری: ۶۲۲)

عہدِ صدیقی، عہدِ فاروقی اور عہدِ عثمانی؛ تینوں عہدوں میں آپ رضی اللہ عنہ کے متعلق افتا کی خدمت رہی۔ صحابہ رضی اللہ عنہم مسائل میں آپ رضی اللہ عنہ سے مشورہ لیتے تھے۔

(تذکرہ عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ ۵۲)

الغرض! حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کی ایک ایک ادا کو دیکھیے! ان کی زندگی کے ہر نشیب و فراز کو دیکھیے! مکی زندگی کے مظالم دیکھیے، بدر اور احد کی قربانی دیکھیے، میدان جہاد میں لڑتے دیکھیے، شہادت کے شوق فراواں کو دیکھیے، مسجد کی خلوتوں میں آنسو بہاتے دیکھیے، آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جان و مال نچھاور کرتے دیکھیے، ان کے معاملات اور لین دین کو دیکھیے، زمانۂ خلافتِ راشدہ میں آپ کا کردار دیکھیے!!!۔

اگر ہم چاہتے ہیں کہ: ہم بھی اللہ تعالیٰ کے پیارے بن جائیں، فرشتے ہماری مدد کے لیے اتریں، ہمارے گھروں میں رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں، ہمیں حوضِ کوثر کا پانی نصیب ہو، ہمیں آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو تو ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کی اتباع کریں، ان کی پیروی کریں، ان کے نقش قدم پر چلیں۔

وہ ابن عوف جو خوف وخشیت میں مثالی تھے
جو یکتائے زمانہ تھے کمالی تھے جمالی تھے
جو پختہ رائے تھے اور صلح جو تھے اور فاضل تھے
بڑے ہی نیک صالح متقی تھے مرد کامل تھے
امامت کا شرف دوبارہ ابن عوف رضی اللہ عنہ نے پایا
نبی نے جنتی ہونے کا بھی اعلان فرمایا
صحابہ کی جماعت میں وہ عالی شان انسان تھے
نبی کے لاڈلے رب کے دلارے عبد الرحمن تھے

سخاوت، جذبۂ ایثار میں یکتا یگانہ تھے	
حقیقت ہے کہ اپنے دور میں رشکِ زمانہ تھے	

مراجع ومصادر:

①بخاری ②فتح الباری③تحفۃ الالمعی ④ مسند عبدالرحمن بن عوف⑤سیرت ابن ہشام⑥سیرت احمد مجتبیٰ ⑦طبقات ابن سعد ⑧اسد الغابہ ⑨الریاض النضرۃ ⑩الجوہرۃ فی نسب النبی وأصحابہ العشرۃ ⑪تاریخ ابن کثیر ⑫تاریخ ابن خلدون ⑬ صورمن حیاۃ الصحابہ ⑭فضائل الصحابۃ⑮سیر الصحابۃ⑯حیاۃ الصحابہ ⑰تاریخ اسلام ⑱اصحاب رسول اور ان کے کارنامے ⑲ زندگیاں صحابہ کی ⑳جنگ بدر کے ۳۱۳ر مجاہد㉑سیرت عبدالرحمن بن عوف㉒تذکرۂ عبدالرحمن بن عوف۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ

از قلم: خلیل اٹالوی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمدلله رب العالمين، والصلاة والسلام علىٰ سيد المرسلين، وعلىٰ اٰله وأصحابه أجمعين.

قال مالک: عن يحيىٰ بن سعيد أنه سمع عبدالله بن عامر بن ربيعة قال: قالت عائشة: بات رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم أرقا ذات ليلة، ثم قال: ليت رجلا صالحا يحرسنى الليلة، قال فبينما نحن كذلک إذ سمعت صوت السلاح، فقال: من هذا؟ قال: أنا سعد بن أبي وقاص، جئت أحرسک يا رسول الله! فقالت: فنام رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم حتىٰ سمعت غطيطه. (أخرجاه في الصحيحين من حديث يحيىٰ بن سعيد: بخاری: ۲۸۸۵ـ مسلم ۱۸۷۵/۴)وفي رواية فدعالي رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ثم نام. (مسلم ۱۸۷۵)

باب اول

حیات وخدمات

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ مقدس جماعت ہیں جن کے بارے میں خود ربِّ کائنات نے اپنی لازوال کتاب یعنی قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ”رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ،اولئک حزب اللہ،الا ان حزب اللہ ھم المفلحون. (المجادله: ۲۲) ترجمہ: اللہ ان سے راضی ہوگیا ہے اور وہ اللہ سے راضی ہوگئے ہیں۔ یہ اللہ کا گروہ ہے۔ یادرکھو! کہ اللہ کا گروہ ہی فلاح پانے والا

ہے۔(آسان ترجمۂ قرآن:۱۱۵۷)صحابہ کرامؓ بارگاہِ نبوت کے تربیت یافتہ شگفتہ پھول تھے اوراسی پاکیزہ گروہ میں چند صحابہؓ ایسے بھی تھے جن کو اس جہانِ فانی ہی میں ابدی مسرت وخوشی کے پھولوں (جنت کی خوشخبری) سے نوازا گیا۔انہیں میں سے ایک جلیل القدراور عظیم المرتبت ہستی ''حضرت سعد بن ابی وقاصؓ'' ہیں۔

پیدائش: آپؓ کی ولادت ہجرت سے تیئیس سال قبل مکہ میں ہوئی۔

نام ونسب: آپؓ کا نام ''سعد'' اور کنیت ''ابواسحاق'' تھی۔آپؓ کے والدِ بزرگوار کا اسمِ گرامی ''مالک'' تھا؛مگر آپؓ ''ابووقاص'' کی کنیت سے معروف ومشہور ہوئے،آپ مشرف بہ اسلام ہوئے۔آپؓ کا نسب یہ ہے: سعد بن مالک بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ قرشی زہری۔گویا کلاب بن مرہ پر جا کر آپؓ کا نسب سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔والدہ کا نام ''حمنہ'' تھا جو سفیان بن امیہ کی بیٹی تھیں،والدہ کی طرف سے نسب نامہ یہ ہے: حمنہ بنت سفیان بن امیہ بن عبد شمس بن عبد مناف۔آپؓ رشتے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماموں تھے۔(الاصابہ فی تمیز الصحابہ بحوالہ اصحاب رسول اوران کے کارنامے:۳۹۲)

حلیہ: نہایت مضبوط اور مائل بہ فربہی جسم،گندمی رنگ،درازقد،کشادہ پیشانی،بڑا ماتھا،گھنگریالے بال،چپٹی ناک،ہاتھ کی انگلیاں نہایت مضبوط اور موٹی تھیں۔(حکمران صحابہ:۴۱۵۔صحابۂ کرام نمبر:۵۲)

قبولِ اسلام

ہر شخص بچپن کی حد درجہ پیار و محبت والی فضا میں پروان چڑھتا ہے، جوں جوں عہدِ شباب کی سرحدوں کو چھونے لگتا ہے تو ایک نیا موڑ اس کی زندگی میں آتا ہے، اسی طرح جب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے کھلتی جوانی کے پر کیف لمحات میں قدم رکھا تو زندگی کا رخ بدلا اور آپ رضی اللہ عنہ نے کفر و شرک کی گھٹا ٹوپ تاریکیوں سے دستبردار ہو کر نبیٔ آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے دینِ اسلام کا لبادہ اوڑھ لیا۔ آپ رضی اللہ عنہ خود اپنے قبولِ اسلام کا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ میرے قبولِ اسلام سے تین دن پہلے کی بات ہے، میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ تہ بہ تہ تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہوں اور ان تاریکیوں سے باہر آنے کے لیے موجوں میں ہاتھ پاؤں مار رہا ہوں، اچانک ایک چاند میرے سامنے نمودار ہوا، میں اس کی طرف چل پڑا، کیا دیکھتا ہوں کہ چند آدمی میرے آگے آگے اسی طرف جا رہے ہیں۔ میں نے دیکھا وہ زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔ میں نے ان سے پوچھا: آپ لوگ یہاں کب سے ہیں؟ انھوں نے جواب دیا: ہم ابھی آئے ہیں۔ جب صبح کو مجھے معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خفیہ طور پر اسلام کی دعوت و تبلیغ کا کام کر رہے ہیں تو میں سمجھ گیا کہ اللہ تعالیٰ میرے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرنا چاہتے ہیں، میں فوراً ان کی تلاش میں نکل پڑا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے ''جیاد'' کی گھاٹی میں ملے اور اسی وقت عصر کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تھے چنانچہ حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ کی دعوت پر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست حق پرست پر مسلمان ہو گیا، ان تین آدمیوں کے علاوہ جن کو میں نے خواب میں دیکھا تھا کوئی اور مجھ سے پہلے اسلام نہیں لایا تھا۔ اس وقت آپ رضی اللہ عنہ اپنی زندگی کی سترہ یا انیس بہاریں دیکھ چکے تھے۔ یہ وہ عمر ہے جس میں عموماً نوجوان سرمستی اور طغیانی کا شکار رہتے ہیں؛ مگر اس بندۂ خدا نے تمام تر راحت اور خوشحالی سے اپنے آپ کو چھڑا کر اسلام کے حوالے کر دیا۔ (صحابہ کے واقعات: ۱۰۰)

ابتلا و آزمائش کا دور

اُس وقت کفارِ مکہ مذہبِ اسلام کے حلقہ بگوشوں پر ظلم وتشدد کے پہاڑ توڑتے تھے؛ مگر ان کے عشقِ نبی سے سرشار اور محبتِ الٰہی سے لبریز دل کسی حال میں بھی اسلام سے دست بردار ہونے کو تیار نہ تھے۔ اس صورت حال سے حضرت سعد بن ابی وقاص کو بھی گذرنا پڑا، جیسے ہی آپ رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کی خبر آپ کی والدہ تک پہنچی تو شیرنی کے مانند بپھر گئی اور آگ بگولہ ہو کر کہنے لگی کہ: اے سعد! تو نے کونسا مذہب اختیار کر لیا ہے؟ تو اس کو چھوڑ دے اور اپنے آبا واجداد کی دیرینہ روِش پر آجا، جب تک تو اس مذہبِ اسلام کو نہیں چھوڑتا تب تک مجھ پر کھانا حرام؛ یہاں تک کہ اس غم میں مر جاؤں۔ آپ رضی اللہ عنہ اپنی والدہ سے بے انتہا محبت کرتے تھے، نہایت مطیع وفرماں بردار تھے، ایک طرف خون کا رشتہ تھا دوسری طرف اسلام کا رشتہ تھا، ہمیشہ کی طرح پھر یہی ہوا کہ اسلام کا رشتہ خونی رشتے پر غالب آگیا اور

کیوں نہ آتا کہ جس کے دل میں اسلام کی حقانیت اور سچائی آشکارا ہو جائے، بھلا وہ کہیں پلٹ بھی سکتا ہے؟ کچھ عرصہ آپ خاموش رہے، جب دیکھا کہ والدہ کسی حال میں ماننے کو تیار نہیں ہے تو ادب واحترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت استقلال واستقامت کے ساتھ دوٹوک جواب دے دیا کہ ''اے امی جان! آپ ایک جان کی بات کرتے ہیں، اگر آپ کی سو جانیں بھی ہوں اور وہ ایک ایک کر کے بدن سے علیحدگی اختیار کرنے لگے، پھر بھی میں اس اسلام سے دست بردار نہیں ہو سکتا۔ جب آپ کی والدہ نے یہ دوٹوک اور مضبوط جواب سنا تو آپ کو اپنی حالت پر چھوڑ دیا۔آپ کی اس عظیم قربانی پر قرآنِ کریم کی یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: ''وان جاھداک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما'' (لقمان:۱۵)

ترجمہ: اور اگر وہ تم پر زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ کسی کو (خدائی میں) شریک قرار دو جس کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں تو ان کی بات مت مانو۔ (آسان ترجمۂ قرآن: ۸۶۹) (مسلم بحوالہ حکمران صحابہ:۴۲۵۔صحابہؓ کے واقعات:۱۰۰)

شعبِ ابی طالب کی محصوری اور آپؓ کی قربانی

جب مسلمانوں کو شعب ابی طالب میں محصور کر لیا گیا تو اس زمانے میں مسلمانوں نے کیکر کے پتے کھا کر زندگی بسر کی، سخت مصائب جھیلے، فاقوں پر فاقے کیے۔ خود حضرت سعدؓ بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں بھوکا تھا، اتفاق سے ایک شب میرا پیر کسی تر چیز پر پڑا، فوراً زبان پر رکھ کر نگل گیا، اب تک معلوم نہیں

کہ وہ کیا شے تھی!

حضرت سعدؓ بن ابی وقاص اپنا ایک اور واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ: ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مکہ میں بڑی کٹھنائیوں اور پریشانیوں کے ساتھ زندگی گزاری، ہم نے صبر وتحمل کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا، یہاں تک کہ ان مصائب کو جھیلنے کی عادت ہوگئی۔ بائیکاٹ کے زمانے میں ایک مرتبہ جب میں رات کو پیشاب کرنے کے لیے جنگل میں گیا تو کھڑ کھڑاہٹ کی آواز سنی، بغور دیکھا تو وہ اونٹ کی کھال کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا تھا جس کو میں نے اٹھالیا، اس کے بعد اس کو دھویا اور جلایا، پھر دو پتھروں کے درمیان پیس کر سفوف سا بنالیا، پھر جب بھوک کی شدت برداشت سے باہر ہوجاتی تو اسی کو پھانک لیتا اور پانی پی لیا کرتا تھا، اسی حالت میں وہ کٹھن ایام گذر گئے۔ (حیاۃ الصحابہ:۱/ ۴۰۰، سیرۃ المصطفی:۱/ ۲۸۷)

ہجرت

جوں جوں اسلام کا دائرہ پھیلتا گیا توں توں مشرکین کا ظلم وستم بھی بڑھتا گیا تھا؛ یہاں تک کہ صبر کا پیمانہ چھلکنے لگا، بالآخر ہجرتِ مدینہ کا حکم نازل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ کو ہجرت کا حکم فرمایا، ایک ایک کرکے صحابہؓ ہجرت کرنے لگے۔اسی حکم کی تعمیل کرتے ہوئے آپؓ نے بھی مدینہ ہجرت فرمائی اور اپنے برادر عتبہ بن ابی وقاص ۔جنھوں نے ایام جاہلیت میں ایک خون کیا تھا اور انتقام کے خوف سے مکۂ مکرمہ سے بھاگ کر مدینہ میں سکونت اختیار کرلی تھی۔

کے مکان پر اقامت اختیار کی۔

سریۂ عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ اور تیر اندازی کا آغاز

یہاں پہنچ کر اطمینان کی سانس لی تھی کہ جاد کا حکم نازل ہوا، چناں چہ ہجرت کے آٹھ مہینے کے بعد ماہ شوال ۱ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین کے ساٹھ یا اسّی سواروں پر عبیدہ بن حارث رضی اللہ عنہ کو امیر بنا کر ''رابغ'' کی طرف روانہ فرمایا، اس سریے میں کوئی انصاری نہ تھا، وہاں پہنچ کر قریش کے دوسو سواروں کی جمعیت سے مڈبھیڑ ہوگئی؛ مگر لڑائی کی نوبت نہیں آئی۔ صرف سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے تیر چلائے۔ یہ پہلا تیر تھا جو اسلام میں چلایا گیا۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۲/ ۵۴)

آپ رضی اللہ عنہ کا بحیثیت امیر ہونا

پھر ہجرت کے نویں ماہ یعنی ماہ ذیقعدہ ۱ھ میں آٹھ یا بیس مہاجرین کی پاپیادہ جمعیت کو حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی سرکردگی میں ''خرار'' کی طرف روانہ فرمایا، (خرار جحفہ کے قریب ایک وادی ہے)۔ یہ لوگ دن کو چھپ جاتے اور رات کو چلتے، خرار پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش کا قافلہ نکل چکا ہے، یہ لوگ پھر مدینہ واپس لوٹ گئے۔ (سیرۃ المصطفیٰ ۲/ ۵۵)

غزوۂ بدر میں شرکت

معرکۂ بدر سے مستقل غزوات کی ابتدا ہوئی۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص

نے غزوۂ بدر میں غیر معمولی شجاعت وجان بازی کے جوہر دکھائے اور کفار کے سردار سعد بن عاص کو تہ تیغ کیا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اس کی ''ذوالکتیفہ'' نامی تلوار پسند آگئی تھی، اسے لیے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے، چونکہ اس وقت تقسیمِ غنیمت کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا، اس لیے ارشاد ہوا کہ جہاں سے اٹھائی ہے وہیں رکھ دو۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے برادر عزیر رضی اللہ عنہ اس جنگ میں شہید ہوئے تھے، کچھ تو ان کی مفارقت کا صدمہ اور کچھ تلوار نہ ملنے کا افسوس۔ غرض غمگین واپس لوٹے لیکن تھوڑی ہی دیر کے بعد سورۂ انفال نازل ہوئی جس میں مال غنیمت کے تعلق سے احکامات نازل ہوئے، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو قاصد کے ذریعے بلا کر تلوار لینے کی اجازت دے دی۔ (مسند۔۱/۱۸۰، ومسلم، مناقب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بحوالہ سیر الصحابہ ۲/۱۴۱)

غزوۂ احد میں حاضری

۳ھ میں غزوۂ احد پیش آیا۔ اس غزوہ میں بہ ظاہر ''جبل الرماۃ'' پر مقرر کردہ پچاس تیر اندازوں کی خطائے اجتہادی کے سبب مسلمانوں کی فتح شکست میں تبدیل ہوگئی، اچانک حملے کی وجہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاؤں اکھڑ گئے؛ لیکن چند جاں نثار صحابہ ایسے بھی تھے جو اس نازک وقت میں بھی ثابت قدم رہے اور مشرکین سے برابر لڑتے رہے؛ ان ہی میں آپ رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اس جنگ میں ہمت وجواں مردی کے قابلِ رشک جوہر دکھلائے۔

حبان بن عرفہ اور ابواسامہ جشمی کا قتل

دشمنوں میں سے دو قادر انداز مسلمانوں کو بہت تنگ کر رہے تھے۔ ان میں سے ایک حبان بن عرفہ اور دوسرا ابواسامہ جشمی تھا۔ حبان بن عرفہ نے ایک تیر مارا تو زخمیوں کو پانی پلاتی امّ ایمن رضی اللہ عنہا کے دامن پر لگا جس سے دامن پھٹا اور زانو کا کچھ حصہ برہنہ ہو گیا۔ کافر نے قہقہہ لگایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل پر اس کی ہنسی گراں گذری، مسلمانوں کے تیر انداز حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ وہیں کھڑے تھے، جن کا نشانہ بہت کم خطا کرتا تھا، ارشاد ہوا: اس پر تیر برساؤ اور اپنے ترکش سے تیر نکال کر انہیں دیے اور فرمایا: ''اے سعد! میرے ماں باپ تم پر قربان، تیر پر تیر چلائے جاؤ'' آخر میں ایک تیر بلا پیکان عطا فرمایا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کمان میں جوڑا اور حبان بن عرفہ کو نشانہ بنایا، پیکان سیدھا ہنسلی کے حلقہ پر جا لگا جس سے وہ پشت کے بل پیچھے کی طرف گرا تو اس کا ستر کھل گیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایسا ہنستے ہوئے دیکھا کہ سامنے کے دانت نظر آنے لگے۔ فرمایا: تم نے امّ ایمن کا بدلہ لے لیا۔ اتنے میں دیکھا کہ حبان بن عرفہ کے ساتھ مالک بن زبیر بھی چٹانوں کی آڑ سے تیر برسا رہا ہے، اس کا صرف سر نظر آ رہا تھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دعا کی، پھر تیر کمان میں جوڑا اور سر کا نشانہ لگایا، تیر سیدھا آنکھ میں لگا اور مغز کو چھیدتا ہوا نکل گیا، وہ تڑپ کر اچھلا اور گر کر ایڑیاں رگڑنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوش ہو کر فرمایا: ''اے اللہ!

سعد کی دعا قبول فرما"۔اس دعا کی برکت سے آپ مستجاب الدعوات بن گئے اوراس کے بعد آپ کی ہر دعا قبول ہوتی تھی۔(سیرت احمد مجتبیٰ ۲/۳۱۱)

غزوۂ خندق

جنگ احد کے دوسال کے بعد غزوۂ خندق پیش آیا،اس میں بھی آپ فداکارانہ شریک تھے،اس جنگ میں آپ نے ایک چالاک کافر کو عجیب طریقے سے ہدف بنایا۔حضرت سعدؓ بیان فرماتے ہیں: جب خندق کی جنگ ہوئی تو (ایک کافر شہسوار اپنے گھوڑے کو مہمیز کر کے خندق عبور کر کے آگے بڑھتا ہوا آیا۔وہ جب قریب ہو کر تیر کی زد میں آگیا، میں نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکال کر کمان میں جوڑا، وہ یہ دیکھ کر ٹھہر گیا (سر پر خود اور جسم پر دوہری زرہ سے محفوظ تھا؛اس لیے) وہ اپنی ڈھال کو ناک کے اوپر نیچے کرتا رہا اور جیسے ہی اس نے یہ حرکت بند کی۔میں نے کمان پر چڑھا ہوا تیر تاک کر اس کو مارا جو سیدھے اس کی آنکھ پر جالگا، وہ گھوڑے سے گر گیا اور تڑپنے لگا۔یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بے ساختہ ہنس پڑے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندانِ مبارک ظاہر ہوگئے۔میں نے پوچھا: سرکار کس وجہ سے ہنسے؟ ارشاد ہوا: اس شخص کی حرکت پر۔اسی طرح آپؓ نے اکثر غزوہ میں نہایت جاں نثاری کے ساتھ دشمنوں کا مقابلہ کیا۔(اصحابِ رسول اوران کے کارنامے:۴۰۸)

حجۃ الوداع میں آپ کی علالت

۱۰ھ میں حجۃ الوداع ہوا، ۲۵/ذی قعدہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حج کے لیے

روانہ ہوئے؛ مگر حضرت سعدؓ ان دنوں سخت علیل تھے اور اس خاص حج میں محرومی سے دل شکستہ تھے، آپؓ کو خیال آیا کہ میری حالت زیادہ خراب ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ وفات پا جاؤں؟ اللہ اور اس کے دین کے لیے چھوڑے ہوئے شہر میں واپس پہنچ کر مرنا اچھا نہیں ہے، آپ کو یاد آ گیا کہ حضرت سعدؓ بن خولہ کی مکہ میں وفات ہونے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اظہارِ افسوس فرمایا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس غم واندوہ اور جذباتی کشمکش سے حضرت سعدؓ کو نکال لیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپؓ کی عیادت کے لیے آیا کرتے تھے، ایک روز حسبِ سابق از راہِ شفقت رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور آپ کو شفا اور زندگی کی بشارت دی۔

(اصحاب رسول اور ان کے کارنامے:۴۰۹)

وفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور عہدِ صدیقی

مکہ سے واپسی ہوئی تو چند دنوں کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دارِ فانی سے دارِ بقا کو سدھار گئے اور خلافت کا مسئلہ چھڑ گیا، چنانچہ بالاتفاق صاحبِ غار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انتخاب عمل میں آیا اور آپؓ خلیفہ مقرر ہوئے۔ تمام مسلمانوں کی طرح حضرت سعدؓ نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور ہر موڑ پر گراں قدر تعاون فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صرف سوا دو برس کی خلافت کے بعد داعئ اجل کو لبیک کہا۔ (سیر الصحابہ ۲/ ۱۴۴)

دورِ فاروقی میں آپ کا کردار

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ فاروق مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو ایران میں اضطراب کی لہر دوڑ گئی اور عظیم جرنیل صحابیٔ رسول حضرت مثنیٰ بن حارثہ رضی اللہ عنہ نے ایران کی تازہ ترین صورتِ حال سے آگاہ کیا اور آپ رضی اللہ عنہ کو خط لکھا کہ یزدگرد سوم ایران میں ابھی ابھی تخت نشین ہوا ہے، نوعمر اور تجربات سے تہی دامن ہے، یہی موقع ہے اسے اسلامی ریاست میں شامل کرنے کا۔ (حکمران صحابہ: ۴۳۴)

۱۵ھ میں امیر المؤمنین سرزمینِ شام کی جانب سے مطمئن ہو چکے تھے؛ لہٰذا انہوں نے خیال کیا کہ اب عراق وایران کو فتح کرنے کی بھرپور کوشش کی جائے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ایران کے لیے مزید اسلامی لشکر تیار کروایا اور جب یہ لشکر تیار ہو گیا تو آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنی جگہ نائب مقرر کر کے خود شریک ہونے لگے، اس موقع سے بعض صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آپ کا مرکز چھوڑ کر جانا مناسب نہیں، کسی کامل اور ماہر عظیم مجاہد کو یہ سپہ سالاری سپرد کر دیں، اس پر آپ رضی اللہ عنہ نے خاموشی اختیار کر لی اور منبر پر چڑھ کر لوگوں سے خطاب کیا، فرمایا: لوگو! میں تمہارے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو چکا تھا؛ مگر بعض اہلِ دانش نے میرا رخ پھیر دیا اور کہا کہ کسی تجربہ کار، جواں مرد مجاہد کو قائد بنا کر بھیجا جائے۔ چونکہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی شجاعت وہمت، بلند حوصلگی وجواں مردی سے سب واقف تھے، اسی لیے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو سپہ سالار بنایا جائے، اس رائے کو سبھی لوگوں

نے پسند کیا، پھر بالاتفاق آپ کو سپہ سالار منتخب کرلیا گیا اور امیر المومنین نے آپ رضی اللہ عنہ کو قائد بنا کر رخصت فرمایا۔ آپ لشکر کو لے کر منزلیں طے کرتے ہوئے عراق کے دروازے قادسیہ تک ۱۵ھ کو پہنچ گئے، یہاں ایرانی لوگ اپنا دفاع کرنے کے لیے مشہور جرنیل ''رستم'' کی قیادت میں پڑاو ڈالے ہوئے تھے، ان کی تعداد تقریباً تیس ہزار تھی اور مسلمانوں کی فوج صرف اور صرف آٹھ ہزار پر مشتمل تھی۔

پہلے دونوں طرف سے تبادلۂ خیال شروع ہوا۔ مسلمانوں کی جانب سے ''ربعی بن عامر'' سفیر تھے، رستم نے بڑے تکلف اور شان وتجمل کے ساتھ دربار آراستہ کیا، سونے کا تخت رکھوایا اور اس کے چاروں طرف دیبا وحریر اور رومی قالینوں کے فرش جس کے تکیوں اور شامیانوں کی جھالریں سچے موتیوں کی تھیں، بچھوائے۔ غرض حضرت ربعی بن عامر اس شان وشوکت والے دربار میں داخل ہوئے اور گھوڑے کو ایک گاؤ تکیے کے سے جولبِ فرش پڑا ہوا تھا باندھ کر نیزے کی انی ٹیکتے ہوئے اور اس فرش کو سوراخ دار بناتے ہوئے تخت کی طرف بے نیازی سے بڑھے اور رستم کے برابر جا بیٹھے، لوگوں نے ربعی کو تخت سے نیچے اتارنا اور ان کے ہتھیاروں کو الگ کرنا چاہا تو حضرت ربعی نے جواب دیا کہ میں تمہارے بلانے پر یہاں آیا ہوں، خود اپنی کوئی استدعا لے کر نہیں آیا، ہمارے مذہب میں اس کی سخت ممانعت ہے کہ ایک شخص معبود بن کر بیٹھے اور باقی آدمی بندوں کی طرح ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑے ہوں۔ (تاریخِ اسلام ۱/ ۲۸۴)

علامہ بلاذری ''فتوح البلدان'' میں رقم طراز ہیں کہ: پھر رستم نے حضرت سعدؓ سے کہا کہ کسی مناسب نمائندہ کو بھیجیں تو آپؓ نے مغیرہؓ بن شعبہ کو بھیجا، وہ وہاں جاکر رستم کے تخت پر بیٹھنے لگے تو اس کے درباریوں نے روک دیا۔ دورانِ گفتگو رستم نے کہا: ''مجھے معلوم ہوا ہے غربت وافلاس نے تمہیں یہاں آنے پر ابھارا ہے، ہم تمہیں اتنا مال ودولت دیں گے کہ تم سیر ہوجاؤ گے اور تمہیں محبوب وپسندیدہ اشیا دے کر واپس لوٹائیں گے۔ حضرت مغیرہؓ بن شعبہ نے کہا: اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس ایک نبی بھیجا، ہم نے ان کا حکم مانا اور ان کی اتباع اختیار کرنے کی سعادت حاصل کی، ہمیں ہر اس قوم کے خلاف جہاد کرنے کا حکم دیا گیا جس نے ہمارے دین کی مخالفت کی؛ یہاں تک کہ وہ ذلیل وخوار ہوکر جزیہ دینے پر مجبور جائیں، ہم تم کو اللہ کی عبادت کرنے اور اس کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں، اگر تم اسے قبول کرلو تو بہتر ہے؛ ورنہ تلوار ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ رستم نے جواب دیا کہ: کل صبح طلوع آفتاب ہوتے ہی تمھیں تباہ وبرباد کردیں گے۔ حضرت مغیرہؓ نے لا حول ولا قوة الا بالله کہا اور واپس اپنے لشکر کی طرف گئے۔ پھر دونوں لشکر کے درمیان زوردار اور گھمسان جنگ ہوئی۔ جسے ''جنگِ قادسیہ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

علامہ یاقوت حموی اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''معجم البلدان'' میں تحریر کرتے ہیں کہ ''قادسیہ'' عراق کی ایک بستی کا نام ہے، یہاں لشکرِ اسلام اور لشکرِ ایران کے

درمیان ٹکراؤ ہوا تھا۔ لشکرِ اسلام کے سر براہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے؛ مگر آپ کے بدن میں پھوڑے اور پاؤں میں آبلے ہونے کی وجہ سے اپنی جگہ سالار ''خالد بن عرفطہ'' کو نامزد کیا اور خود ایک بالائی حصہ پر بیٹھ کر مسلسل ہدایات دیتے رہے اور یہ جنگ تقریباً چار دن تک چلی، پھر لشکرِ اسلام کو شاندار فتح حاصل ہوئی، ایرانی فوج کا جرنیل رستم بھی اسی جنگ میں مارا گیا اور بہت سے ایرانی فوجی میدان کارزار میں موت کے گھاٹ اتار دیے گئے اور جو باقی بچے وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے۔

جنگِ قادسیہ سے فتح یاب ہونے کے بعد آپ رضی اللہ عنہ لشکر کو لے کر مدائن کی طرف بڑھے، راستہ میں دریائے دجلہ حائل تھا، ایرانیوں نے مسلمانوں کے خوف سے جہاں جہاں پل تھے سب توڑ کر بیکار کر دیے اور کشتیاں بھی غائب کر دیں؛ لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی اولوالعزمی کے آگے دنیا کی کون سی چیز حائل ہو سکتی تھی!۔

انہوں نے اہلِ اسلام سے مخاطب ہو کر کہا: ''برادرانِ اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دامن میں پناہ لی ہے۔ آؤ! اس کو بھی تیر جائیں تو پھر مطلع صاف ہے۔ یہ کہہ کر چند رُفقا کے ہمراہ گھوڑا دریا میں ڈال دیا، سپہ سالارِ اعظم اور ان کے رفقا کی جاں بازی دیکھ کر تمام فوج نے بھی جوش کے ساتھ گھوڑے ڈال دیے اور باہم باتیں کرتے ہوئے دوسرے کنارے پر جا پہنچے۔ ایرانی اس عجیب وغریب جوش واستقلال کا منظر دیکھ کر ''دیواں آمدند'' کہتے ہوئے بھاگے؛ تاہم سپہ سالار تھوڑی سی فوج کے ساتھ جما رہا اور دریا سے نکلنے پر مزاحم ہوا؛ لیکن

مسلمانوں نے ان کو کاٹ کر ڈھیر کر دیا اور شاہِ ایران یزدگرد اپنے شاہی محل کو حسرت کی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مدائن سے حلوان کی جانب فرار ہو گیا۔ مسلمانوں نے یہاں پہنچ کر شاہی محلات پر قبضہ کر لیا اور آپ نے یزدگرد شاہِ ایران کے محل کے تخت کو منبر بنا دیا اور جمعہ کا خطبہ دیا، چند دن گذرنے کے بعد مال کو جمع کرنے کا حکم دیا اور بدستور پانچواں حصہ دار الخلافہ مدینہ پہنچایا گیا، باقی تمام مال مجاہدین میں تقسیم کر لیا گیا۔ اس طرح حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو سرزمینِ ''ایران'' کے فتح کرنے کا اعزاز حاصل ہوا۔ (حکمران صحابہ: ۷۴۳ تا ۷۴۲۔ سیر الصحابہ ۱۳۵/۲)

حضرت جابر بن سمرہ تحریر کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ اہلِ کوفہ نے خلیفۂ ثانی حضرت عمر فاروقؓ سے اپنے گورنر حضرت سعدؓ بن ابی وقاصؓ کے متعلق شکایت کی کہ ہمارے گورنر صحیح طور پر نماز نہیں پڑھاتے، ظاہر ہے کہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص جیسے عالی مرتبت و بلند پایہ صحابیؓ کی نسبت یہ شکایت کس قدر مہمل تھی، حضرت عمرؓ کو بھی اس کے لغو ہونے کا یقین تھا؛ تاہم رفعِ حجت کے خیال سے حضرت محمد بن مسلمہؓ سے تحقیقات کروائی تو ہر شخص کو تعریف اور مدح سرائی کے نغمے گنگناتے ہوئے پایا۔ حضرت محمد بن مسلمہؓ تحقیقات سے فارغ ہو کر دونوں فریقوں کو ساتھ لیے ہوئے مدینہ پہنچے۔ حضرت عمرؓ نے دیکھتے ہی پوچھا ''سعد! تم کیسی نماز پڑھاتے ہو کہ لوگ شکایت کرتے ہیں؟'' انہوں نے جواب دیا کہ: پہلی دو رکعتوں میں لمبی سورتیں پڑھتا ہوں اور آخری دو رکعت میں فاتحہ پر اکتفا کرتا

ہوں، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بے شک تمہاری نسبت یہی گمان ہوسکتا ہے۔ گو الزام بے بنیاد ثابت ہوا؛ تاہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس خیال سے کہ ایک جماعت مخالفت پر آمادہ ہوگئی تھی، ان کو اس عہدہ سے سبکدوش کردینا ہی مناسب سمجھا۔ چنانچہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو الگ کردیا۔ آپ رضی اللہ عنہ کو اپنے اوپر اس بیہودہ الزام کے لگنے کا نہایت افسوس تھا، فرمایا کرتے تھے کہ میں عرب میں سب سے پہلا شخص ہوں جس نے راہِ خدا میں تیر اندازی کی؛ لیکن خدا کی شان آج یہ بنو اسد پیدا ہوئے ہیں جو خود مجھے مذہب سکھاتے ہیں کہ میں نماز اچھی نہیں پڑھاتا۔ بہر حال آپ رضی اللہ عنہ نے بسر و چشم امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکم مان لیا۔ (سیر الصحابہ ۲/ ۱۵۷)

دورِ عثمانی اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی گوشہ نشینی

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مجوسی کے ہاتھوں شدید زخمی ہوئے اور حالت نزع میں لوگوں نے خلیفہ نامزد کرنے کی ترغیب دی تو آپ نے چھ نام پیش کیے، جن میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا نام بھی تھا۔ اور یہ وصیت بھی کی کہ اگر حضرت سعد رضی اللہ عنہ منتخب نہ ہوسکے تو چاہیے کہ خلیفۂ وقت ان کی خدمت سے فائدہ اٹھائیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے، چناں چہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو دوبارہ کوفہ کا والی مقرر کیا؛ لیکن تقرر کے تین سال کے بعد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ بن مسعود سے بیت المال کے متعلق اختلاف پیدا ہوجانے کی وجہ سے معزول کردیے گئے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے معزول ہونے کے بعد مدینے میں عزلت نشینی اختیار کرلی، یہاں تک کہ جب

خلیفۂ ثالث کے آخری عہدِ حکومت میں فتنہ وفساد کا بازار گرم ہوا تو یہ ہنگامہ بھی ان کی گوشہ گیری میں مخل نہ ہوا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کی؛ لیکن معاملات ملکی سے بے تعلق رہنے کی روش پر اب بھی بہ دستور قائم رہے۔ (سیر الصحابہ ۲/ ۱۵۸)

آخری لمحات اور وفات

ایران کی فتح کے بعد حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے دس میل کے فاصلے پر مقام ''عقیق'' میں اپنے لیے ایک قصر تعمیر کرایا تھا، چنانچہ عزلت نشینی کی پوری زندگی اسی میں بسر کی۔ موت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے جس کا ہر کسی کو اعتراف ہے، ایک دن فاتح ایران حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص کو بھی آنی تھی۔ چنانچہ اخیر عمر میں قویٰ مضمحل ہو گئے اور آنکھوں کی بصارت بھی جاتی رہی؛ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت ۵۵ھ میں طائرِ روح نے باغِ رضوان کے اشتیاق میں ہمیشہ کے لیے اس قفس کو عنصری کو خیر باد کہا۔ جنازہ مدینہ لایا گیا مروان بن الحکم نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

آپ رضی اللہ عنہ کے فرزندِ ارجمند نے آخری لمحات کی روئیداد کچھ اس طرح بیان کی کہ: میرے ابا جان کا سر میری گود میں تھا، میں یہ منظر دیکھ کر رونے لگا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں روتے ہو، مطمئن رہو! اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں ضرور داخل کرے گا؛ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے میں نے بذات خود اپنے جنتی

ہونے کی بشارت سنی ہے، بھلا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ رسالت سے نکلے الفاظ بھی غلط ہو سکتے ہیں؟ پھر آپ نے الماری کی طرف اشارہ کیا، اسے کھولا گیا، اس میں ایک چادر پڑی ہوئی تھی، اسے نکالا گیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: غزوۂ بدر میں یہ چادر میرے بدن پر تھی، میں نے اسے بہت سنبھال کر رکھا ہے، مجھے اس کا کفن پہنایا جائے، بوسیدہ ہے تو کیا ہوا؟ میری دلی خواہش ہے کہ یہ بابرکت اور تاریخی چادر میرے ساتھ قبر میں جائے۔ یہ کہا اور پاکیزہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ (حکمران صحابہ: ۴۴۳) مہاجرین بدریین اور عشرۂ مبشرہ میں سے سب سے آخر میں وفات ہوئی۔ (اسد الغابہ ۲/ ۹۰۸۔ اسماء الرجال مشکوۃ ص: ۵۹۶ بحوالہ ندائے شاہی دسمبر ۲۰۱۱ء)

ازواج واولاد

ازواج:

آپ نے مختلف ادوار میں متعدد شادیاں فرمائیں اور ان سے اولاد بھی ہوئی، ذیل میں مختصراً اس کو ملاحظہ فرمائیں:

① بنت الشہاب ② بنت قیس بن معدیکرب ③ ام عامر بنت عمرو ④ زبد ⑤ ام بلال بنت ربیع ⑥ ام حکیم بنت فارظ ⑦ سلمہ بنت حفص ⑧ ظبیہ بنت عامر ⑨ ام حجر۔

اولاد:

لڑکے: ① اسحاق اکبر ② عمر ③ محمد ④ عامر ⑤ اسحاق اصغر ⑥ اسماعیل ⑦ محمد ابراہیم ⑧ موسیٰ ⑨ عبداللہ ⑩ عبداللہ اصغر ⑪ عبدالرحمٰن ⑫ عمیر اکبر ⑬ عمیر اصغر ⑭

عمرو⑮عمران⑯صالح⑰عثمان

لڑکیاں:①ام حکیم کبری②حفصہ ③ام القسم ④کلثوم ⑤ام عمران⑥ام الحکیم صغری⑦ام عمرو⑧ہند⑨ام الزبیر⑩ام موسیٰ⑪حمنہ ⑫ام عمر⑬ام ایوب⑭ام اسحٰق⑮ملہ⑯عمرہ⑰عائشہ۔ (سیر الصحابہ ۲/ ۱۶۳)

مرویات

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا علمی رتبہ نہایت ارفع اعلیٰ تھا،آپ رضی اللہ عنہ سے دوسوستر احادیث مروی ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ سے عائشہ صدیقہ،عبد اللہ بن عمر،عبداللہ بن عباس، جابر بن سمرہ، سائب بن یزید،مصعب بن عمیر،قیس بن ابی حازم،سعید بن مسیب،عمرو بن میمون، احنف بن قیس،علقمہ بن قیس، ابراہیم بن عبد الرحمٰن بن عوف، مجاہد، شریح بن عبید، بشر بن سعید،عروہ بن زبیر،راشد بن سعید،زید بن اسلم،مکحول ابوعباس اورآپ کی اولادیعنی عامر،محمدابراہیم اور عائشہ بنت سعدرحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے روایات نقل کی ہیں۔(محض الخلاص بحوالہ حکمران صحابہ: ۴۲۲)

دوسرا باب

اوصاف وکمالات اورفضائل ومناقب

آپ رضی اللہ عنہ کوجنتی ہونے کی بشارت

تمام صحابۂ کرام دینِ اسلام کی ترقی کے لیے جان توڑ محنت کرتے تھے،

چاہے جان ہو یا مال؛ سب کچھ قربان کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہتے تھے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تمام صحابۂ کرام کو "رضی اللّٰه عنهم ورضوا عنه" کا مژدہ سنایا۔ امام احمدؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اول من یدخل من هذا الباب رجل من اهل الجنة۔ فدخل سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص۔ ترجمہ: جو شخص اس دروازے سے سب سے پہلا داخل ہوگا وہ جنتی ہوگا۔ پس حضرت سعد بن ابی وقاصؓ داخل ہوئے۔

میرے ماں باپ آپ پر قربان

آپؓ نے غزوۂ احد میں فدائیت اور جاں بازی کے حیرت انگیز کارنامے انجام دیے جس کا ذکر پہلے باب میں گذر چکا۔ خود حضرت سعدؓ بن وقاص فرماتے ہیں کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے اثنائے جنگ تیر عنایت کر کے فرماتے: ارم یا سعد! فداک امی وابی۔ تیر چلاؤ اے سعد! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو۔ پھر آپؓ نے کہا کہ یہ خصوصیت صرف مجھے حاصل ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ "میرے ماں باپ آپ پر قربان ہو۔ (الاصابہ ۳/۲۶ بحوالہ حکمران صحابہ: ۴۲۲)

آپؓ پر بہتان باندھنے والے کا سخت انجام

جب اہلِ کوفہ نے حضرت سعدؓ کے متعلق امیر المومنین حضرت عمر فاروقؓ سے شکایت کی تو حضرت عمرؓ نے تحقیق کے لیے ایک جماعت کوفہ بھیجی۔ تمام لوگوں

نے آپ رضی اللہ عنہ کی تعریف کی؛ مگر اسامہ بن قتادہ نامی شخص ۔جس کی کنیت ابوسعدہ تھی۔ نے آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں دل خراش گفتگو کی کہ آپ رضی اللہ عنہ انصاف سے فیصلہ نہیں کرتے، نماز صحیح نہیں پڑھاتے اور خود جنگ میں شریک نہیں ہوتے۔ جب یہ تمام گفتگو آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوئی تو بہت صدمہ پہنچا اور آپ کی زبانِ مستجاب سے نکلا ''الٰہی! اگر یہ جھوٹا ہے تو اس کو اندھا کردے، عمر دراز کردے اور اسے فتنہ میں مبتلا کر''، پس کیسے رد ہوسکتی تھی آپ رضی اللہ عنہ کی بددعا!۔ مالک بن عمیر فرماتے ہیں کہ: میں نے اسے بذاتِ خود کوفہ کی گلیوں میں اندھا دربدر بھٹکتے پھرتے دیکھا، راہ چلتی عفت مآب دوشیزاؤں کو چھیڑتے رہتا، مدتوں اسی طرح ذلت کی زندگی بسر کرتا رہا۔ جب کبھی اسے پوچھا جاتا کہ تیری یہ حالت کیونکر ہوئی تو وہ کہتا کہ: یقیناً مجھے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا نے برباد کردیا۔ (بخاری، مسلم، نسائی بحوالہ حکمران صحابہ: ۴۲۶)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توجہات اور دعائیں

۱۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی طبیعت روز بروز پیچیدہ ہوتی جارہی تھی، آپ رضی اللہ عنہ کو مدینۂ منورہ سے بے حد محبت تھی، آپ رضی اللہ عنہ کا دل چاہتا تھا کہ وہیں موت آئے، اسی وجہ سے بہت مضطرب رہتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو بے چین دیکھا تو سینہ پر ہاتھ رکھ کر تین مرتبہ یہ دعا دی: الٰہی! سعد کو شفا عطا فرما۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے یہ الفاظ آپ کے لیے آبِ حیات ثابت ہوئے، آپ رضی اللہ عنہ تندرست ہوگئے اور صحت یاب ہوکر دوسری شادی بھی کی، جن

سے کئی لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں اور اسلام کے پرچم کو بلند کرنے کے لیے کارہائے نمایاں انجام دیے، جس کا ذکر پہلے باب میں گذر چکا۔ (حکمران صحابہ: ۴۳۳)

۲۔ حضرت عائشہ بنت سعد رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ: میرے والد صاحب نے مجھے یہ بات سنائی کہ ایک مرتبہ مکۂ معظّمہ میں مجھے بہت تیز بخار آیا اور اسی وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بغرض تیمارداری میرے پاس تشریف لائے اور میرے سینہ اور پیٹ پر ہاتھ پھیر کر یہ دعا دی: اللھم اشف سعدا: الٰہی! سعد کو شفا عطا فرما۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ پھیرا تو ایسی ٹھنڈک وراحت محسوس ہوئی کہ میرا گمان ہے کہ یہ ٹھنڈک قیامت تک محسوس ہوتی رہے گی۔

(صحیح بخاری بحوالہ حکمران صحابہ: ۴۲۶)

یہ میرے ''ماموں'' ہیں

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے تو دیکھا کہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تشریف لا رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انھیں آتا دیکھ کر ہم پاس بیٹھے ہوئے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا: ھذا خالی، فلیرانی امرءٌ خالہ۔ یہ میرے ماموں ہیں کوئی ان جیسا اپنا ماموں دکھلائے۔ (ترمذی، مناقب ابی اسحاق ابن ابی وقاص رضی اللہ عنہ ۲/ ۲۱۶)

راہِ خدا میں خرچ کی تڑپ

آج کل لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے سے دل چراتے ہیں اور یہ

خیال کرتے ہیں کہ یہ مال تو ہم نے کمایا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کو فاسد کر دور کرتے ہوئے قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے ارشاد فرمایا: مَا عِنْدَ كُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ. (النحل: ۹۲) ترجمہ: جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ سب ختم ہو جائے گا، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہنے والا ہے۔ (آسان ترجمۂ قرآن ۵۹۳) اس آیت کی حقیقت کسی پر مخفی نہیں۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بڑی دولت وجائداد کے مالک تھے اور حجۃ الوداع کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ آئے تھے، یہاں پہنچ کر بیمار ہو گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا دی۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں بڑی جائداد کا مالک ہوں اور میرے پاس صرف ایک ہی بیٹی ہے جو اس کی وارث بنے گی تو میں یہ سب مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ بہت زیادہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: آدھا دے دوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: یہ بھی زیادہ ہے۔ پھر آپ رضی اللہ عنہ نے کہا: تیسرا حصہ دینا چاہتا ہوں، فرمایا: یہ کافی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے سعد! ورثہ کو مالدار بنا کر رخصت ہونا زیادہ بہتر ہے؛ کیونکہ اگر تم ورثا کو کنگال کر دو گے تو پھر وہ سوال کرنے پر مجبور ہو جائیں گے؛ اس لیے تیسرا حصہ اللہ کے راستہ میں خرچ کرو اور یہ جو کچھ تم راہِ خدا میں قربان کرو گے خدا تعالیٰ کے پاس اس کا اجر وثواب ضرور پاؤ گے۔

(صحابۂ کرام نمبر: ۳٦، ۳۷)

عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جھلک اور پہرہ داری

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آپ رضی اللہ عنہ کے عشق و محبت اور جاں نثاری کا اندازہ اس سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ عام طور پر سفر میں بخوشی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خیمے کے ارد گرد رات بھر چکر لگاتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی غزوہ سے تشریف لا رہے تھے کہ رات کے وقت کسی جگہ قیام ہوا، وہاں دشمنوں کا سخت خطرہ تھا، اسی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات دیر تک بیدار رہے اور فرمانے لگے کہ کاش! میرے اصحاب میں سے کوئی مردِ صالح اور باہمت پہرہ دیتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ ابھی یہ جملہ ختم بھی نہ ہوا تھا کہ اسلحہ کی جھنکار سنائی دی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت کیا: کون؟ عرض کیا: سعد بن ابی وقاص، ارشاد ہوا: کیسے آئے ہو؟ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: دل میں خیال گذرا کہ آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کرنی چاہیے؛ اسی غرض سے حاضر ہوا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے اور دعائیں دیں۔

(صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نمبر:۵۱)

بہادری اور شجاعت

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اپنے چند رفقا کے ساتھ ایک گمنام جگہ بندگیٔ الٰہی میں مصروف تھے کہ یکا یک قریشِ مکہ کے چند اوباش نوجوان اس طرف آنکلے۔ جب انہوں نے آپ اور آپ کے ساتھیوں کو مصروف عبادت دیکھا تو دین کا مذاق و استہزا کرنا شروع کر دیا۔ دوسرے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یہ سن کر بہت مضطرب

ہورہے تھے؛ مگر آپؓ سے رہا نہ گیا، پاس پڑی ہوئی ہڈی اٹھا کر دے ماری جو سیدھے ایک شخص کے سر پر لگی، سر سے خون کا فوارہ اڑا، دوسرے اوباشوں نے جب یہ دیکھا تو بھاگ کھڑے ہوئے، یہ حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کی طرف سے اسلام کی حمیت میں پہلا جرأت مندانہ اقدام تھا جو دشمنوں کو مرعوب کرنے کے لیے بے انتہا مؤثر ثابت ہوا۔ (الاصابہ ۳/ ۶۲۔صحابہ کرامؓ نمبر ۳۴)

آپؓ کی نظرِ دوربیں

بینائی قدرتِ خداوندی کی طرف سے عنایت کردہ ایک قیمتی جو ہر ہے۔حضرت سعدؓ کی قوتِ بصارت وبصیرت دونوں حد درجہ تیز تھیں۔ایک دن آپؓ نے کسی چیز کو دیکھا تو حاضرین سے دریافت کیا کہ کیا تمہیں کوئی چیز نظر آرہی ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ شاید کوئی پرندہ فضا میں گشت کررہا ہے، آپؓ نے جواب دیا کہ میں کسی شخص کو گھوڑے پر سوار دیکھ رہا ہوں۔اس کے بعد آپؓ مشغول ہوگئے، تھوڑا ہی وقفہ گذرا تھا کہ آپؓ کے چچا اونٹنی پر سوار تشریف لائے۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آپؓ کی نظر کتنی دور بیں تھیں۔ (الاصابہ ۳/ ۶۳)

آپؓ کا زہد

عامر بن سعدؓ سے روایت نقل کی جاتی ہے کہ ایک مرتبہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بکریاں چرارہے تھے کہ عمر بن سعد (جو عامر بن سعد کے بھائی تھے) نے انہیں جنگل میں اس حال میں دیکھا تو کہنے لگے کہ ابا جان! آپ یہاں بکریاں

چرا رہے ہیں، جب کہ مدنی لوگ حکمرانی کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ حضرت سعدؓ نے بیٹے کی بات سن کر سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے ارشاد فرمایا: بیٹے خاموش رہو، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ مبارک سے یہ کلمات سنے ہیں "ان اللّٰہ عز وجل یحب العبد التقی الغنی الخفی" بلاشبہ اللہ تبارک وتعالیٰ نیک، تونگر اور گوشہ نشیں کو پسند کرتا ہے۔ (صحیح مسلم، مستدرک حاکم، حلیۃ الاولیاء، بحوالہ حکمران صحابہ: ۴۲۴)

خوف وخشیت کا واقعہ

جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: الَّذِينَ اٰمَنُوا وَلَمۡ يَلۡبِسُوا إِيمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ أُولَئِكَ لَهُمُ الۡأَمۡنُ وَهُمۡ مُهۡتَدُونَ. (انعام: ۸۲) ترجمہ: "(حقیقت تو یہ ہے کہ) جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی آنے نہیں دیا، امن اور چین تو بس انہیں کا حق ہے، اور وہی ہیں جو صحیح راستہ پر پہنچ چکے ہیں۔ (آسان ترجمۂ قرآن: ۲۹۶)

اس فقرہ "انہوں نے اپنے ایمان کے ساتھ کسی ظلم کا شائبہ بھی نہیں آنے دیا" سے صحابہؓ میں سے کچھ لوگ اس غلط فہمی میں پڑ گئے کہ ہو نہ ہو اس ظلم سے مراد معصیت ہے۔ وہ پریشان ہو گئے، ان اصحاب میں حضرت سعدؓ بھی تھے، چنانچہ گھبرا کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا "اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نے کوئی ظلم نہیں کیا؟ اس پر یہ آیتِ کریمہ نازل ہوئی: "إِنَّ الشِّرۡكَ لَظُلۡمٌ عَظِيمٌ" (لقمان: ۱۳) ترجمہ: یقین جانو

شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔ (آسان ترجمۂ قرآن:۸۶۷) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن نے خود وضاحت فرمادی ہے کہ ظلم سے ''شرک'' مراد ہے؛ لہٰذا تم میں سے جو لوگ اللہ کو مانیں انہیں چاہیے کہ خدائی اختیار، اوصاف اور بندگی میں کسی کو شریک نہ کریں، پھر تمہیں امن نصیب ہوگا اور راہِ راست پر گامزن قرار دیے جاؤ گے۔ (اصحاب رسول اور ان کے کارنامے:۴۰)

ذریعہ معاش وجاگیر

ایک زمانہ وہ تھا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ درخت کے پتے کھا کھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غزوات میں جانبازی دکھاتے تھے؛ لیکن اسلام نے بہت جلد روحانیت کے ساتھ ساتھ مادّی حیثیت سے بھی اپنے فدائیین کی عسرت وتنگ حالی کو دولت وثروت سے مبدل کردیا۔ خیبر کی مفتوحہ اراضی جاگیر میں ملی، ایران کے مال غنیمت میں سے حصہ ملا۔ اسی طرح دورِ فتنہ وفساد میں ایک غیر آباد زمین خرید کر زراعت کا مشغلہ اختیار کیا؛ غرض اخیر زندگی میں بڑی دولت کے مالک ہوئے۔ مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر مقام ''عقیق'' میں عالی شان محل تعمیر کرایا؛ مگر باوجود اس کے غذا اور لباس کی سادگی میں کچھ فرق نہیں آیا تھا۔ (سیر الصحابہ ۲/ ۱۶۲)

آپ رضی اللہ عنہ کا علم وفضل

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کا علمی پایہ نہایت ارفع تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی حدیث روایت

کریں تو پھر اس کے متعلق کسی دوسرے سے نہ پوچھو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تحصیلِ علم میں کبھی پس وپیش یا شرم وحجاب دامن گیر نہ ہوتا تھا۔ایک مرتبہ بارگاہِ نبوت میں حاضر تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک جماعت کو کچھ عطیہ مرحمت فرمائے؛لیکن اس میں سے ایک شخص کو محروم رکھا، حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو اس کی محرومی پر سخت تعجب ہوا،عرض کیا: یا رسول اللہ! میرا خیال ہے کہ یہ بھی مومن ہے،ارشاد ہوا:''مومن یا مسلم''؛لیکن حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تشفی نہ ہوئی،انہوں نے پھر اپنا سبق دہرایا،آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دفعہ بھی وہی جواب دیا۔غرض حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مکرر سہ کرر اس سوال کو جاری رکھا؛یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرما کر تشفی کی کہ بسا اوقات وہ شخص جس کو کچھ نہیں دیتا ہوں،میرے نزدیک زیادہ محبوب ہے اس سے جس کو عطیات دیتا ہوں۔

(بخاری کتاب الایمان،باب اذلم یکن الاسلام علی الحقیقۃ بحوالہ سیر الصحابہ ۲/۱۶۰)

تواضع وانکساری

آپ رضی اللہ عنہ کی تواضع وانکساری کا اندازہ صرف اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ سپہ سالاری اور گورنری کے بعد بھی جب کہ کسریٰ کے وارثوں نے اپنا عظیم الشان محل ان کے لیے خالی کردیا تھا،سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور اونٹ اور بکریاں تک چرانے میں عار نہ تھی اور کیسے عار محسوس کرسکتے تھے جبکہ یہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں میں ایک سنت ہے۔ (سیر الصحابہ ۲/۱۶۲)

خلاصہ

یہ کہ آپ علم وفضل کے اعتبار سے نہایت اعلیٰ وارفع تھے، صلاح وتقویٰ کے پیکر تھے، زہد وورع، خوف وخشیت سے لبریز تھے، طاعت وعبادت کے پابند تھے، مزید برآں آپ عظیم مجاہد اور مستجاب الدعوات بھی تھے؛ نیز تا دمِ حیات سید الاولین والآخرین، تاجدارِ مدینہ، محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر کاربند رہے اور اسلام کی حمایت وحفاظت کرتے رہے۔

اللہ تعالیٰ ان کے اخلاقِ حسنہ اور صفاتِ عالیہ سے ہمیں بھی متصف فرمائے، اور تمام صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت اور عظمت ہمارے قلوب میں پیدا فرمائے اور بدن کے رگ وریشے میں پیوست فرمائے۔ آمین

مراجع ومصادر:

① محض الخلاص فی مناقب سعد بن ابی وقاص ② الاصابہ فی تمییز الصحابہ ③ صحابۂ کرام نمبر ④ سیرۃ المصطفیٰ ⑤ اصحاب رسول اور ان کے کارنامے ⑥ صحابہ کے واقعات ⑦ حکمران صحابہ ⑧ سیرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ⑨ سیر الصحابہ ⑩ ندائے شاہی، دسمبر ۲۰۱۱ء

حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ

از قلم: سلمان کوکنی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اخلاق وانسانیت اور بندگی وعبدیت کا دلکش ودل ربا لالہ زار، وحشت وبربریت اور سفاکی ودرندگیت کی ہواؤں کی زد میں آکر رذیل وبدنما خارزار کی شکل اختیار کر چکا تھا، توحید ورسالت کا حسین وخوشنما چہرہ، وثنیت ومجوسیت کے داغوں کا شکار ہو چلا تھا۔ نگار خانۂ موجودات سے دین وایمان، عدل واحسان اور علم وعرفان کا نام ونشان تک مٹ چکا تھا، دلوں کی تجوریاں عقیدۂ توحید ورسالت، گنجینۂ علم ومعرفت، ذخیرۂ محبت والفت اور نگینۂ تواضع ومسکنت سے خالی تھیں، قلوب پر رنجش وکدورت، شقاوت وقساوت اور نفرت وعداوت کے پہرے لگے ہوئے تھے، آنکھوں پر عصبیت وزندیقیت، الحادولادنیت اور کفر وابلیسیت کے پردے پڑے ہوئے تھے، جذبات واحساسات اور افکار وخیالات شترِ بے مہار کی طرح فسق وفجور اور معاصی وذنوب کی اندھیریوں میں بھٹکے جارہے تھے، راہِ فوز وفلاح کا انتخاب اور حق وباطل کے درمیان امتیاز کے ذرائع مفقود ہو چکے تھے؛ لیکن سرکشی وطغیان کی جھاڑیوں اور فسق وعصیان کے کانٹوں کے باوجود بھی بعض لوگ ایسے تھے جو راستے کے مصائب وآلام اور پیش آئندہ تکالیف وشدائد سے بے خوف ہوکر اپنے قدم منزل کی طرف بڑھائے جارہے تھے، جہالت وضلالت کے طوفان اور فحاشی وعریانیت کے سیلان میں بھی بعض پاک طینت افراد ایسے تھے جو جاہلانہ رسومات وتقریبات اور فاسقانہ افکار وعادات سے بیزار تھے،

شرک و بت پرستی کے شعلوں اور مال وجاہ طلبی کے انگاروں کے باوجود بعض گھرانے ایسے تھے جو اُن کی تپش وحرارت سے محفوظ تھے، ایسا ہی ایک گھرانہ قبیلۂ قریش میں عدوی خاندان کے ایک پاکباز وحق پرست شخص ''زید بن عمرو بن نفیل'' کا بھی تھا۔

پیدائش، حسب ونسب اور کنیت

اسی عظیم و بے مثال گھر میں ہجرت سے تقریباً تیئیس سال قبل حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ (المستدرک للحاکم)

آپ کا پدری نسب نامہ اس طرح ہے: حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزی بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوی۔ (طبقات ابن سعد ۳/ ۲۹۸) چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ کا نسب دسویں پشت پر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک نسب سے جا ملتا ہے۔

اور مادری نسب اس طرح ہے: زید بن فاطمہ بنت بعجہ بن امیہ بن خویلد بن خالد بن المعمر حیان بن غنم بن ملیح۔ آپ کی والدہ قبیلۂ خزاعہ سے تھی۔ (ایضاً)

آپ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوالاعور تھی۔

(تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام، حوادث: ۴۱ تا ۶۰ ہجری: ۲۲۱)

حلیۂ مبارکہ

آپ کا رنگ گندم گوں، قد لمبا اور شانے چوڑے تھے، سر کے بال کبھی

ترشوا لیتے اور کبھی لمبے چھوڑ دیتے، سر اور داڑھی کے بال گھنے تھے۔ (اصحابِ رسول اور ان کے کارنامے: ۴۸۶)

آپ رضی اللہ عنہ کے والد کے مختصر حالات

آپ رضی اللہ عنہ کی کردار سازی میں آپ کے والدِ بزرگوار کا بڑا ہاتھ ہے، وہ ایک نیک و خدا ترس انسان تھے۔

ان کے متعلق حضرت اسماء بنت ابوبکر رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ایک دفعہ میں نے جناب زید کو دیکھا کہ کعبہ سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں اور زبان پر یہ الفاظ ہیں: ''اے گروہِ قریش! خدا کی قسم! میرے سوا تم میں کوئی بھی دینِ ابراہیمی پر قائم نہیں ہے۔ آپ معصوم بچیوں کو زندہ درگور ہونے سے بچاتے، جب کوئی اپنی بچی کے قتل کا ارادہ کرتا تو آپ اس سے فرماتے: اسے قتل نہ کرو، میں ان کی پرورش کروں گا، اور ہر قسم کا بار بھی برداشت کروں گا، پھر اسے لے لیتے، اور جب وہ بڑی ہوتی تو اس کے باپ سے کہتے: ''اگر تم چاہو تو تمہیں دے دوں اور اگر چاہو تو میں اس کا نکاح کرا دوں۔ (بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب حدیث زید بن عمرو / ۷ ۸۳، حدیث: ۳۸۲۸)

آپ کا مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے عیاں ہوتا ہے کہ: زید بن عمرو بن نفیل میرے اور عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان ایک امت ہیں، کل بروزِ قیامت انہیں ایک امت کے طور پر اُٹھایا جائے گا۔ (السنن الکبریٰ، کتاب المناقب، باب زید بن عمرو بن نفیل: ۵ / ۵۴، حدیث: ۸۱۸۷)

آپ کی حق طلبی وخدا پرستی کے متعلق کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ اہلِ قریش کا کوئی میلہ چل رہا تھا، ہر طرف عیاشی وبدمعاشی اور فحاشی وعریانیت کا دور دورہ تھا، مرد وزن، طفل وجوان اور شیب وشاب ہر ایک کے چہرے سے فخر وافتخار اور تکبر وغرور کا پسینہ ٹپک رہا تھا، رقص وسرور اور جام وساغر کے نقوش جا بجا نظر آرہے تھے، مرد حضرات کا سر عمامہ سے آراستہ اور جسم فاخرانہ لباس سے پیراستہ تھا، معصوم بچّے اور خوبصورت عورتیں زرق برق لباس زیبِ تن کیے محفل کی رونق میں چار چاند لگا رہی تھیں، جناب زید بن عمرو بھی دور کھڑے ان مناظر کو دیکھ رہے تھے اور ان سب بدعات وخرافات کو دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھ رہے تھے۔

اچانک ان کی نظر ان جانوروں پر پڑی جنہیں مکہ کے خوشحال ومتمول لوگ قسم قسم کی زینتوں سے آراستہ کر کے لات ومنات کے حضور ذبح کرنے کے لیے کھینچ کر لے جارہے تھے، جسے دیکھ کر ان کا دلِ زندہ وضمیرِ تابندہ صبر وتحمل کے خلوت خانہ سے بے تابانہ باہر آگیا اور وہ کعبہ کو ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے اور قریش کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگے: ”قریش کے لوگو! بکری کو اللہ نے پیدا کیا، اسی نے آسمان سے پانی برسایا، جس کو پی کر وہ سیراب ہوئی، اسی نے زمین سے گھاس اگائی جس کو کھا کر وہ آسودہ ہوئی، اور تم ہو کہ اُسے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کے لیے کھینچے لیے جارہے ہو، میں سمجھتا ہوں کہ تم بڑے نادان اور جاہل لوگ ہیں“۔

(زندگیاں صحابہ کی:۲۸۹)

خیر وصلاح کی یہ دعوت اور نیکی وبھلائی کی یہ ترغیب اگر چہ بڑے ناصحانہ اور مشفقانہ انداز میں دی گئی تھی؛ لیکن مال ودولت کے نشہ میں چور اور نفس وشیطان کی جال میں پھنسے ہوئے وحشی لوگوں کے قلب ٹس سے مس نہ ہوئے اور ان کے کانوں پر جوں تک نہ رینگی۔ زمانۂ جاہلیت کے ایک پیشوا وسردار اور کفر وشرک کے علَم بردار: خطاب کی تیوری چڑھ گئی، پیشانی بل زدہ ہوگئی، اور شدتِ غیض وغضب نے اس کے حواس معطل کر دیے، چناں چہ وہ اٹھا اور حق کے اس شیدائی کو ایک طمانچہ رسید کیا، اور بھرّائے ہوئے لہجہ میں بولا: ”تبًا لک، ما زلنا نسمع منک هذا البذاء ونحتمله، حتی لقد صبرنا“ (صور من حیاۃ الصحابۃ: ۲۳۳)

ترجمہ: تیرا ستیاناس ہو، تیری بکواس ہم مسلسل سنتے اور اُسے برداشت کرتے چلے آرہے ہیں؛ مگر اب ہمارے صبر وضبط کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے“۔

خطاب کی کاروائی اسی پر اختتام پذیر نہیں ہوئی؛ بلکہ اس نے چند سر پھرے بدمعاش، اوباش اور آوارہ بچوں کو حکم دیا کہ وہ زید پر سنگ باری کریں اور اس کی ایذا رسانی ودل آزاری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کریں، ان اوباشوں اور لفنگوں کے ظالمانہ سلوک اور وحشیانہ برتاؤ سے تنگ آکر بادلِ ناخواستہ آپ اپنا پیارا محلہ چھوڑ کر کوہِ حرا کی جانب نکل پڑے، وہاں سے اپنے ہم خیال لوگوں کے ساتھ مل کر دینِ برحق اور ملتِ ابراہیمی کی تلاش وجستجو میں صحرا نوردی وجادہ پیمائی شروع کی، کئی راہبوں اور پادریوں کے آستانوں کی خاک چھانی، آگے چل کر آپ

کے دیگر رفقائے سفر نے اپنی صواب دید کے مطابق دوسرے ادیان قبول کر لیے؛ لیکن آپ کی حقیقت شناس نگاہ میں کسی بھی مذہب کی تعلیمات، تحریفات وتغیرات سے صاف وشفاف نظر نہیں آئیں؛ اس لیے آپ نے کسی بھی مذہب کے قبول کرنے کا کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا اور برابر تلاشِ حق میں سرگرداں رہے۔ اسی دوران ملکِ شام میں ایک پادری سے آپ کی ملاقات ہوئی تو اس نے آپ کی اضطراری حالت وکیفیت اور بے چین فطرت وطبیعت کو دیکھ کر بھانپ لیا کہ یہ شخص دینِ ابراہیمی کی تلاش میں منہمک ہے، چناں چہ آپسی گفتگو اور سوال وجواب کے بعد اس نے یہ بشارت سنائی کہ عنقریب آپ کے اطراف وجوانب سے ایک رسولِ برحق (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ظہور ہوگا، جوان گمراہ وبے راہ انسانوں کے سامنے ایک پاکیزہ شریعت پیش کر کے انہیں راہِ نجات اور طریقِ ہدایت بتلائے گا؛ لہٰذا آپ کچھ دیر کے لیے صبر وتحمل سے کام لیں اور ظہورِ نبوت کے بعد ان کے دستِ حق پرست پر ایمان لے آئیں، پادری کی زبانی ان باتوں کا سننا تھا کہ آپ کی آس بندھ گئی اور دل میں خوشیوں اور مسرتوں کا طوفان امنڈ پڑا، تیزی سے اپنے آبائی وطن مکہ کی جانب لپکے؛ لیکن افسوس! کہ نوشتۂ تقدیر زیارت وملاقات سے مانع بنا، امیدوں کا شیش محل چکنا چور ہوگیا، اور اثنائے سفر ہی ڈاکوؤں اور رہزنوں کی ایک ٹولی نے حملہ کر کے انہیں شہید کر دیا۔ موت سے چند دن قبل آپ نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی تھی: "اللهم إن حرمتني من هذا الخير فلا تحرم منه ابني سعيدا". (اصحاب

الرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ۲۶۷) ترجمہ: اے اللہ! اگر تو نے مجھے اس خیر سے محروم رکھنے کا فیصلہ کرلیا ہے، تو میری درخواست ہے کہ میرے بیٹے سعید کو اس سے محروم نہ رکھنا۔

راہِ حق کی جستجو میں مسلسل جدوجہد اور پیہم کوشش وسعی کرنے والے طلبگار بندے کی دل خیز دعاؤں کو خدائے ذوالمنن نے شرفِ قبولیت سے نوازا۔

قبولِ اسلام

چناں چہ نبیٔ آخر الزماں اور ہادیٔ کل جہاں (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب بحکمِ خداوندی دینِ حنیف کی دعوت واشاعت کا کام شروع فرمایا تو حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ اپنی جان جوکھم میں ڈال کر اور تمام خطرات مول لے کر اپنی نیک دل رفیقۂ حیات حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کے ساتھ حلقہ بگوشِ اسلام ہو گئے، بعض روایتوں کے مطابق ان دونوں سے قبل چھتیس افراد ایمان لائے تھے۔ (صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی وصیتیں اور آخری الفاظ: ۱۲۲) اور بقول مؤرخِ اسلام علاّمہ ذہبی رحمہ اللہ کے: حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ دارِ ارقم میں تعلیم وتعلم کا سلسلہ شروع ہونے سے قبل ہی مسلمان ہو چکے تھے۔ (تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام، حوادث: ۴۱ تا ۶۰ ہجری، ص: ۲۲۴)

نیز ابوالقاسم اصفہانی نے آپ رضی اللہ عنہ کو تیرہ لوگوں کے بعد اسلام لانے والا شمار کیا ہے۔

(سیر السلف الصالحین ۱/ ۲۴۲)

پھر جن حالات وخطرات کا اندیشہ تھا اور جس طرح کے سلوک وبرتاؤ کا خوف تھا وہ ہوکر رہا، پیروں میں شدائد وآلام کی بیڑیاں پڑ گئیں، گردنوں میں

مصائب وتکالیف کے طوق بندھ گئے، دلوں کو اذیتوں کے کانٹے چھیدنے لگے اور دونوں میاں بیوی بری طرح جسمانی وروحانی مظالم کا نشانہ بن گئے۔

قربانیاں اوران کا ثمرہ

واقعہ مشہور ہے کہ حضرت عمرؓ تلوار لٹکا کر (نعوذ باللہ) حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادے سے جا رہے تھے، راستہ میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے ملاقات ہوئی، کچھ دیر ان سے بات چیت کرنے کے بعد پتہ چلا کہ بہن (حضرت فاطمہ بنت خطابؓ) اور بہنوئی (آپؓ) بھی اسی نبی کے مطیع وفرمانبردار اور پیروکار وتابعدار بن چکے ہیں، تو انہوں نے فوراً راستہ بدل دیا اور غصہ میں بھرے سیدھے بہن کے گھر جا پہنچے، جہاں حضرت خبابؓ ان دونوں میاں بیوی کو قرآنِ پاک پڑھا رہے تھے، آہٹ پا کر وہ چھپ گئے، پھر حضرت عمرؓ گھر میں داخل ہوئے، ان کے ہاتھ میں کوئی سخت چیز تھی جسے حضرت فاطمہؓ کے سر پر دے مارا، شدتِ ضرب سے ان کا سر پھٹ پڑا اور خون بہنے لگا۔ پھر اندر داخل ہو کر پوچھا: ''یہ آواز کس چیز کی آرہی تھی'' تو حضرت سعید بن زیدؓ نے جواب دیا کہ: ''بس آپس میں بات چیت کر رہے تھے اور کچھ نہیں'' کہنے لگے: ''کیا تم نے بھی اپنے دین کو چھوڑ کر دوسرا دین اپنا لیا ہے؟'' تو آپؓ نے فرمایا: ''اگر حق تمہارے دین کے علاوہ کسی اور دین میں ہو تو تمہارا کیا خیال ہے؟'' یہ سنتے ہی حضرت عمرؓ ان پر جھپٹ پڑے اور بہت بری طرح مارا، پیٹا، گھسیٹا اور روندا۔ حضرت فاطمہؓ سے

یہ تماشا دیکھا نہ گیا تو وہ اپنے خاوند کو بچانے کے لیے آئی؛ لیکن بہن پر بھی رحم نہ آیا؛ بلکہ ان کو اس زور سے طمانچہ مارا کہ چہرے سے خون نکل آیا، بالآخر بنتِ خطاب کی رگِ خطابیت جاگ اٹھی اور شدتِ غضب میں حضرت عمر سے کہہ دیا: ”اے عمر! ہمیں صرف اس وجہ سے مارا جا رہا ہے کہ ہم مسلمان ہو گئے، سو سن لے! ہم مسلمان ہو چکے ہیں، تجھ سے جو بن پڑے کر ڈال؛ لیکن ہم دینِ حق سے دست بردار نہیں ہو سکتے“۔ دونوں میاں بیوی کی اس جرأت و بے باکی اور استقامت وثابت قدمی دیکھ کر حضرت عمرؓ کا دل پگھل گیا، بہن کا خون دیکھ کر شرمندگی بھی ہوئی، اچانک قرآن کے اس ورق پر نظر پڑ گئی جو جلدی میں باہر رہ گیا تھا اور سارا غصّہ زائل ہو گیا۔ پھر انھوں نے اس صفحے کو طلب کیا تو حضرت فاطمہؓ نے کہا: ”تو ناپاک ہے اور اس کو ناپاک ہاتھوں سے چھونا درست نہیں؛ لہٰذا پہلے غسل کر لے، پھر تجھے یہ صفحۂ قرآن دیا جائے گا“، چناں چہ حضرت عمرؓ نے غسل کیا اور سورۂ طٰہٰ کو پڑھنا شروع کیا، یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچے: إنني أنا الله لا إله إلا أنا فاعبدني واقم الصلوٰة لذكري، تب تک اسلام ان کے دل میں گھر کر گیا تھا اور اس کی حقانیت واشگاف ہو چکی تھی، فوراً کہنے لگے کہ: مجھے بتاؤ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ہیں؟ چناں چہ ان کی رہنمائی کی گئی، اور وہ دارِ ارقم میں جا کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ بابرکت پر مشرف بہ اسلام ہوئے۔ (ملخصاً از حیاۃ الصحابہ اردو ا / ۳۸۳، ۳۸۴)

ان دونوں نیک سیرت میاں بیوی کے صبر واستقامت اور حوصلہ مندی

وجرأت کی وجہ سے اسلام کو ایک ایسی شخصیت مل گئی جس کے بارے میں حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں: ''حضرت عمرؓ کا اسلام لانا مسلمانوں کی فتح تھی اوران کی ہجرت مسلمانوں کی مدد تھی اوران کی خلافت رحمت تھی''۔(فضائلِ اعمال ۱/ ۳۰)

ہجرت ومواخات

جب مخالفت ومعاندت کے گراں بار سلسلے دراز سے دراز تر ہونے لگے اوراسلام کے نام لیواؤں پر مکہ کی سرزمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ پڑنے لگی، تب ان ضعیف وناتواں اور مظلوم ومقہور مسلمانوں نے بحکمِ خداوندی نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اشارے پر وطنِ عزیز مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت شروع کی، دیگر مسلمانوں کی طرح آپؓ نے بھی آبائی وطن چھوڑ کر مدینہ کی جانب ہجرت کی اور وہیں کے ہوکر رہ گئے۔ پھر جب خود جناب نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو مواخات کا زریں سلسلہ قائم فرمایا، چناں چہ آپؓ اورحضرت ابی بن کعبؓ بھائی بھائی قرار پائے۔(اسد الغابہ:۲/ ۳۲۵)

طبقات ابن سعد میں مذکور ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت رافع بن مالک الزرقیؓ اورآپؓ کے درمیان مواخات کا رشتہ قائم فرمایا تھا۔

(طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۰۱)

غزوات وسرایا

مدینہ پہنچنے کے بعد بھی جب ان مظلوم ومقہور مسلمانوں کو چین کا سانس

لینے نہیں دیا گیا تب اللہ تبارک وتعالیٰ کی جانب سے جہاد وقتال کا حکم نازل ہوا، اب غزوات وسرایا کا سلسلہ شروع ہوگیا، آپؓ نے بھی تمام غزوات میں شرکت فرما کر مردانگی وشجاعت اور بے باکی وجرأت کے مظاہرے پیش فرمائے اور نیزہ بازی وشمشیر زنی کے ذریعہ اپنے بلند پایہ حوصلوں کا لوہا منوایا۔

اسلام کی پہلی جنگ اور حق وباطل کے درمیان فیصلہ کن معرکہ: غزوۂ بدر میں آپؓ باقاعدہ شریک نہ ہوسکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اور حضرت طلحہؓ کو کفار ومشرکین کے اس لشکر کی جاسوسی پر مامور فرمایا تھا جو لڑائی کا اصل سبب بنا، چناں چہ یہ دونوں حضرات حدودِ شام میں مقامِ تجبار پہنچ کر کشد جہنی کے مہمان ہوئے، پھر جب کفار کا قافلہ وہاں سے آگے بڑھا تو نظریں بچا کر تیزی کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے؛ تاکہ نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حالات سے آگاہ کرسکے؛ لیکن جب مدینہ پہنچے تو پتہ چلا کہ پاسبانانِ اسلام بدر پہنچ چکے ہیں، یہ حضرات فی الفور بدر کے لیے روانہ ہوئے تو راستے میں فتح وظفر اور کامیابی وکامرانی کا تمغہ لیے ہوئے غازیانِ بدر سے ملاقات ہوئی۔

اس طرح آپؓ جنگِ بدر میں عملاً شریک نہ ہوسکے؛ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مالِ غنیمت میں سے ان کا حصّہ مقرر فرمایا اور جہاد کے ثواب سے بہرہ ور ہونے کی خوشخبری بھی سنائی۔ (دیکھیے: سیرت ابن ہشام ۱/ ۶۸۴، طبقاتِ ابن سعد ۳/ ۲۷۹، معرفۃ الصحابہ ۲/ ۵، اسد الغابہ ۲/ ۳۲۵)

نیز امام بخاریؒ نے بھی آپؓ کو ''بدریین'' میں شمار کیا ہے۔

(صحیح بخاری، کتاب المغازی باب تسمیۃ من سمی من أہل البدر، ۲/۸۸۷)

اس کے علاوہ دیگر تمام غزوات: احد، خندق، خیبر، حنین، طائف اور تبوک وغیرہ میں شرکت فرمائی اور بیعتِ رضوان میں بھی شریک رہے۔ (الریاض النضرۃ ۲/۳۴۱) حتی کہ علامہ ابن اثیر نے اپنی کتاب ''اسد الغابہ'' میں حضرت سعید بن جبیرؓ کے حوالے سے آپؓ کو ان صحابہ میں شمار کیا ہے جو جنگ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے رہا کرتے تھے۔ (اسد الغابہ ۲/۲۲۶)

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے کچھ عرصہ بعد جب ایران اور روم کے درمیان کشمکش کا آغاز ہوا تو آپؓ شام جانے والے لشکر میں ایک سرفروش مجاہد کی حیثیت سے شریک رہے۔ (چالیس جاں نثار: ۷۰)

عہدِ صدیقی کی جنگوں میں شرکت

حضرت صدیقِ اکبرؓ کے دورِ خلافت میں اجنادین کا ہولناک معرکہ پیش آیا، اس لڑائی میں نوے ہزار رومی جنگجو ایک نامور سردار ''وردان'' کی قیادت میں مسلمانوں کے مقابل ہوئے جن کی تعداد صرف بیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔

مسلمان جانباز جن میں حضرت سعیدؓ بھی شامل تھے، سر پر کفن باندھ کر لڑے اور اپنی قوتِ ایمانی کے بل بوتے پر کثیر تعداد رومیوں کو عبرت ناک اور ذلت آمیز شکست دی۔ (ایضاً)

عہدِ فاروقی کے جنگی کارنامے

حضرت سیدنا ابوبکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ عہدۂ خلافت پر فائز ہوئے، ان کے زمانۂ خلافت میں اسلام کو خوب ترقی وعروج اور بلندی وسرفرازی نصیب ہوئی، خصوصاً شام، عراق، دِمشق وغیرہ کے علاقے فتح ہوئے۔ آپؓ نے شام کی جنگی مہمات میں شرکت کی اور شمشیر وسنان اور نیزہ وکمان کے زور پر بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیے۔

محاصرۂ دمشق اور آپؓ کی بے باکی

عہدِ فاروقی میں مسلمانوں نے دمشق شہر کا محاصرہ کرلیا اوراس کے ارد گرد پڑاؤ ڈالا، پھر منجنیق اور قلعہ شکن آلات نصب کر کے علی اختلاف الاقوال دو ماہ دس دن، چار ماہ یا چودہ ماہ تک مسلسل مزاحمت جاری رکھی، اندر موجود اہلِ دمشق، حمص میں مقیم اپنے بادشاہ ہرقل سے نئی کمک اور مدد کی امید لگائے بیٹھے تھے؛ لیکن امیرِ جنگ نے دمشق اور حمص کے درمیان مسلمانوں کے ایک دستہ کو متعین کر کے مدد اور کمک کی ساری راہیں بند کردی تو دمشق کے محصوروں پر مایوسی وناامیدی کی گھٹائیں چھانے لگیں اور لشکرِ اسلام کی ہمت وجرأت میں اضافہ ہوتا چلا گیا، اسی کشمکش میں خدائے ذوالجلال کا کرنا ایسا ہوا کہ دمشق کے جرنیل ''بطریق'' کے ہاں لڑکا پیدا ہوا، جس کی خوشی میں اس نے سارے شہر والوں کی زبردست دعوت کرائی، اور خوب شراب پلائی، جس کے نتیجے میں سب پر سستی وکاہلی اور غفلت

ولا پرواہی چھا گئی۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے موقع کو غنیمت جان کر رسیوں کی سیڑھیاں بنوائی، اوران کے اوپر کے حصے کو برجیوں کے ساتھ لگا دیا اور نچلے حصہ کو خندق کے باہر مضبوطی سے لگا دیا۔ (ملخصاً از البدایہ والنہایہ ۷/۱۹-۲۰)

پھر ان سیڑھیوں پر چڑھ کر فصیل کے اندر مرحلۂ اول میں جو لوگ داخل ہوئے اُن میں آپؓ بھی تھے۔ (اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کے کارنامے:۴۸۵) مسلمانوں کے اس طرح یکبارگی اندر داخل ہوجانے سے اہلِ دمشق گھبرا گئے اور جب اپنی شکست وہزیمت اور ذلت ونکبت سامنے نظر آنے لگی تو انہوں نے صلح کی پیش کش کی، امیرِ لشکر حضرت ابوعبیدہؓ نے اس کو قبول فرمایا اس طرح دمشق شہر فتح ہوگیا۔

بعلبک شہر کی فتح میں آپؓ کا کردار

شہر دمشق پر قبضہ ہوجانے کے بعد مسلمانوں نے بعلبک کی جانب قدم اٹھایا اور امیرِ لشکر حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ نے وہاں کے حاکم ہربیس کو پیغام بھیجا کہ اسلام لے آؤ یا پھر جزیہ ادا کرو، ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ چناں چہ وہ جنگی ماہرین اور کمانڈروں سے مشورہ کرنے کے بعد جنگ کرنے پر آمادہ ہوگیا، تو حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ نے آپؓ کو پانچ سو گھوڑ سوار اور تین سو پیادہ پا سپاہیوں پر مشتمل ایک لشکر دیا اور ساتھ ہی یہ حکم بھی دیا کہ رومیوں کو مسلمانوں سے غافل رکھ کر قلعہ کے دروازے ہی پر قتل کر دیا جائے، دوسری طرف حضرت ضرار بن ازورؓ کو پانچ سو گھوڑ سواروں اور پیادہ پا جنگجوؤں پر مشتمل لشکر دے کر بابِ شام کی طرف

سے جرأت و بہادری کے ساتھ لڑنے کا حکم دیا۔

چناں چہ یہ دونوں حضرات، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے حکم کے مطابق برابر عمل کرتے رہے اور سر گرمِ قتال رہے، یہاں تک کہ رومی لشکر دونوں جانب سے مسلمانوں کے نرغے میں آ گیا تو ان کے قدم اکھڑ گئے اور وہ میدانِ جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے اور مسلمانوں کو کامیابی حاصل ہوئی۔ اس کامیابی میں آپ رضی اللہ عنہ کا بڑا حصہ تھا۔ (ملخصا از فیضانِ سعید بن زید: ۲۷-۲۹)

حمص کی لڑائی میں آپ رضی اللہ عنہ کی شرکت اور بہادری

قنسرین اور بعلبک پر قبضہ کرنے کے بعد مسلمان حمص کی طرف متوجہ ہوئے، جہاں رومیوں نے مسلمانوں سے مقابلہ کے لیے زبردست لشکر جمع کر رکھا تھا، وہاں کا حاکم مشہور و معروف جنگجو ''ہربیس'' تھا، جب اُسے مسلمانوں کی آمد کے متعلق خبر پہنچی تو اولاً اس نے شہر سے باہر نکل کر مسلمانوں سے مقابلہ کیا؛ لیکن جب غازیانِ اسلام نے اس کو شکست فاش دی تو مجبوراً قلعہ بند ہو گیا، پھر مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کیا اور فتح کرنے کے لیے کئی تابڑ توڑ حملے کیے؛ لیکن اہلِ حمص کی مسلسل مزاحمت اور کوشش کی بنا پر ان کو فتح حاصل نہ ہو سکی، بالآخر جنگی منصوبے کے تحت چند سواروں اور معمولی ساز و سامان کو پیچھے چھوڑ کر سارے لشکر نے محاصرہ اٹھا لیا اور شہر سے تقریباً ایک منزل دور جا کر پڑاؤ ڈالا، اہلِ حمص مسلمانوں کے اس منصوبے اور پلان کو سمجھ نہ سکے اور انھوں نے مسلمانوں کو ہمت باختہ سمجھ کر اس

چھوٹے سے اسلامی لشکر پر حملہ بول دیا، کچھ دیر مزاحمت کے بعد مسلمان مجاہدین پیچھے ہٹنے لگے تو رومیوں نے ان کا پیچھا کیا؛ حتی کہ جب اس جگہ پہنچے جہاں اسلامی فوج نے مورچے قائم کیے تھے، تو مسلمانوں نے ان پر دھاوا بول دیا اور برقِ بے اماں کی طرح ان پر ٹوٹ پڑے، رومی سپاہی اور جنگجو بھی جان توڑ کر لڑ رہے تھے، اور مسلمانوں پر حملہ کیے جا رہے تھے، یہ صورتِ حال دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ آگے بڑھے اور ان کے سردار ہربیس کا کام تمام کر دیا، تو وہ سر پر پاؤں رکھ کر میدانِ جنگ سے بھاگ نکلے، مسلمان بآسانی شہر میں داخل ہوئے تو شہریوں نے اپنے انجام کو دیکھ کر مسلمانوں کی اطاعت وفرمانبرداری کا اعلان کر دیا اور شہر کے سارے دروازے کھول دیے۔ اس طرح آپ رضی اللہ عنہ کی بہادری و دلیری کی بدولت مسلمان شہر پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ (ملخصاً از چالیس جانثار: ۷۱-۷۲)

معرکۂ یرموک میں آپ رضی اللہ عنہ کی حیرت انگیز کارکردگی

حمص کو فتح کرنے کے بعد یرموک کی فیصلہ کن جنگ ہوئی جس میں آپ رضی اللہ عنہ کی کارکردگی اور بلند ہمتی آج بھی تاریخ کے صفحات پر زندہ و تابندہ ہے، جس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ یرموک کے موقع پر پرستارانِ حق اور جانثارانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعداد صرف چوبیس ہزار تھی، نیز سامانِ جنگ اور آلاتِ حرب کی بھی شدید قلت تھی، اس کے برخلاف دشمنانِ اسلام کا لشکر ایک لاکھ بیس ہزار افراد پر مشتمل تھا، اسی کے ساتھ وہ لوگ تمام اسباب و وسائل سے لیس تھے، تلواروں کی

دھاریں اور نیزوں کی نوکیں دیکھ کر آنکھیں چار ہو رہی تھیں، ان کے راہب اور بزرگ مذہبی پیشوا صلیبیں اٹھائے آگے آگے چل رہے تھے اور بلند آواز کے ساتھ اپنی فوج کی فتح و نصرت کی دعائیں مانگ رہے تھے، پوری فوج ان دعائیہ کلمات کو اس بلند آہنگی کے ساتھ دہرا رہی تھی جیسے بجلی گرج رہی ہو۔ یہ صورتِ حال دیکھ کر مسلمانوں پر خوف و گھبراہٹ طاری ہوگئی، خوف و دہشت نے ان کے دلوں کو آگھیرا اور ایسا محسوس ہونے لگا کہ آج اسلام کے جانبازوں اور سرفروشوں کے قدم پیچھے ہٹنے کو ہیں اور دشمنوں کی بے حساب فوج اور بے شمار سپاہیوں کی دھاک ان کے دلوں پر بیٹھ چکی ہے، تب ہی تاریخِ اسلام کے عظیم فرد اور لشکرِ اسلام کے سپہ سالار حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کی گرجتی ہوئی تقریر نے ان کی رگِ حمیت کو پھڑکایا، دلوں کو جھنجھوڑا اور غیرت پر تیشہ زنی کی، اپنا مقام و مرتبہ یاد دلا کر مدِّ مقابل کی حقیقت و اصلیت کو طشت از بام کر دیا اور حق سبحانہ و تقدس اور ان کے صادق و مصدوق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وعدوں کا یقین دلا کر رگوں میں اسلامی خون دوڑایا۔ ایک مجاہد کی جانبازی و سرفروشی دیکھ کر آپ رضی اللہ عنہ نے بھی تلوار سونت لی، تیر و کمان سنبھالا اور نیزے کا رخ دشمن کی جانب کر لیا اور ان کی صفوں میں گھس گئے۔ خود ان کی زبانی وہ حالات و کیفیات ملاحظہ فرمائیں:

''میں نے جیسے ہی اس کی باتیں سنیں اور اسے میان سے تلوار کھینچ کر دشمن کے مقابلے میں جاتے دیکھا، زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھ کر اپنا نیزہ سیدھا کر لیا اور

بڑھنے کے لیے تیار ہو گیا اور دشمن کی طرف سے سب سے پہلا سوار جو ہماری طرف بڑھا اُسے اپنے نیزے میں پرولیا، پھر دشمن پر جھپٹ پڑا، اس وقت تک اللہ تعالیٰ میرے دل سے ہر قسم کے خوف و ہراس کو دور کر چکا تھا، اور پھر سارے مسلمان رومیوں پر یکبارگی ٹوٹ پڑے اور جب تک اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی نصرت اور کامیابی سے نواز نہیں دیا برابر ان سے مصرافِ جدال رہے"۔(زندگیاں صحابہ کی:۲۹۵)

گورنری اور شوقِ جہاد

اس زمانہ میں جب کہ مسلمان شہر کے شہر فتح کر رہے تھے اور روم وایران کی کایا پلٹنے میں مصروف تھے، سپہ سالارِ اسلام حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ نے آپؓ کو دمشق کی گورنری پر مامور کیا اور اپنا جنگی مشن آگے جاری رکھا اس طرح آپؓ دمشق کے سب سے پہلے مسلمان گورنر بنے۔(زندگیاں صحابہ کی:۲۹۶)

لیکن راہِ خدا میں مرمٹنے کا شوق اور جذبہ، رضائے الٰہی کے حصول کے لیے گردن کٹانے کی خواہش اور تمنا، بروزِ قیمت شہدا کے زمرے میں شمولیت کی آرزو نے عہدہ و منصب کی خواہش کو دل سے بالکل بے دخل کر دیا تھا، چناں چہ کچھ دن تو آپؓ برداشت کرتے رہے؛ لیکن دل اندر سے بالکل مطمئن نہ تھا، بالآخر حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ کے نام خط لکھ بھیجا کہ میں ایسا ایثار نہیں کر سکتا کہ آپ لوگ جہاد کریں اور میں اس سے محروم رہوں؛ اس لیے خط پہنچتے ہی کسی کو میری جگہ بھیج دیجیے، میں عنقریب آپؓ کے پاس پہنچتا ہوں۔(سیر الصحابہ ۲/ ۱۸۴)

جہاد فی سبیل اللہ بس مقصود میرا ہے		مروں گا میں اسی کے نام جو معبود میرا ہے

چناں چہ حضرت ابو عبیدہؓ نے مجبور ہو کر حضرت یزید بن ابو سفیانؓ کو دمشق کا گورنر بنایا اور آپؓ پھر رزم گاہ پہنچ گئے، جہاد کا یہی شوق تھا جو عہدِ صدیقی وفاروقی میں آپ کو ہر جنگ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے پر مجبور کرتا رہا؛ لیکن جب عہدِ عثمانی وحیدری میں داخلی شورشیں بڑھ گئیں، فتنہ وفساد کا غلبہ ہونے لگا، ہر طرف سازشیں پنپنے لگیں تو آپؓ نے گوشۂ خمول میں رہنے کو ترجیح دی اور بقیہ زندگی بڑی خاموشی کے ساتھ مقامِ عقیق میں رہ کر گزاری۔

خلفائے راشدین اور صحابہؓ سے محبت

آپؓ نے خلفائے اربعہؓ اور حضرت امیرِ معاویہؓ کے دستِ بابرکت پر بیعت فرمائی تھی اور اسلام کے ان پروانوں اور ہدایت کے ان چراغوں کی محبت والفت، سطوت وعظمت اور قدر وقیمت آپؓ کی رگ وپے میں رچی بسی تھی، ان پر سبّ وشتم اور طعنہ زنی وبدکلامی کرنے پر آپؓ کا دل غم زدہ وافسردہ ہوجاتا اور اس طرح کی گھناؤنی حرکتیں کرنے والوں پر برملا نکیر فرماتے، چناں چہ جب شرانگیزوں، فتنہ پردازوں، باغیوں اور بلوائیوں نے حضرت عثمانؓ کو ناحق قتل کردیا تو یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے عالمِ اسلام میں پھیل گئی اور آہ وبکا اور ماتم ونوحہ کا موسم چھا گیا۔ ان دنوں آپؓ کوفہ میں اقامت پذیر تھے۔ جب یہ دل سوز، جاں گداز اور روح فرسا خبر ان کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے لوگوں کو کوفہ

کی جامع مسجد میں جمع کیا اور ایک زبردست تقریر کی جس کا ایک اقتباس ہدیۂ ناظرین ہے:

''لوگو! خدا کی قسم! میں نے اپنے آپ کو اس حال میں دیکھا کہ اسلام لانے کے جرم میں عمر مجھے اور اپنی بہن فاطمہؓ کو باندھ دیا کرتے تھے جب کہ انہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، تم لوگوں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ جو بدسلوکیاں اور زیادتیاں کی ہیں ان کی وجہ سے اگر احد پہاڑ پھٹ جائے تو اس کا پھٹ جانا بجا ہوگا۔ (صحابہ کرامؓ کی وصیتیں اور آخری الفاظ: ۲۲۴)

جس زمانہ میں حضرت مغیرہ بن شعبہؓ حضرت امیرِ معاویہؓ کی طرف سے کوفہ کے گورنر تھے، اسی زمانے میں ایک روز وہ جامع مسجد میں عوام کے حلقہ میں بیٹھے تھے کہ حضرت سعید بن زیدؓ داخل ہوئے تو انہوں نے نہایت تعظیم واکرام کے ساتھ آپؓ کا استقبال کیا اور اپنے پاس بٹھایا، اسی اثنا میں ایک دوسرا آدمی اندر آیا اور حضرت علیؓ کی شان میں نامناسب کلمات بکنے لگا، آپؓ سے ضبط نہ ہوسکا، بولے: مغیرہ! لوگ تمہارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جاں نثاروں کو گالیاں دیتے ہیں اور تم منع نہیں کرتے۔ اس کے بعد اصحابِ عشرہ میں سے آٹھ کا نام لے کر فرمایا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی ہے اور اگر چاہو تو میں نویں آدمی کا نام بھی لے سکتا ہوں، لوگوں نے اصرار کیا، تو فرمایا: میں ان میں سے ہوں۔ (سیر الصحابہ: ۲/ ۱۸۶)

ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہ رو رہے تھے تو کسی نے پوچھا کہ آپ کو کس چیز نے رُلایا ہے؟ فرمایا: اسلام پر روتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات نے اسلام میں رخنہ پیدا کیا ہے، ایسا رخنہ جو قیامت تک نہ بھر سکے گا۔ (صحابۂ کرام کے آنسو: ۷۳)

آخرت کے سفر پر روانگی

ماقبل میں گذر چکا کہ آپ رضی اللہ عنہ نے عہدِ عثمانی میں ملکِ شام سے واپس آ کر مدینہ کے نواح میں واقع عقیق نامی مقام میں گوشہ نشینی اور خلوت گزینی اختیار کر لی تھی، اس دوران عالمِ اسلام میں کئی انقلابات وتغیرات رونما ہوئے، اسلامی سلطنت کو کئی مرتبہ اتار چڑھاؤ کا سامنا کرنا پڑا؛ لیکن آپ رضی اللہ عنہ حکومت کے عہدے اور مناصب سے کنارہ کش ہی رہے اور اپنے دامن کو اختلافات وتنازعات سے بچائے رکھا، یہاں تک کہ موت کی اس گھڑی پر پہنچ گئے جس سے کسی فردِ بشر کو چھٹکارا نہیں، اور اپنی ساری زندگی اللہ کی خوشنودی ورضامندی، حضور پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت وتابعداری، اسلام کی حفاظت وپاسبانی اور دینِ حق کی ترقی وسربلندی کے خاطر وقف کر کے مقامِ عقیق ہی میں اپنی جان جاں آفریں کے سپرد کر دی۔ رضي اللّٰه تعالیٰ عنه وأرضاه وارزقنا اتباعه.

آپ رضی اللہ عنہ کی وفات کی تاریخ تو معلوم نہ ہوسکی؛ البتہ وفات کے سال سے متعلق معلومات کتابوں میں موجود ہیں؛ لیکن اس میں مؤرخین اور سیرت نگاروں کی آرا مختلف ہوگئی ہیں۔ چناں چہ ابو القاسم اصفہانیؒ، علامہ ذہبیؒ، اور ابن العراقیؒ نے

لکھا ہے کہ آپؓ کی وفات ۵۱ھ میں ہوئی۔ اور علامہ ابن الجوزیؒ، ابن اثیرؒ اور ابن عبد البرؒ نے ۵۱ھ کے ساتھ ساتھ ۵۰ھ کا بھی احتمال ذکر کیا ہے۔ (دیکھیے: سیر السلف الصالحین ۱/ ۲۴۶۔ تاریخ الاسلام للذہبی، حوادث، ۴۰ تا ۶۰ ہجری، ص: ۲۲۴۔ شرح الالفیہ: ۴۴۵، ۴۴۶۔ صفوۃ الصفوۃ ۱/ ۳۴۶۔ اسد الغابۃ ۲/ ۳۲۶۔ الاستیعاب ۴/ ۱۹۰) نیز امام بخاریؒ نے ۵۸ھ کو آپؓ کی وفات کا سال بتایا ہے۔ (التاریخ الکبیر ۳/ ۴۵۲)

تجہیز و تکفین اور تدفین

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو جب آپؓ کی وفات کا علم ہوا تو دن چڑھنے کے بعد اپنی سواری پر سوار ہوئے اور مقامِ عقیق جا پہنچے اور جمعہ کی نماز ترک کر دی (یعنی ظہر کی نماز پڑھی)۔ (طبقات ابن سعد ۳/ ۳۰۲)

حضرت عائشہ بنت سعدؓ فرماتی ہیں کہ: حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت سعید بن زیدؓ کو غسل دیا اور حنوط لگایا، پھر گھر آکر غسل کیا، پھر باہر نکل کر لوگوں سے کہا کہ: ''میں نے ان کو غسل دینے کی وجہ سے غسل نہیں کیا؛ بلکہ شدتِ گرمی کی وجہ سے غسل کیا ہے''۔ (محض الشہید فی مناقب سعید بن زیدؓ: ۲۷۹-۲۸۰)

غسل سے فراغت کے بعد حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے آپؓ پر نمازِ جنازہ پڑھی، پھر آپؓ کی نعشِ مبارک کو مقامِ عقیق سے مدینہ منورہ لایا گیا۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ قبر میں اترے اور آپؓ کو سپردِ خاک کیا۔

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے	سبزۂ نورُستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

یہ تمام تفصیلات اکثر مؤرخین کے نزدیک ہیں؛ ورنہ علامہ ذہبیؒ نے واقدیؒ کے حوالے سے ذکر کیا ہے کہ اہلِ کوفہ کے بیان کے مطابق حضرت سعید بن زیدؓ کا انتقال کوفہ میں ہوا، اور حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی، پھر وہیں پر آپؓ کی تدفین عمل میں آئی۔

(تاریخ الاسلام ووفیات المشاہیر والاعلام، حوادث: ۴۱-۶۰ ہجری، ص: ۲۲۴)

ازواج واولاد

آپؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، جن سے بہت سے لڑکے، لڑکیاں پیدا ہوئیں، تمام کی تفصیلات مندرجۂ ذیل ہیں:

ازواج: ① فاطمہ ② ام الجمیل ③ جلیسہ بنت سوید ④ امامہ بنت الدجیج ⑤ حزمہ بنت قیس ⑥ ام الاسود ⑦ ضخ بنت اصبغ ⑧ بنت قربہ ⑨ ام خالد ⑩ ام نعمان ⑪ بشیر بنت ابی مسعود۔

لڑکے: ① عبدالرحمٰن اکبر ② عبدالرحمٰن اصغر ③ عبداللہ اکبر ④ عبداللہ اصغر ⑤ عمر اکبر ⑥ عمر اصغر ⑦ محمد ⑧ اسود ⑨ زید ⑩ طلحہ ⑪ خالد ⑫ ابراہیم اکبر ⑬ ابراہیم اصغر۔

لڑکیاں: ① عاتکہ ② ام موسیٰ ③ ام الحسن ④ ام سلمٰی ⑤ ام حبیب کبریٰ ⑥ ام حبیب صغریٰ ⑦ ام زید کبریٰ ⑧ ام زید صغریٰ ⑨ ام سعید ⑩ ام سلمہ ⑪ حفصہ ⑫ ام خالد ⑬ عائشہ ⑭ زینب ⑮ ام عبدالحولاء ⑯ ام صالح۔

(طبقات ابن سعد ۳/ ۳۰۰، ۳۰۱)

روایتِ حدیث

آپ رضی اللہ عنہ نے نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اڑتالیس احادیث روایت کی ہیں، صحابۂ کرام میں سے حضرت سیدنا عبد اللہ بن عمرؓ، حضرت سیدنا عمرو بن حریثؓ اور حضرت سیدنا ابو طفیلؓ وغیرہ اور تابعین میں سے ایک جماعت نے آپؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء بحوالہ سعید بن زید، الرقم:۱۱، ۳/۸۷۔تہذیب الاسماء واللغات للنووی بحوالہ سعید بن زیدؓ:۱/۲۱۱)

آپؓ سے مروی چند فرامینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۱۔رحم، رحمٰن سے بنا ہے، پس جو اس کو توڑے گا اللہ اس پر جنت کو حرام فرما دے گا۔(البحر الذخار ۴/ ۹۳،حدیث:۱۲۶۵)

۲۔ناحق کسی مسلمان کی بے عزتی کرنا سود سے بھی بڑا گناہ ہے۔(سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی الغیبۃ ۲/ ۸۰۳،حدیث:۴۸۷۶)

۳۔مجھ پر (نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر) جھوٹ باندھنا عام لوگوں پر جھوٹ باندھنے کی طرح نہیں ہے، یاد رکھو بے شک جو مجھ پر جھوٹ باندھے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔(مسند ابی یعلیٰ :۱/ ۴۱۴،حدیث:۹۶۲)

۴۔میرے بعد امت میں مردوں کے لیے سب سے زیادہ نقصان دہ عورتوں کا فتنہ ہے۔
(صحیح المسلم، کتاب الرقاق، باب اکثر اہل الجنۃ الفقراء،ص:۱۴۶۵،حدیث:۲۷۴۱)

۵۔ جو آدمی اپنے مال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو آدمی اپنے دین کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو آدمی اپنی جان کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے، اور جو آدمی اپنے اہلِ وعیال کی حفاظت کرتے ہوئے مارا جائے وہ شہید ہے۔

(سنن الترمذی، کتاب الدیات، باب من قتل دون مالہ فھو شہید: ۱/ ۶۰۶، حدیث: ۱۴۳۱)

اخلاق وعادات

خاندانی شرافت کا آپ رضی اللہ عنہ کے کردار پر گہرا اثر تھا، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں رہ کر شرابِ دو آتشہ بن گیا تھا، حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت نے آپ رضی اللہ عنہ کے اخلاق وکردار، رفتار وگفتار اور عادات واطوار میں نکھار پیدا کر دیا تھا، چناں چہ آپ رضی اللہ عنہ بھی دیگر اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح بے شمار اوصاف وکمالات اور خصائل وشمائل سے آراستہ تھے اور رضائے الٰہی کا ذریعہ بننے والی تمام صفات سے متصف تھے، منجملہ ان کے عبادت وریاضت، تقویٰ وطہارت، خوف وخشیت، رجوع وانابت، صبر واستقامت، صدق وعدالت، جود وسخاوت، اخلاص وللّٰہیت، بے باکی وشجاعت، علم وفقاہت، فہم وذکاوت، ذہانت وفطانت اور زہد وقناعت جیسے بلند وبالا اور قابل قدر اخلاق سے متصف تھے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ”سعید بن زید رضی اللہ عنہ کا دامنِ عمل کبھی معصیت کی آلودگیوں سے داغدار نہیں ہوا، اور وہ ہمیشہ اتباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کوشاں رہتے تھے“۔ (چالیس جانثار: ۷۶)

فضائل ومناقب

یوں تو تمام صحابۂ کرام کا درجہ اللہ رب العزت کے نزدیک بہت بلند و بالا ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معیارِ حق قرار دیا اور "رضی اللہ عنهم ورضوا عنه" کہہ کر دنیا ہی میں ان کو اپنی رضا وخوشنودی کا پروانہ عطا فرمایا؛ لیکن آپ رضی اللہ عنہ اس عموم میں بھی کچھ خصوص رکھتے تھے، مختصراً آپ رضی اللہ عنہ کے فضائل ومناقب ذکر کیے جاتے ہیں:

۱- آپ رضی اللہ عنہ ان خوش قسمت اور نیک بخت لوگوں میں سے ہیں جن کو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبانِ مبارک سے دنیا ہی میں جنت کی بشارت اور خوش خبری دی تھی، چناں چہ ایک دفعہ آپ رضی اللہ عنہ لوگوں کے مجمع کو مخاطب کر کے کہنے لگے: میں نو حضرات کے بارے میں شہادت دے سکتا ہوں کہ وہ جنت میں داخل ہوں گے، اور اگر میں دسویں کے بارے میں بھی گواہی دوں تو گنہگار نہ ہوں گا، پوچھا گیا: آپ یہ بات کیسے کہہ رہے ہو؟ تو آپ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ہم نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ غارِ حرا پر تھے کہ وہ حرکت کرنے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غارِ حرا کو خطاب کر کے فرمایا کہ: اے حرا! رُکا رہ؛ اس لیے کہ تیرے اوپر سوائے نبی یا صدیق یا شہید کے کوئی نہیں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو فرمانے لگے: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعد، عبدالرحمٰن بن عوف، اتنا کہہ کر راوی (آپ رضی اللہ عنہ) رک گئے، پھر پوچھا گیا کہ دسواں شخص کون ہیں؟

تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں۔ (ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب ابو الاعور واسمہ سعید بن زید بن عمرو بن نفیل: ۲/ ۵۶۱، حدیث: ۳۷۵۷)

۲۔غزوات کے بیان میں یہ بات گذر چکی کہ آپ رضی اللہ عنہ کو غزوۂ بدر کے مالِ غنیمت اور اجر وثواب میں سے حصہ ملا تھا، اس لحاظ سے آپ رضی اللہ عنہ ''بدریین'' کی فہرست میں شامل ہو گئے، جن کی عند اللہ مقبولیت اور مقام ومرتبہ کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا: ''لعل اللّٰہ اطلع إلیٰ أھل بدر فقال، اعملوا ما شئتم فقد وجبت لکم الجنة''۔ ترجمہ: تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ بدر کی طرف نظر فرمائی اور یہ کہہ دیا کہ جو چاہے کرو، جنت تمہارے لیے واجب ہو چکی ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب المعارف، باب فضل من شھد بدرا: ۲/ ۸۷۷، حدیث: ۲۸۳۹)

حضرت رفاعہ ابن رافع فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ جبرئیل امین علیہ السلام حضرت نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ سوال کیا کہ آپ اہلِ بدر کو کیا سمجھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: وہ سب سے افضل اور بہتر۔ جبرئیل امین علیہ السلام نے فرمایا: اسی طرح وہ فرشتے جو بدر میں حاضر ہوئے سب فرشتوں سے افضل اور بہتر ہیں۔

(صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب شھود الملائکة بدرا، ۲/ ۸۸۰، حدیث: ۳۸۴۸)

۳۔آپ رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے تھے جن کے بارے میں قرآنِ کریم

میں **مذکور** ہے کہ: رضي الله عنهم ورضوا عنه وأعد لهم جنّٰت تجري تحتها الأنهٰر خٰلدين فيها أبدا (التوبہ: ۱۰۰) ترجمہ: اللہ ان سب سے راضی ہو گیا ہے اور وہ اس سے راضی ہیں اور اللہ نے ان کے لیے ایسے باغات تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے۔ (توضیح القرآن)

مفسرین سلف کے اقوال ''السابقون الاولون'' کی تعیین میں مختلف ہیں، بعض نے کہا: وہ مہاجرین وانصار مراد ہیں جو ہجرت سے پہلے مشرف بہ اسلام ہوئے۔ بعض کے نزدیک وہ مراد ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں (کعبہ، بیت المقدس) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی۔ بعض کہتے ہیں کہ جنگِ بدر تک کے مسلمان ''سابقین اولین'' ہے۔ اور بعض حدیبیہ تک اسلام لانے والوں کو اس کا مصداق قرار دیتے ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو: تفسیر عثمانی: ۲۶۸)

بہر حال تمام اقوال کی رو سے آپ رضی اللہ عنہ اس بشارتِ عظمیٰ اور سعادتِ کبریٰ کے مستحق قرار پاتے ہیں۔

۴۔ آپ رضی اللہ عنہ کا شمار ان جلیل القدر اور عظیم المرتبت صحابہ میں ہوتا ہے جنہوں نے فتحِ مکہ سے قبل اپنی جان ومال کو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لٹا دیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد وقتال کیا، اس لحاظ سے آپ کا درجہ اور مرتبہ ان صحابۂ کرام سے قدرے بڑھ جاتا ہے جنہوں نے فتحِ مکہ کے بعد اسلام کی آغوش میں پناہ لی اور اس کی سربلندی وسرفرازی کے لیے اپنا مال ودولت نچھاور کرنے لگے، جیسا کہ قرآن

کریم میں آیا ہے: لا يستوي منكم من أنفق من قبل الفتح وقاتل، أولٰئک اعظم درجة من الذين أنفقوا من بعد وقاتلوا (الحديد: ١٠) ترجمہ: برابر نہیں تم میں سے جس نے خرچ کیا فتحِ مکہ سے پہلے اور لڑائی کی، ان لوگوں کا درجہ بڑا ہے ان سے جو کہ خرچ کریں اس کے بعد، اور لڑائی کریں۔ (معارف القرآن ۸/ ۲۹۴)

۵۔ آپؓ ان سعادت منداور نیک بخت صحابہؓ میں سے ہیں جنہوں نے بیعتِ رضوان میں شرکت فرمائی، جس میں شریک ہونے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی کا اعلان فرمایا۔ اور صحیح مسلم میں ام بشرؓ سے مرفوعاً روایت ہے: "لا يدخل النار أحد مما بايع تحت الشجرة"، یعنی جن لوگوں نے اُس درخت کے نیچے بیعت کی ہے ان میں سے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا۔

(معارف القرآن: ۸/ ۸۰)

ایک حیرت انگیز قصہ

آپ کی عند اللہ مقبولیت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک عورت نے (جس کا نام اروىٰ تھا) حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت میں آپؓ کے خلاف مدینہ کے اس وقت کے حاکم مروان کی عدالت میں دعویٰ کیا کہ "انہوں نے میری فلاں زمین دبالی ہے"۔ حضرت سعیدؓ کو اس جھوٹے الزام سے بڑا صدمہ پہنچا، انہوں نے مروان سے کہا: کیا میں اس عورت کی زمین دباؤں گا اور غصب کروں گا؟ جب کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا

ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے کہ: ’’جس شخص نے ظالمانہ طور پر کسی کی ایک بالشت زمین بھی غصب کرلی تو قیامت کے دن زمین کا وہ غصب کیا ہوا ٹکڑا ساتوں زمین تک طوق بنا کر اس ظالم کے گلے میں ڈالا جائے گا‘‘۔

یہ روایت آپؓ نے ایسے تأثر کے ساتھ اور ایسے انداز میں کہی کہ خود مروان بہت متأثر ہوا اور اس نے آپؓ سے کہا کہ: ’’اب میں آپ سے کوئی دلیل اور ثبوت نہیں مانگتا‘‘۔ اس کے بعد حضرت سعیدؓ نے (دکھے ہوئے دل سے) بد دعا کی کہ اے اللہ! اگر تو جانتا ہے کہ اس عورت نے مجھ پر جھوٹا الزام لگایا ہے تو اس کو آنکھوں کی روشنی سے محروم کردے اور اس کی زمین ہی کو اس کی قبر بنا دے۔

(واقعہ کے راوی حضرت عروہؓ کہتے ہیں کہ) پھر ایسا ہی ہوا، میں نے خود اس عورت کو دیکھا ہے کہ آخر عمر میں نابینا ہوگئی اور خود کہا کرتی تھی کہ: حضرت سعید کی بددعا سے میرا یہ حال ہوا ہے، اور پھر ایسا ہوا کہ وہ ایک دن اپنی زمین ہی میں چلی جارہی تھی کہ ایک گڑھے میں گر پڑی اور بس وہ گڑھا ہی اس کی قبر بن گیا۔

(معارف الحدیث، کتاب المناقب والفضائل ۸ / ۲۸۸)

خلاصۂ کلام

کس قدر مقبول تھے وہ پاکانِ خدا جنہیں دنیا ہی میں خدائے ذوالجلال کی رضامندی وخوشنودی کا پروانہ مل گیا، کیا ہی عظیم الشان تھیں وہ ہستیاں جن کا ذکر کرکے آج ہم بجا طور پر فخر محسوس کرتے ہیں اور کیا ہی عظیم المرتبت تھیں وہ

شخصیتیں جن کے نام وکام کو حوادثاتِ زمانہ اور انقلاباتِ دہر نہیں مٹا سکے۔

آہ! اب کون سی خاک ایسی ہے جوان جیسے پاکباز اور خداترس انسانوں کو جنم دے اور کون سا چراغ ایسا ہے جس کی روشنی میں اس کی نظیر ومثال تلاش کی جائے۔

آئے عشاق، گئے وعدۂ فردا لے کر		اب ڈھونڈ انہیں، چراغِ رخِ زیبا لے کر

اللہ تعالیٰ ان مقدس ومکرم ہستیوں کی محبت والفت ہمارے قلب وجگر میں پیوست فرمائے، اور تادمِ آخران کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

مراجع ومصادر:

① توضیح القرآن آسان ترجمۂ قرآن ② معارف القرآن ③ تفسیر عثمانی ④ بخاری شریف ⑤ مسلم شریف ⑥ ترمذی شریف ⑦ ابوداود شریف ⑧ معارف الحدیث ⑨ تاریخ الاسلام ووفیات المشاهیر والاعلام ⑩ طبقات ابن سعد ⑪ البدایہ والنہایۃ ⑫ اسد الغابۃ ⑬ الریاض النضرۃ ⑭ محض الشہید فی مناقب سعید بن زید ⑮ صور من حیاۃ الصحابہ ⑯ حیاۃ الصحابہ اردو ⑰ فضائل اعمال ⑱ سیر الصحابہ ⑲ زندگیاں صحابہ کی ⑳ اصحاب رسول اور ان کے کارنامے ㉑ اصحاب الرسول ㉒ چالیس جاں نثار ㉓ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے آنسو ㉔ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی وصیتیں اور آخری الفاظ۔

حضرت ابو عبیدہ عامر ابن الجراح رضی اللہ عنہ

از قلم: محمد اسامہ بن مظہر جھارکھنڈی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ غازی یہ تیرے پُر اسرار بندے		جنہیں تو نے بخشا ہے ذوقِ خدائی
دو نیم اِن کی ٹھوکر سے صحرا و دریا		سمٹ کر پہاڑ اِن کی ہیبت سے رائی

''اے محمد! آپ کے صحابہ میرے نزدیک آسمان کے ستاروں کے مانند ہیں، ہر ستارے میں نور ہے؛ لیکن بعض ستارے دوسروں سے زیادہ روشن ہیں''۔

[جمع الفوائد ۲/ ۲۰۱]

جس طرح ہر ستارے کی چمک دمک الگ اور نرالی ہے، ٹھیک اسی طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر صحابی کی شان اور ہر ایک کا انداز جدا اور نرالا ہے۔ کوئی صدیق ہے تو کوئی فاروق ہے، کوئی ذی النورین ہے تو کوئی حیدرِ کرار ہے، کوئی مؤذنِ رسول ہے تو کوئی کاتبِ رسول ہے؛ ستاروں کے اِس جھرمٹ میں جہاں کوئی رازدارِ رسول، مفسرِ امت اور فقیہِ امت ہے، وہیں ایک ٹمٹماتا ہوا؛ بلکہ جگمگاتا ہوا تارہ ''امینِ امت'' بھی ہے۔

کون امینِ امت؟ وہی جس نے اسلام کی خاطر اپنے باپ کو بھی قتل کرنے سے دریغ نہیں کیا، وہی جس نے بہ زبانِ رسالت اپنے جنت میں جانے کی خوش خبری سن لی تھی، وہی جس کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''دنیا نے ہم سب کو بدل دیا؛ مگر تمہیں نہ بدل سکی''، وہی جس کی سرکردگی میں پورا ملکِ شام فتح ہوا۔ آخر یہ کون ہیں جو اتنے عظیم مآثر و مفاخر، عمدہ اور پاکیزہ اخلاق کا مجسم پیکر ہے؟ تو

آیئے! ذرا ان کی حیاتِ طیبہ پر کچھ نظر ڈالتے چلیں۔

امینِ امتِ مرحوم کا جس نے لقب پایا		وہ جس نے کفر کی ناپاک دیواروں کو برمایا
انہیں کے آج ذکرِ خیر سے گلشن سجاؤں گا		انہیں کی مشک باراں یاد سے دامن بساؤں گا

مختصر تعارف واحوال

مکی ومدنی زندگی کے تناظر میں

نام ونسب

آپ کا نام: عامر، کنیت: ابوعبیدہ، لقب: امین الامت ہے۔ آپ کے والد کا نام: عبداللہ اور دادا کا نام: جراح ہے۔ آپ اپنی کنیت کے ساتھ دادا کی طرف منسوب ہوکر ''ابوعبیدہ ابن الجراح'' سے مشہور ہوئے۔ پورا سلسلۂ نسب اِس طرح ہے: عامر بن عبداللہ بن جراح بن ہلال بن اہیب بن ضبہ بن الحارث بن فہر۔ آپ کا نسب حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ ''فہر بن مالک'' میں جا کر مل جاتا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام: امیمہ بنت غَنْم بن جابر ہے اور اِسی فہری خاندان سے تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے متعلق محقَّق بات یہی ہے کہ انہوں نے اسلام کا زمانہ پایا ہے اور مشرف بہ اِسلام ہوئیں۔ [امین الامت: ۲۸۴]

حلیۂ مبارکہ

آپ دراز قد، اکہرے جسم، نہایت خوش شکل، ہنس مکھ چہرے، کم ریش

اور ایسے تیکھے خد وخال والے تھے کہ دیکھنے والوں کو سرور حاصل ہو، آپ سے ملاقات کرنے والے کی طبیعت مانوس ہو اور اُسے دلی سکون میسر آئے؛ اِس کے ساتھ ساتھ آپ خوش حال، منکسر المزاج اور بہت ہی شرمیلے تھے؛ لیکن جب کبھی کوئی اُفتاد آن پڑتی یا کوئی مشکل وقت آجاتا، تو پھر آپ شیر کی مانند چاق وچوبند ہوجاتے، آپ کے چہرے پر رعب اور دبدبے کے آثار ظاہر ہوجاتے، علاوہ ازیں آپ جلال وجمال کے پیکر، طبیعت کی تیزی اور اثر ونفوذ میں چمک دار تیز تلوار کی طرح تھے۔[صور من حیاۃ الصحابہ:۹۱]

پیشہ اور روزگار

پیشے کے لحاظ سے آپ ''گورکن'' تھے، ہجرت سے پہلے بھی قبر کی کھدائی کا کام کرتے تھے اور ہجرت کے بعد مدینۂ منورہ میں بھی مہاجرین کے لیے قبر کھودتے تھے؛ بلکہ جب آپ بلند اور اونچے مناصب پر فائز ہوگئے اور شام کے گورنر بن گئے، اُس وقت بھی آپ نے اپنا یہ پیشہ جاری رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال کے بعد جب قبر کھودنے کا مرحلہ آیا، تو چوں کہ اُس وقت مدینہ میں دو حضرات: ابوطلحہ رضی اللہ عنہ ''بغلی'' اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ''صندوقی'' قبر کھودتے تھے اور دونوں ہی صحابیٔ رسول تھے؛ اس لیے حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: ایک شخص ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس جائے اور ایک ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پاس، جو سب سے پہلے آئے گا، وہی اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کھودے گا۔ چناں چہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے پہنچ گئے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ

اُس وقت نہیں پہنچ پائے؛ اس لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر کھودنے کا شرف حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا۔[امین الامت:۲۷۹]

آغوشِ اسلام میں

حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ اُس وقت حلقہ بہ گوشِ اسلام ہوئے جب کہ مسلمانوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی۔ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ دینِ اسلام کی اشاعت میں شریک ہوگئے اور لوگوں کو ایک اللہ کی دعوت دینے لگے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کی دعوت پر اسلام قبول کرنے والوں میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بھی ہیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ چار صحابی: حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ، حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کو لے کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور ان لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دستِ بابرکت پر اسلام قبول کیا۔ اسی وجہ سے آپ رضی اللہ عنہ ان سابقینِ اولین میں سے کہلائے، جن پر قصرِ اسلام کی بنیاد رکھی گئی۔[امین الامت:۴۸]

ہجرت کا شرف

چوں کہ اسلام نے اپنی آنکھیں اُس ماحول میں کھولیں جہاں کی فطرت میں جمود کی کائیاں جمی تھیں، شرک و بت پرستی جن کا شیوہ تھا، پیشوائیت و آبا پرستی جن کا مذہب تھا، خود ساختہ عز و شرف اور خواہشات و مصالح کی مسندوں کو چھوڑنا

اُن کی ''اَنا'' کو گوارا نہ تھا؛ اس لیے وہ مرنے مارنے پر تُل گئے، ظلم وتشدد پر اتر آئے، گنے چنے اہلِ اسلام پر زور وستم کے پہاڑ توڑے جانے لگے اور اس ننھے چراغ کی لَو ہمیشہ کے لیے گل کرنے کی انتھک کوششیں کی جانے لگیں۔ جب صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا جینا دوبھر ہو گیا، تو پھر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کی اجازت عطا فرمائی، جس کے نتیجے میں بارہ مرد اور چار عورتوں پر مشتمل ایک قافلہ روانہ ہوا؛ لیکن کچھ دن کے بعد انہیں یہ اطلاع ملی کہ قریش کے سارے لوگ مسلمان ہو چکے ہیں اور فضا اب بالکل ہموار ہے؛ یہ خبر سن کر وہ لوگ مکہ واپس آ گئے، یہاں آ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی۔ اِدھر کفارِ مکہ کا ظلم وستم اور زیادہ بڑھتا گیا، مکہ کی زمین مسلمانوں پر تنگ کر دی گئی، بالآخر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسری مرتبہ ہجرتِ حبشہ کا مشورہ دیا۔ اِس بار تراسی مرد اور اٹھارہ عورتوں کا قافلہ حبشہ کی جانب روانہ ہوا، اِسی دوسرے قافلے کے ساتھ حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ نے بھی ہجرت فرمائی۔ [طبقات ابن سعد: ۳/۳۹۸، امین الامت: ۴۹]

علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ''ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے حبشہ چلے تو گئے؛ مگر زیادہ دن نہیں رہے'' [امین الامت: ۴۸]؛ بلکہ مکہ واپس آ گئے؛ اس لیے کہ آپ تو عاشقِ رسول تھے، اپنے حبیب سے مہجوری اور دیدارِ نبی سے محرومی کے غم کو کب تک برداشت کر سکتے تھے!

پھر کچھ دن کے بعد جب نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مدینۂ منورہ

ہجرت کی اجازت ملی، تو حضرت ابوعبیدہؓ ہجرت کرکے مدینۂ منورہ چلے گئے؛ گویا آپ اُن خوش نصیبوں میں سے ہیں جنہیں دو مرتبہ ہجرت کی سعادت ملی، پہلی بار حبشہ کی طرف اور دوسری بار مدینۂ منورہ کی طرف۔

آپ کا رشتۂ اخوت

جب مہاجرین ہجرت کرکے مدینہ پہنچے تو انصار نے دل کھول کر اُن کا اکرام کیا، جذبۂ ایثار و محبت میں اپنا سامان اُن کے آگے نچھاور کردیا، اپنے گھروں کے دروازے اُن کے لیے کھول دیے اور ہر صاحبِ استطاعت نے چند ایک مہاجرین کو اپنے گھر رکھ لیا، پھر جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کرکے مدینۂ منورہ تشریف لے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کے درمیان باقاعدہ مواخات و بھائی چارگی قائم کرادی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوعبیدہؓ کو حضرت ابوطلحہؓ کے ساتھ اسلامی اخوت میں پرو دیا اور حضرت ابوطلحہؓ آپ کے اسلامی بھائی قرار پائے۔[مسلم شریف باب مؤاخاۃ النبی؛ مسند احمد۔ بہ حوالہ البدایۃ والنہایۃ: ۳/۲۵۸]

غزوۂ بدر میں شرکت

جاں بازی کا ثبوت اور جوشِ توحید کا مظاہرہ باپ کے قتل کی شکل میں

مشرکینِ مکہ نے مدینہ پہنچنے کے بعد بھی مسلمانوں کو چین سے بیٹھنے نہ دیا، طرح طرح کی دھمکیاں دیں، پیغام بھجوایا کہ: ”تم لوگ اِس بات پر مغرور نہ ہو کہ تم صحیح سلامت مکہ سے نکل آئے، ہم مدینہ پہنچ کر تمھاری خبر لیں گے“۔ سعد بن

معاذ رضی اللہ عنہ عمرہ کے لیے مکہ آئے تو ابوجہل نے اُن سے بڑی رَعونت سے کہا کہ: ''سعد! تم ہمارے دشمنوں کو اپنے یہاں پناہ دیتے ہو اور پھر یہاں اطمینان کے ساتھ عمرہ کرتے ہو؟ خدا کی قسم! اگر تم امیہ بن خلف کے مہمان نہ ہوتے، تو اپنے اہل وعیال کے پاس زندہ نہ پہنچ پاتے''۔ کبھی عبداللہ بن اُبی اور اُس کے ہم نواؤں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور پیروانِ حق کے خلاف اُکسایا گیا اور کبھی یہودیوں سے سانٹھ گانٹھ کر کے سازشوں کے تانے بانے بُنے گئے۔ [امین الامت: ٦٧، ٦٨]

گویا تسلسل کے ساتھ قریش کی جارحیت سامنے آتی رہی اور مدینہ کی اِس چھوٹی سی جماعت کی نَوتشکیل حکومت کے خلاف، اُس کے عقیدے ونظریے کے خلاف ہلا بولنے اور جذبات میں آگ لگانے کا عمل جاری رہا، نوبت بہ ایں جا رسید کہ حق و باطل کی کشمکش یہاں پہنچ کر تیز وتند تلوار کی دھار بن گئی، جنوب کی سَمت سے آنے والی سرخ وسیاہ گھٹائیں کہہ رہی تھیں کہ: اہلِ ایمان کو چرکے لگانے کی پوری کوشش ہورہی ہے، زبانِ حال کہے دیتی تھی کہ: اب میدانِ جنگ میں تلواریں ہی یہ فیصلہ کریں گی کہ زندگی کا صحیح استحقاق کس کو ہے؟ آیا بے شمار بتوں کے پجاریوں کو یا خدائے واحد کے پرستاروں کو؟ اور یہ فیصلہ کن گھڑی ''بدر'' کے مقام پر معرکۂ کارزار کی شکل میں سامنے آئی۔

جب حق و باطل کا پہلا معرکہ بپا تھا، اسلام اور جاہلیت باہم گتھم گتھا تھے، ایک طرف ابوبکر رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اُن کے بیٹے: عبدالرحمن آئے، عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلے

میں اُن کے ماموں: ہشام آئے، عقبہ کے مقابلے میں ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ نکلے اور مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ۔ جو اُس وقت اسلامی فوج کی علَم برداری کر رہے تھے۔ کے مقابلے میں اُن کا حقیقی بھائی: ابن عمیر آیا، تو دوسری طرف ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اُن کے والد: عبداللہ آئے، جو اُس وقت زندہ تھے اور کفارِ قریش کی طرف سے لڑ رہے تھے۔ اِدھر حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ نے اپنی شجاعت و بہادری کا ثبوت پیش کرتے ہوئے کفار کی صفوں میں کھلبلی مچا دی، جِدھر رخ کرتے، کفار دم دبا کر بھاگتے، جنگ کے دوران اُن کے والد عبداللہ بار بار ان کے سامنے آتے رہے اور اپنے لختِ جگر کو نشانہ بنانے کی تاک میں لگے رہے، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اگرچہ اُن کے کفر سے بیزار تھے؛ لیکن دل سے یہ پسند نہ کرتے تھے کہ اُن پر اپنے ہاتھ سے تلوار اٹھانی پڑے؛ اس لیے تھوڑی دیر تک طرح دیتے رہے، جب کبھی وہ سامنے آ کر مقابلہ کرنا چاہتے تو یہ کترا جاتے؛ مگر جب انہوں نے دیکھا کہ وہ باز نہیں آ رہے ہیں اور پیچھا نہیں چھوڑتے، تو بالآخر انہیں مقابلہ کرنا ہی پڑا اور جب مقابلہ سر پر آ ہی گیا، تو جوشِ توحید نسبی تعلق اور خونی رشتے پر غالب آ گیا اور اللہ سے جو رشتہ قائم تھا اُس کی راہ میں حائل ہونے والا ہر رشتہ ٹوٹ گیا، باپ بیٹے کے درمیان تلوار چلی، ایمان کفر پر غالب آ گیا اور ایک ہی ہاتھ میں بیٹے نے باپ کا کام تمام کر دیا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے سراہتے ہوئے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَاۗءَهُمْ اَوْ اَبْنَاۗءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ۭ اُولٰۗىِٕكَ كَتَبَ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ترجمہ: جولوگ اللہ اور آخرت کے دین پر ایمان رکھتے ہیں، اُن کو تم ایسا نہیں پاؤ گے کہ وہ اُن سے دوستی رکھتے ہوں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی ہے، چاہے وہ اُن کے باپ ہوں یا اُن کے بیٹے یا اُن کے بھائی یا اُن کے خاندان والے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا ہے اور اپنی روح سے اُن کی مدد کی ہے۔ (توضیح القرآن: ۱۱۵۸)

(الاصابہ: حرف العین المھملۃ: ۲ / ۲۴۴)

غزوۂ اُحد میں آپ کی ثابت قدمی اور عشقِ رسول میں دانت کی قربانی

غزوۂ اُحد کے موقع پر جب گھمسان کا رَن پڑا، تیراندازوں سے سرزد ہونے والی عظیم ترین چوک کے سبب میدانِ کارزار کا منظر...... بس! ایک حشر بپا تھا، قیامتِ صغریٰ کا سا سماں تھا، دشمن نے اِس نازک وحساس ناکے کو خالی پڑا دیکھا تو آگ وخون کا حملہ کر دیا، مجاہدین میں ایسی سراسیمگی اور افراتفری پھیلی کہ ہوش وحواس ٹھکانے نہ رہے، حبیبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دشمن کے نرغے میں آ گئے، دشمن کے تابڑ توڑ حملے سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندانِ مبارک شہید ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرۂ انور زخمی ہو گیا، ابنِ قمئہ نے وار کیا تو خَود کی دو کڑیاں ٹوٹ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جبڑے میں پیوست ہو گئیں، ایسے سخت ماحول میں کچھ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم آگے بڑھے، اپنی جان کی بازی لگاتے ہوئے دشمنوں کے مقابلے میں سینہ سپر ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو

گھیرے میں لے لیا اور مشرکین کی طرف سے آنے والے نیزوں اور تیروں کو اپنے سینوں پر لینے لگے، اِن ہی ثابت قدم رہنے والوں اور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دِفاع کرنے والوں میں حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی ذاتِ گرامی بھی ہے۔

جب جنگ کے شعلے سرد ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: چوں کہ ابن قمئہ کے وار کی وجہ سے مِغفَر کے دو حلقے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رخسارِ مبارک میں چبھ گئے تھے؛ اس لیے میں آگے بڑھا اور نکالنا چاہا تو ابوعبیدہ فوراً بول پڑے: ''أسألك باللّٰهِ ياأبابكر! ألاتر كتَني، فأنزِعَه من وجنة رسول اللّٰه صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' ابوبکر! خدا کے واسطے یہ خدمت مجھے کر لینے دو۔ میں رُک گیا، اس کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے - یہ سوچ کر کہ اگر ہاتھ سے کھینچ کر نکالتا ہوں تو میرے محبوب کو تکلیف ہوگی - اپنے دانتوں سے پکڑ کر نکالا۔ اِس کشمکش میں خَود کی دونوں کڑیوں کو نکالتے نکالتے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے سامنے کے دو دانت گِر گئے۔

دانت گر جانے سے عموماً چہرے کے حسن میں فرق آ ہی جاتا ہے؛ مگر دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے دانت گر جانے سے اُن کے حسن میں کمی آنے کے بجائے اضافہ ہو گیا تھا، خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے: ''فكان أبوعبيدة في الناسِ أثرمَ'' کوئی شخص جس کے سامنے کے دانت گرے ہوئے ہوں، ابوعبیدہ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا گیا۔ [طبقات ابن سعد: ۳/۲۹۸]

حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ نے جب سے اسلام قبول کیا اور نبیٔ اکرم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اختیار کی، اُس وقت سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا سے پردہ فرما جانے تک بغیر کسی استثنا کے تمام غزوات اور لڑائیوں میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔

چناں چہ ۴ھ یا ۵ھ میں غزوۂ خندق اور بنو قریظہ کی سرکوبی میں بھی سرگرمِ پیکار رہے، پھر ٦ھ میں جب قبیلۂ ثعلبہ اور انمار نے قحط زدہ ہو کر اطرافِ مدینہ میں غارت گری شروع کی، تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی اِمارت میں چالیس آدمیوں کو روانہ فرمایا۔ چناں چہ انہوں نے ربیع الثانی کے مہینے میں ڈاکوؤں کے مرکزی مقام ''ذی القصہ'' (جو مدینۂ منورہ سے مشرقی جانب میں تقریباً بارہ گھنٹے کی مسافت پر ہے) پر چھاپہ مار کر ان کو پہاڑوں میں منتشر کر دیا اور بہت سا مالِ غنیمت لے کر لوٹے۔ [امین الامت:۹۰]

اِسی سال بیعتِ رضوان میں بھی شریک ہوئے؛ بلکہ مقامِ حدیبیہ میں قریشِ مکہ سے جو عہد نامہ طے پایا، اُس میں اُن کی بھی شہادت درج تھی۔

[سیر الصحابہ:۲/١٦٦]

فتحِ مکہ میں شرکت اور ایک فاتح فوج کے حصہ کی سرداری

۸ھ میں جب فتحِ مکہ کا واقعہ پیش آیا اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمتوں اور برکتوں کے سایے میں دس ہزار مجاہدین کا لشکر مدینے سے ''بلدِ امین'' کی طرف چلا ہے، تو اللہ کے پرستاروں کا ہر طبقہ تنظیم و ترتیب کا ایک بے نظیر نمونہ بن کر حجاز

کے ریگ زاروں میں موجزن تھا، آگے پیچھے بالکل سیدھی قطار میں ہر قبیلے کی فوج، شتر سواروں کی فوج، گھڑسواروں کی فوج، تیراندازوں کی فوج، شمشیر زنوں کی فوج، زرہ پوشوں اور غیر زرہ پوشوں کی فوج کعبۂ ابراہیمی کے شہر کی طرف رواں دواں تھی، اِن افواج میں غیر زرہ پوش حصے کے قائد وامیر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''وبعَثَ أباعبيدةَ على الحُسَّرِ'' آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر زرہ پوشوں پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو امیر بنایا۔

[مسلم شریف: ۱۷۸۰، بہ حوالہ اصحابِ رسول اور اُن کے کارنامے: ۲/۳۲۱]

اِس روایت سے معلوم ہوا کہ شہرِ مکہ کی فاتح فوج میں آپ رضی اللہ عنہ نہ صرف شامل تھے؛ بلکہ اُس کے ایک حصے کی سرداری کررہے تھے اور وہ غیر زرہ پوش اصحاب کا حصہ تھا۔

ایک سریے میں روانگی پر فراقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غم کا اظہار

ہجرتِ نبوی کے چند ماہ بعد وادئ نخلہ کے ساکنوں نے قریشیوں کے اکسانے اور بہکانے سے مضافاتِ مدینہ میں ایک آدھ جگہ لوٹ مار کی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کے خلاف مجاہدین کا ایک دستہ بھیجنے کا اِرادہ فرمایا اور اُس کی قِیادت حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کے سپرد کی، آپ کے قلب ودماغ پر حُبِّ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اِس درجہ غلبہ تھا کہ اِس مہم پر روانگی کے وقت آپ کی آنکھیں بھر آئیں، قائدِ اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دریافت فرمایا: ''ابوعبیدہ! کیا بات ہے؟'' عرض

کیا: حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہو جاؤں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چند روزہ فراق بھی میرے دل پر سخت گراں ہے۔ فرمایا: ''اچھا! تم ٹھہرو!''، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کو اِس مہم کا سربراہ بنا کر بھیج دیا۔ [اصحابِ رسول اور اُن کے کارنامے: ۲/ ۳۱۸]

سریۂ ذات السلاسل اور اتباعِ رسول کی ایک جھلک

۷ھ میں جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتحِ خیبر سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ اطلاع ملی کہ قُضاعہ کے کچھ لوگ اطرافِ مدینہ پر حملہ کرنے کے اِرادے سے اکٹھا ہوئے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کو بلا کر جھنڈا اُن کے ہاتھ میں دیا اور تین سو مجاہدین کے ساتھ اُن کو ''ذات السلاسل'' کی طرف روانہ فرمایا۔ وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے؛ اس لیے انہوں نے دربارِ رسالت سے کمک طلب کی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی زیرِ اِمارت دو سو صحابہ رضی اللہ عنہم روانہ فرمائے۔ اِس امدادی فوج کی اہمیت کا اندازہ اِس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اِس میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم شامل تھے اور جاتے وقت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ تاکید کی تھی کہ: ''ابوعبیدہ! تم لوگ آپس میں اختلاف نہ کرنا''۔ غرض جب یہ فوج حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کی فوج کے ساتھ مل گئی تو قدرتاً اِمامت وسپہ سالاریٔ عام کی بحث پیدا ہوئی، حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا کہ: ابوعبیدہ! امیر وسپہ سالار تو میں ہی رہوں گا، تم تو صرف میری مدد کے لیے آئے ہو۔ اس پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: نہیں! قائدِ عام

کوئی نہیں رہے گا، تم اپنی فوج کے امیر رہو، میں اپنی فوج کا؛ لیکن حضرت عمرو کہنے لگے کہ: نہیں! قائدِ عام ہوگا اور وہ میں ہی رہوں گا۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ بے چارے سیدھے سادے نرم طبیعت والے آدمی تھے، کہنے لگے کہ: عمرو! دیکھو! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے تاکیدی حکم دیا تھا کہ: ''تم لوگ جھگڑا مت کرنا''؛ اس لیے اگر تم میری بات نہیں مانتے، تو کوئی حرج نہیں، میں تمہاری بات مان لیتا ہوں۔ اِس طرح انہوں نے حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے اصرار پر اِطاعت کا طوق اپنے گلے میں ڈال لیا اور نہایت کامیابی کے ساتھ جہاد کر کے غنیم کو زیروزبر کر دیا۔

[فتح الباری، تحت رقم الحدیث: ۴۳۵۸]

اِطاعت میں رسول اللہ کی، اپنی سعادت ہے
اُنہیں کی اِتباع میں باغِ جنت کی بشارت ہے

سبحان اللہ! کیا جذبہ تھا اِطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہ محبوب نے ایک جملہ: ''لاتختلفا'' کہہ دیا اور انہوں نے اس کا عملی ثبوت پیش کر کے دکھا دیا کہ حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں اپنی جلالتِ شان وعلوِّ مرتبت کے باوجود صرف اِس بنا پر کہ محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وصیت ہے، طوقِ اطاعت اپنے گلے میں ڈال لیا اور ہمیں یہ پیغام دے گئے کہ اختلاف وتنازع ۔جس سے ملتِ بیضا کا شیرازہ بکھر کر رہ جاتا ہے ۔ میں پڑ کر مقصودِ اصلی کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے؛ اس لیے کہ اللہ کی راہ میں نکلنے والوں کے پیشِ نظر اِمارت وقیادت، بلند

مناصب اور اونچے مراتب نہیں ہوتے؛ بلکہ اُن کا ہدفِ اصلی رضائے خداوندی کا حصول، دین کی خدمت اور راہِ خدا میں شوقِ شہادت ہوا کرتا ہے، چاہے وہ سپہ سالارِ عام ہو یا ایک معمولی سپاہی۔

سریۂ سیفُ البحر اور رزقِ خداوندی

۸ھ میں ایک دوسری مہم نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہؓ کی زیرِ قیادت تین سو مجاہدین کے ہمراہ بحرِ احمر کے ساحلی علاقے کی طرف روانہ کی؛ تاکہ قریشی قافلوں کی نقل وحرکت کا پتہ چلائیں، سامانِ رسد میں صرف کھجوریں ساتھ تھیں، سالارِ قافلہ حضرت ابوعبیدہؓ روزانہ ایک ایک کھجور مجاہدین میں تقسیم کر دیتے۔ کسی نے راویٔ حدیث حضرت جابر بن عبداللہؓ سے پوچھا کہ: ایک ایک کھجور سے آپ لوگوں کی کیا بھوک مٹتی ہوگی؟ کیسے کھاتے ہوں گے ایک ایک کھجور؟ تو حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ: جس طرح ایک شیر خوار بچہ اپنی ماں کے پستان سے منہ لگا کر چوستا ہے، اسی طرح ہم کھجور چوس لیا کرتے تھے اور اُس پر پانی پی لیتے تھے، اِس طرح ایک دن کے لیے ہمیں یہ کافی ہو جاتا تھا، اِس کا احساس اُس وقت ہوا جب کہ وہ ایک کھجور بھی ختم ہوگئی۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ: رفتہ رفتہ سارا توشہ ختم ہوگیا، بھوک سے بے تاب و بے چین ہوگئے، نوبت بہ اِیں جا رسید کہ درختوں کے پتے توڑ کر کھانے پڑے، بالآخر ایک روز ہم دریا کے کنارے پہنچے، بھوک سے بالکل بے حال تھے، یکا یک ایک غیبی عنایت کا کرشمہ ظاہر ہوا اور ایک

عظیم الشان ''عنبر'' نامی مچھلی مل گئی۔ پہلے تو امیرِ کارواں نے کہا کہ: یہ تو مردار ہے (اس لیے ہمیں نہیں کھانا ہے) پھر خود ہی فرمایا کہ: نہیں! ہم تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قاصد ہیں اور اللہ کے راستے میں نکلے ہوئے ہیں اور انتہائی مجبوری کی حالت ہے؛ اس لیے کھاؤ۔ راوی کہتے ہیں کہ: تقریباً اٹھارہ دن تک ہم تین سو افراد نے اس پر گذر اوقات کی اور اللہ کی برکت سے ہماری صحت خوب بحال ہوگئی اور ہم بالکل موٹے اور تر و تازہ ہو گئے۔

راوی کا بیان ہے کہ: اِس ''عنبر'' مچھلی کی ضخامت کا یہ عالم تھا کہ ہم تیس افراد مل کر اُس عنبر مچھلی کی آنکھ کے سوراخ سے بڑے بڑے مٹکوں کے ذریعے تیل (چربی) نکالا کرتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اُس مچھلی کی ایک ہڈی کو لے کر زمین میں گاڑ دیا اور ہم میں جو شخص سب سے اونچے اونٹ والا تھا اس سے فرمایا کہ: اِس کے نیچے سے پار ہو جاؤ۔ ہم نے دیکھا کہ وہ بہ آسانی اس کے نیچے سے گذر گیا۔ جب ہم فتح یاب ہو کر مدینۂ منورہ واپس آئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پورا واقعہ سنایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: وہ تو اللہ کا رزق تھا، جو اُس نے تمہارے لیے مہیا کیا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بھئی! اگر اس میں سے کچھ بچا کھچا ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ چناں چہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اُس کا گوشت پیش کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس میں سے تناول فرمایا۔

[بخاری شریف: ۴۳۶۱، الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، جلد دوم، باب ۱۰، صفحہ: ۳۰۹]

اِس واقعے سے مجھے یہ بتلانا مقصود ہے کہ حضرت ابوعبیدہؓ عہدِ نبوی ہی سے اِمارت وسپہ سالاری کے فرائض انجام دے رہے ہیں، جس سے اُن کی فوجی وعسکری مہارت اور انتظامی امور میں اُن کی لیاقت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ چناں چہ جب مجاہدین کا توشہ ختم ہونے لگا۔اور بعضوں کا تو بالکلیہ ختم ہو ہی چکا تھا۔ تو آپؓ نے تمام کے پاس سے توشہ لے کر ایک تھیلی میں جمع کر دیا، پھر اس میں سے تمام مجاہدین کے درمیان برابر سرابر تقسیم کرنے لگے۔ اِس کا فائدہ یہ ہوا کہ مجاہدین کی ایک اچھی خاصی تعداد ہلاک ہونے سے بچ گئی اور تھوڑے سے توشے کو زیادہ دن تک استعمال کیا جاسکا۔ نیز سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ فقر وفاقہ، فقدانِ معاش اور بے سروسامانی راہِ خدا میں اُن کے قدموں کو متزلزل نہ کرسکی۔

سقیفۂ بنی ساعدہ میں

۱۰ھ میں نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے، حضرت ابوعبیدہؓ بھی آپ کے ہم رِکاب تھے، اِس سفر سے واپسی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال کے بعد سقیفۂ بنی ساعدہ میں صحابۂ کرامؓ کا اجتماع ہوا اور خلافت کے سلسلے میں تنازع پیدا ہوگیا؛ لیکن صلحائے امت کی کوشش سے بہت جلد فرو ہوگیا، اِس آتشِ خرمن سوز کو بجھانے میں حضرت ابوعبیدہؓ کی کوششیں کسی سے کم نہ تھیں۔ چناں چہ انھوں نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا: ’’یامعشرَ الأنصار! إنکم کنتم أولَ من نصرَ، فلا تکونوا أولَ من غیر‘‘ اے

گروہِ انصار! تم نے ہی سب سے پہلے امداد واعانت کا ہاتھ بڑھایا تھا، اَب تم ہی سب سے پہلے افتراق واختلاف کے باعث نہ بنو۔[سیر الصحابہ:۲/ ۱۶۸]

پھر جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خطبہ دیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ:......

دیکھو! یہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ موجود ہیں، جن کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: خدا نے اُن کی ذات سے دینِ اسلام کو عزت بخشی ہے۔ یہ دیکھو! ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ موجود ہیں، جن کو ''امین الامت'' کا خطاب عطا کیا گیا ہے، ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو؛ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں کسی اور پر اتفاق ہونے کا سوال ہی نہ تھا؛ اس لیے تمام مسلمان آپ ہی پر متفق ہوگئے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دوسرے یا تیسرے نمبر پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت کا شرف حاصل کیا؛ مگر اِس موقع پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا نام حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیش ہونا واضح کرتا ہے کہ جلیل القدر صحابہ میں آپ رضی اللہ عنہ کا مقام کیا تھا۔

[الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، جلد دوم، باب:۱۰، صفحہ:۳۱۰۔ سیر الصحابہ:۲/ ۱۶۸]

شام کی فتوحات میں آپ رضی اللہ عنہ کا عظیم کارنامہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسند نشینی کے بعد ۱۳ھ میں ملکِ شام کو فتح کرنے اور روم سے جنگ کرنے کے لیے لشکر روانہ کرنے کا اہتمام فرمایا۔ چناں چہ آپ نے چار صحابۂ کرام: یزید بن ابی سفیان، شرحبیل بن حسنہ، عمرو ابن العاص اور ابوعبیدہ رضی اللہ عنہم کو بلا کر ملکِ شام کی قیادت سپرد کی اور پھر سب کو ہدایت دیتے

ہوئے یہ فرمایا کہ: میں نے تمہیں شام پر لشکر کشی کے لیے تیار کیا ہے اور تمہیں قائد بنایا ہے، ہر ایک کے ساتھ جتنے افراد مناسب ہوں گے روانہ کردوں گا اور جب تم سب کسی ایک جگہ جمع ہو جاؤ تو ابوعبیدہ سپہ سالارِ عام ہوں گے۔[امین الامت:۱۴۰]

بہر حال! حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مکمل تیاری کے بعد ۷/شعبان ۱۳ھ میں حضرت ابوعبیدہؓ کو روانہ فرمایا، حضرت ابوعبیدہؓ نے مدینۂ منورہ سے کوچ کیا، راستے میں اُن کا گذر وادیٔ قریٰ، حجر (مدائن صالح)، ذات المنار سے ہوا اور پھر وہاں سے مآب پہنچے، تو روم کی ایک فوج آپ کے آڑے آگئی اور اُن کے ساتھ مقابلہ ہوا، مقابلے کی تاب نہ لاکر یہ فوج شہر میں گھس گئی، مسلمانوں نے ان کا محاصرہ کیا، بالآخر اہلِ مآب نے صلح کی پیش کش کی اور صلح ہوگئی۔ یہ ملکِ شام کا سب سے پہلا شہر تھا، جس نے مسلمانوں کے ساتھ صلح کی۔ اس کے بعد حضرت ابوعبیدہؓ نے ''جابیہ'' کا رُخ کیا۔

اِدھر شاہِ روم ہرقل کو اُن کی ساری نقل وحرکت کی اطلاع مل رہی تھی، وہ اُس وقت فلسطین میں تھا، اُس کے درباریوں نے اُس سے کہا کہ: عرب کے لوگ پوری جمعیت کے ساتھ تم پر چڑھائی کرنے والے ہیں اور اُن کا یہ کہنا ہے کہ: ہمارے نبی نے ہمیں یہ پیشین گوئی دی ہے کہ ہم اِس ملک پر قابض ہو کر رہیں گے، اُن کو اپنے نبی کی بات پر اتنا یقین ہے کہ وہ اپنے ساتھ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کو بھی لے کر آئے ہیں؛ تاکہ فتح کے بعد یہیں فروکش ہو جائیں۔

چناں چہ ہرقل فلسطین سے نکل کر ''انطاکیہ'' پہنچا اور اسی کو اپنا ہیڈکوارٹر بنالیا اور روم سے بہت بڑی تعداد میں فوج منگوالی۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو جب اس کی اطلاع ملی تو انہوں نے رمضان المبارک ۱۲ھ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے نام یہ خط بھیجا کہ: مجھے اطلاع ملی ہے کہ شاہِ روم ہرقل شام کے ایک شہر انطاکیہ میں مقیم ہے اور اپنے دارالسلطنت سے خاصی تعداد میں فوج منگوالی ہے۔ میں صرف آپ کو اِس پر مطلع کرنا چاہتا ہوں اور اِس سلسلے میں آپ کی رائے کا منتظر ہوں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواباً تحریر فرمایا کہ:

''امابعد! مجھے تمہارا خط مل گیا ہے...... ہرقل کا انطاکیہ میں رہنا؛ یہ اس کی شکست کا باعث بنے گا...... تم اپنے لشکر کے ساتھ اُن سے مقابلہ کرنا اور گھبرانا مت، اللہ تمہارے ساتھ ہے، میں بھی کمک بھیج رہا ہوں''۔ [امین الامت:۱۴۸]

پھر اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے نام۔ جو اُس وقت عراق کی مہم پر مامور تھے۔ خط روانہ کیا کہ: ''السلام علیکم!...... میں تمہیں مسلمانوں کے لشکر پر سپہ سالار مقرر کر کے رومیوں سے جنگ کا حکم دیتا ہوں، تم اللہ کی مرضی ڈھونڈنے اور خدا کے دشمنوں کو قتل کرنے میں جلدی کرو...... میں تمہیں ابوعبیدہ نیز اس کی فوج پر حاکم مقرر کرتا ہوں۔ والسلام علیک''۔ [فتوح الشام:۵۰]

فتحِ بُصری واَجنادین

چناں چہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ خط پاکر راستے میں چھوٹے چھوٹے

علاقوں کو فتح کرتے ہوئے شام پہنچے اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر ۲۵/ربیع الاول ۱۳ھ کو شہر بُصری فتح کرلیا۔ اس کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ وحضرت خالد رضی اللہ عنہ نے دمشق کا رخ کیا۔ ابھی یہ دونوں حضرات دمشق کی راہ میں آنے والی فوجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے آگے بڑھ ہی رہے تھے کہ جاسوسوں نے آکر اطلاع دی کہ روم کا ایک بہت بڑا لشکر اَجنادین کے مقام پر خیمہ زن ہوچکا ہے۔ چناں چہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ وحضرت خالد رضی اللہ عنہ نے مل کر مشورہ کیا اور یہ رائے طے پائی کہ ابھی فوری طور پر اجنادین ہی کا رخ کرنا چاہیے، جہاں رومی لشکر موجود ہے اور اِن دونوں حضرات نے دیگر تمام اسلامی فوجوں کو اجنادین کے مقام پر جمع ہونے کا حکم نامہ بھیج دیا۔ جب تمام اسلامی فوجیں اجنادین کے مقام پر مجتمع ہوگئیں تو دونوں فوجوں کے درمیان ۲۷/جمادی الاولی ۱۳ھ کو زبردست مڈبھیڑ ہوئی، جس میں رومیوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ اور مسلمانوں کی تیس ہزار تھی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد فرمائی اور رومی لشکر شکست کھا کر تتر بتر ہوگیا۔ [امین الامت: ۱۷۴]

وفاتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اِدھر مسلمان اپنی مہم میں مشغول تھے کہ ۱۱/جمادی الثانی ۱۳ھ میں خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور فاروقِ اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے (چوں کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنی حیات ہی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنادیا تھا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ شام میں جتنے لشکر موجود

تھے، حضرت خالد کو معزول کر کے اُن تمام کو ایک ہی امیر حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ کی قیادت میں کر دیا۔

آپ رضی اللہ عنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھنا اور فتحِ دمشق کی بشارت دینا

جس رات آپ رضی اللہ عنہ نے دمشق والوں سے مصالحت کی تھی (جس کا تذکرہ آگے آرہا ہے) اُس روز آپ نے یہ خواب دیکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمارہے ہیں: ''تُفتَحُ المدینةُ إن شاء اللّٰہ تعالی في ھذہ اللیلة'' کہ ان شاء اللہ اِسی رات کو یہ شہر فتح ہوجائے گا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا تھا کہ: یارسول اللہ! میں آپ کو بہت عجلت میں دیکھ رہا ہوں، اس کا کیا سبب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: مجھے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جنازے میں شریک ہونا ہے۔ یہ خواب دیکھ کر اِدھر آپ بیدار ہوئے اور اُدھر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آکر صلح کی بشارت دی اور چوں کہ آپ رضی اللہ عنہ نے یہ خواب دیکھ لیا تھا؛ اس لیے اُن سے باعتمادِ ارشادِ مخبرِ صادق کسی قسم کی شہادت نہیں لی۔ [فتوح الشام: ۱۴۹]

فتحِ دمشق

اَجنادین کو فتح کر لینے کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے دمشق کا محاصرہ کیا، حضرت خالد رضی اللہ عنہ بیدار مغزی، حسنِ تدبیر اور جواں مردی سے قلعہ کو پھاند گئے اور شہر میں داخل ہوکر قلعے کی ایک جانب کا دروازہ کھول دیا، دوسری جانب حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنی فوج کے ساتھ حملہ زن تھے۔ عیسائیوں نے جب یہ رنگ دیکھا تو سپہ

سالارِ اعظم حضرت ابوعبیدہؓ سے مصالحت کرلی۔ حضرت خالدؓ کو اِس صلح کی خبر نہیں مل سکی؛ اس لیے شہر کے دوسرے حصے میں سرگرمِ عمل رہے اور نہ ہی حضرت ابوعبیدہؓ کو حضرت خالدؓ کے کامیاب حملے کی اطلاع ملی تھی؛ اس لیے آپ نے مصالحت کرلی۔ عیسائیوں نے آکر درخواست کی کہ: ہمیں خالد سے بچائیے! وسط شہر میں جب دونوں حضرات کا آمنا سامنا ہوا تو حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت خالدؓ کو روک دیا اور مفتوحہ علاقے کو بھی صلح میں شمار کرتے ہوئے اُس پر صلح کے شرائط جاری کردیے۔[سیر الصحابہ:۲/۱۶۹]

معرکۂ فِحل

حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنی دانش مندی سے ابتداءً کچھ افراد فتحِ دمشق سے پہلے مقامِ فِحل میں موجود لشکر کی روک تھام کے لیے بھیج دیے تھے، پھر دمشق فتح کرنے کے بعد پورے متحدہ اسلامی لشکر کو لے کر خود فِحل پہنچے اور وہیں خیمہ زن ہوگئے۔ [اصحاب الرسول:۲۷۸] رومیوں کا پڑاؤ فِحل کے سامنے مقامِ بیسان میں تھا، انہوں نے حضرت ابوعبیدہؓ سے مصالحت کا پیغام بھیجا اور بات چیت کے لیے ایک سفیر بلایا۔ چناں چہ حضرت ابوعبیدہؓ نے حضرت معاذ بن جبلؓ کو بھیجا؛ لیکن یہ سفارت بے نتیجہ رہی؛ اس لیے رومیوں نے براہِ راست حضرت ابوعبیدہؓ سے گفتگو کے لیے اپنا ایک قاصد بھیجا۔ جب وہ قاصد اسلامی لشکر میں پہنچا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ یہاں تو ادنیٰ واعلیٰ؛ ہر ایک ایک ہی رنگ میں رنگا ہوا ہے، افسری اور ماتحتی کی کوئی

تمیز ہی نہیں ہے، آخر اُس نے گھبرا کر پوچھا کہ: تمہارا سپہ سالار کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کی جانب اشارہ کردیا، اُس وقت حضرت رضی اللہ عنہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے، اُس نے تعجب سے پوچھا کہ: واقعی سردار تم ہی ہو؟ فرمایا: ہاں! قاصد نے کہا: تمہاری فوج کو دو اشرفیاں فی کس دیں گے، تم یہاں سے چلے جاؤ۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے انکار فرمادیا اور قاصد کے تیور دیکھ کر فوج کو تیاری کا حکم دے دیا۔ غرض دوسرے دن جنگ شروع ہوئی، دورانِ جنگ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ ایک ایک صف میں جا کر کہتے تھے: ’’خدا کے بندو! ڈٹ کر رہو اور خدا سے مدد مانگو؛ کیوں کہ اللہ (کی مدد) ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے‘‘۔ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ خود فوج کے قلب میں تھے اور دانش مندی سے سب کو لڑا رہے تھے؛ یہاں تک کہ مسلمانوں کی قلیل تعداد نے رومیوں کی پچاس ہزار سپاہیوں پر مشتمل فوج کو شکستِ فاش دے دی۔ اِس طرح اُردن کے تمام مقامات فرزندانِ توحید کے زیرِ نگیں آ گئے۔ [سیر الصحابہ ۲/ ۱۶۹، ۱۷۰]

یہاں سے چھوٹے چھوٹے علاقوں کو فتح کرتے ہوئے حمص پہنچے اور کچھ دن تک اُس کا محاصرہ کرنے کے بعد اہلِ حمص نے خود شہر مسلمانوں کے حوالے کردیا اور پھر یہاں سے ’’لاذقیہ‘‘ کا رُخ کیا اور راستے میں کئی علاقوں میں اسلامی جھنڈا گاڑتے ہوئے لاذقیہ پہنچے۔ [سیر الصحابہ: ۲/ ۱۷۰]

فتحِ لاذقیہ

لاذقیہ ایک بہت مستحکم علاقہ تھا، قلعے کا دروازہ بہت بڑا تھا، ایک بڑی

جماعت سے بھی اُس کا کھلنا مشکل تھا، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے اِس بار ایک نئی اور انوکھی تدبیر اختیار کی کہ مسلمانوں کو لے کر لاذقیہ سے کچھ دوری پر خیمہ زن ہو گئے اور میدان میں چند بڑے بڑے پوشیدہ گڑھے کھدوائے اور لاذقیہ والوں کو یہ جھانسا دیا کہ مسلمان وہاں سے کوچ کر رہے ہیں۔ جب رات کا سناٹا ہر طرف چھا گیا، تو تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ اپنے پورے لشکر کے ساتھ پلٹ کر اُن گڑھوں میں چھپ گئے، جب صبح ہوئی تو چوں کہ شہر والے اِس خیال میں تھے کہ مسلمانوں کا لشکر واپس جا چکا ہے؛ اس لیے شہر پناہ کا دروازہ کھول کر پورے شہر میں پھیل گئے اور اپنے اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ اِدھر صبح کے وقت حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے شہر میں گھس کر دفعتاً اُن پر ہلا بول دیا اور آسانی سے وہاں اسلام کا پرچم لہرا دیا۔ [اصحاب الرسول: ۲۸۱]

یرموک کی فیصلہ کُن جنگ

اسلامی لشکر حِمص کے سرسبز علاقے میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، سپہ سالار اپنے اگلے پروگرام کو مرتّب کر رہے تھے کہ جاسوسوں سے معلوم ہوا کہ شاہِ ہرقل نے لاکھوں کا لشکر تیار کیا ہے، جو روم و شام کے بہادر جنگجوؤں پر مشتمل ہے، اس کی تعداد کئی لاکھ ہے اور وہ بڑی تیزی سے کوچ کرتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ یہ خبرِ وحشت اثر سنتے ہی سپہ سالار سوچ میں پڑ گئے، اپنے سرداروں کو بلایا اور اُن سے مشورہ طلب کیا۔ آخر میں یہ فیصلہ طے پایا کہ ہمیں یہاں نہیں ٹھہرنا ہے؛ بلکہ تمام فوجیں دمشق

میں مجتمع ہوں گی۔[امین الامت:۱۸۶]

اِس قرارداد کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے حبیب بن مسلمہ۔ جو حمص سے جزیہ وصول کرنے پر مامور تھے۔ کو بلایا اور یہ کہا کہ: ہم نے شہر والوں (عیسائیوں) سے صلح کے بعد جو جزیہ وصول کیا ہے اسے واپس لوٹا دو اور اُن سے کہہ دو کہ: یہ تمہاری حفاظت کا معاوضہ تھا؛ لیکن جب ہم سرِ دست اِس سے عاجز ہیں تو اِن مالوں پر ہمارا کوئی استحقاق نہیں، ہمیں پسند نہیں کہ تمہاری حفاظت کے بغیر تمہارے مال سے فائدہ اٹھائیں۔ چناں چہ دوسرے دن لشکر کی روانگی سے قبل حبیب بن مسلمہ نے لاکھوں کی رقم ۔ جو موصول ہوئی تھیں ۔ واپس کردیں۔ عیسائیوں پر اِس انصاف پسندی کا اس قدر اثر ہوا کہ وہ خوشی میں کہتے تھے: ''رَدَّكُمُ اللّٰهُ إلينا'' اے حق وانصاف کے پرستارو! خدا تم کو پھر واپس لائے۔[امین الامت:۱۸۶]

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تمام لشکر کو لے کر یرموک پہنچے، اِدھر رومی فوجیں بھی آ کر خیمہ زن ہو گئیں، کئی دن تک دونوں لشکر آمنے سامنے پڑے رہے، کسی نے جنبش نہ کی، اِسی اثنا میں قیصرِ روم کا خط پہنچا کہ: عربوں سے صلح کی گفتگو کی جائے، اگر وہ جابیہ تک کا علاقہ لینے پر راضی ہوجائیں تو جنگ سے احتراز کیا جائے۔ چناں چہ رومیوں کی طرف سے جرجیر قاصد بن کر آیا اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے گفتگو کی، کہا کہ: ہمارے ساتھ فوجیوں اور جنگجوؤں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے، مزید کمک انطاکیہ سے آرہی ہے، عربی لشکر آٹے میں نمک کے برابر ہے، چیونٹی اور ہاتھی کا

مقابلہ ہے، آپ صلح کرلیں اور آگے نہ بڑھیں، تو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ: ٹھیک ہے! اگر صلح کرنا چاہتے ہو تو ہماری دو شرطوں میں سے ایک کو قبول کرلو: یا تو اسلام لا کر ہمارے بھائی بن جاؤ یا جزیہ دینے کو قبول کرلو؛ ورنہ میدانِ کارزار میں تلوار ہی ہمارے درمیان فیصلہ کرے گی۔ جرجیر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا جواب سن کر کچھ کہے بغیر واپس چلا گیا اور اپنے سپہ سالارِ اعظم سے کہا کہ: یہ عرب تو رومیوں سے ذرا بھی نہیں ڈرتے؛ بلکہ انہیں لقمۂ تر سمجھ رہے ہیں۔

بالآخر دونوں فوجیں آپس میں ٹکرائیں، جنگ شروع ہوگئی، گھمسان کا رن پڑا، خون کے دریا بہنے لگے، مسلمان تعداد میں صرف تیس یا بتیس ہزار تھے؛ مگر افسرانِ فوج کی دانش مندی، فنِ سپہ گری کی واقفیت اور خود سپاہیوں کے غیر معمولی ایمان و یقین اور جوش و ولولے نے غنیم کے پاؤں اکھاڑ دیے، فتح و کامرانی نے مسلمانوں کے قدم چومے اور رومیوں سے اسلامی طاقت کا لوہا منوالیا۔ تقریباً ایک لاکھ پانچ ہزار رومی قتل ہوئے اور چالیس ہزار گرفتار کیے گئے، مسلمانوں میں سے بھی کم و بیش تین ہزار مجاہدین شہید ہوئے، جن میں صحابۂ کرام کی بھی ایک بڑی تعداد تھی۔ یرموک کے اِس معرکے نے شام کی قسمت کا فیصلہ کردیا، اس کے بعد شام پکے ہوئے پھل کی طرح اسلام کی جھولی میں آگرا۔

[ملخص از فتوح الشام: ۲۹۳ تا ۲۹۵ و ۴۰۸]

یرموک کا معرکہ سر کرلینے کے بعد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ملکِ شام سپہ

سالاروں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ چنانچہ دمشق پر حضرت یزید بن ابی سفیانؓ کو، فلسطین پر حضرت عمرو ابن العاصؓ کو، اُردن پر حضرت شرحبیل بن حسنہؓ کو گورنر مقرر کر دیا اور حمص پہنچ کر حضرت خالد بن ولیدؓ کو قنسرین روانہ کیا اور خود حلب کی طرف بڑھے۔ یہ دونوں مقامات بھی آسانی سے مفتوح ہو گئے، اس کے بعد انھوں نے انطاکیہ۔ جو اب تک ہرقل کا ہیڈ کوارٹر اور پناہ گاہ بنا ہوا تھا۔ کا رخ کیا۔ چند دنوں بعد اہلِ انطاکیہ نے بھی سپر ڈال دی۔ غرض بیت المقدس کے سوا تمام شام پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ [امین الامت: ۱۹۳]

فتحِ بیت المقدس

چند سطور قبل ہم لکھ چکے ہیں کہ بیت المقدس کی مہم حضرت عمرو ابن العاصؓ کے سپرد تھی، حضرت عمروؓ عرصے سے بیت المقدس کا محاصرہ کیے ہوئے تھے اور چوں کہ حضرت ابوعبیدہؓ نے پہلے لکھ بھیجا تھا کہ میرے آنے تک حملہ نہ کرنا؛ اس لیے اُن کے انتظار میں رُکے رہے۔ چناں چہ جب حضرت ابوعبیدہؓ کو اپنی مہم سے فرصت ملی تو وہ یہاں تشریف لائے۔

بیت المقدس والے بھی اس طویل محاصرے سے تنگ آ چکے تھے، آخر کار انھوں نے اپنے لاٹ پادری سے مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ: یہ بیت المقدس ہے، کوئی عام شہر نہیں، ہم اسی صورت میں ہتھیار ڈالیں گے جب کہ اُن کا خلیفہ آئے۔ دراصل چوں کہ ان کی مذہبی کتاب میں یہ لکھا ہوا تھا کہ اِس حلیے کا آدمی

اِس کو فتح کرے گا؛ اس لیے وہ امیر المؤمنین کو دیکھنا چاہتے تھے۔ یہ پیغام سپہ سالارِ اسلام کو پہنچایا گیا، تو انہوں نے مشورہ کر کے خلیفۂ ثانی حضرت عمرؓ کو اِس شرط سے مطلع کیا اور بیت المقدس تشریف لانے کی دعوت دی۔ حضرت عمرؓ مدینۂ منورہ سے روانہ ہوکر مقامِ جابیہ پہنچے۔ اِدھر حضرت ابوعبیدہؓ نے اپنے ماتحت افسروں سمیت مقامِ جابیہ پہنچ کر آپ کا پُر جوش استقبال کیا، بیت المقدس کے نمائندے بھی یہاں پہنچے، معاہدۂ صلح ترتیب پانے کے بعد لاٹ پادری نے قلعے کی کنجیاں پیش کیں اور یہ اعلان کیا کہ: یہی باوقار ہستی بیت المقدس کی فاتح ہے۔

[ملخص از فتوح الشام: ۴۲۴و ۴۳۰، ۴۳۸]

فضائل ومناقب

حضرت ابوعبیدہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوبین میں

عبداللہ بن شقیقؒ فرماتے ہیں کہ: میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے صحابہ میں سب سے زیادہ محبوب کون تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ: ابوبکر۔ پوچھا کہ: اُن کے بعد کون؟ فرمایا: عمر۔ پھر پوچھا کہ: اُن کے بعد کون؟ اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ: ابوعبیدہ ابن الجراح۔ [الاصابہ: ۲/ ۲۴۴، ترمذی شریف: ۳۶۵۷]

آپ کے اخلاق کی شہادت بہ زبانِ رسالت

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابۂ کرامؓ

سے خطاب فرماتے ہوئے کہا: ''مامنكم من أحدٍ إلا لَو شئتُ لأخذتُ عليه بعضَ خُلُقه إلا أباعبيدة'' تم میں سے ہر شخص ایسا ہے کہ اگر میں چاہوں تو اس کے اخلاق میں سے کسی نہ کسی بات پر انگلی رکھ کر قابلِ اعتراض قرار دے سکتا ہوں؛ لیکن ابوعبیدہ اس سے مستثنیٰ ہے۔[الاصابہ: ۲/ ۲۴۴]

حضرت ابوعبیدہؓ عشرۂ مبشرہ میں

آپؓ اُن دس خوش نصیب صحابۂ کرامؓ میں سے ہیں، جنہیں نبیٔ اکرم ﷺ نے (ایک ہی مجلس میں نام بہ نام) اپنی زبانِ رسالت سے اسی دنیا میں جنتی ہونے کی بشارت دی تھی۔ چناں چہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''أبوبكرٍ في الجنةِ، وعُمرُ في الجنةِ، وعثمانُ في الجنةِ، وعليٌّ في الجنةِ، وطلحةُ في الجنةِ، والزبير في الجنةِ، وعبدُالرحمٰنِ بنُ عوفٍ في الجنةِ، وسعدُ بن أبي وقاص في الجنةِ، وسعيدُ بنُ زيدٍ في الجنةِ، وأبوعبيدة ابن الجراح في الجنةِ''. رواه الترمذي [مشکوٰۃ المصابیح، باب مناقب العشرۃ، الفصل الثانی]

حضرت ابوعبیدہؓ کو دربارِ نبوی سے ''امین الامت'' کا خطاب

ویسے تو تمام ہی صحابہؓ اخلاق کے بلند پیمانے پر تھے، اخلاقِ حمیدہ اور ستودہ صفات سے آراستہ تھے؛ لیکن جب نبیٔ اکرم ﷺ کسی صحابی میں کسی خاص وصف کو دوسروں کی بہ نسبت زیادہ نمایاں پاتے، تو آپ ﷺ ان کو اُسی کے مناسبِ حال لقب سے نوازتے، جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ کے متعلق فرمایا:

’’أرحَمُ أمَّتي بأُمتي أبوبكر ‘‘ (میری امت پر سب سے زیادہ لطف ورحم کرنے والے ابوبکر ہیں)، حضرت عمرؓ کے بارے میں فرمایا: ’’وأشدُّھُم في أمر اللّٰهِ عمر ‘‘ (اللہ کے معاملے میں سب سے زیادہ سختی سے کام لینے والے عمر ہیں) وغیرہ۔ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہؓ کو ’’امین الامت‘‘ کا امتیازی اور خصوصی خطاب عطا فرمایا، جس کا پسِ منظر یہ ہے:

① نجران کے دو سردار (عاقب وسید) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں مباہلے کے ارادے سے پہنچے، ایک نے دوسرے سے کہا کہ: ہمیں مباہلہ نہیں کرنا چاہیے؛ اس لیے کہ اگر یہ سچے نبی ہوں اور ہم اُن کے ساتھ مباہلہ کرلیں، تو نہ ہم کبھی کامیاب ہوسکتے ہیں اور نہ ہماری آنے والی نسلیں۔ دونوں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا کہ: ہم جزیہ ادا کرنے کو قبول کرتے ہیں، آپ ہمارے ساتھ کسی امانت دار شخص کو بھیج دیجیے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: میں تمہارے ساتھ ایک ایسے شخص کو بھیجوں گا جو واقعی امانت دار ہوگا۔ یہ سنتے ہی تمام صحابہؓ آپ کی طرف نگاہ اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگے، اتنے میں نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ’’ابوعبیدہ! اٹھو!‘‘ جب وہ کھڑے ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ: ’’ھٰذا أمینُ ھذہ الأمة‘‘ یہ اس امت کے امین اور معتمد ہیں۔ [بخاری: ۴۳۸۰]

② جب یمن کے لوگ مسلمان ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آکر درخواست کی کہ: اللہ کے رسول! ہمیں کوئی ایسا معلم دیجیے جو کتاب وسنت کی

تعلیم دے سکے، دینِ اسلام سے روشناس کرائے اور ہمارے معاملات میں برحق فیصلہ کرے۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ: ٹھیک ہے! دوپہر کو آنا، میں تمہارے ساتھ ایک ایسے شخص کو بھیجوں گا جو طاقت ور بھی ہے اور دیانت دار بھی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: بخدا! میرے دل میں کبھی بھی اِمارت کی خواہش نہیں ہوئی سوائے اُس دن کے، وہ بھی اِس امید پر کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بھیجے جانے والے شخص کے جو اوصاف ذکر کیے تھے، اُس کا مصداق میں بن جاؤں؛ اس لیے میں ظہر کی نماز کے لیے جلدی سے مسجد پہنچ گیا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ظہر کی نماز پڑھا کر فارغ ہوئے تو دائیں بائیں جانب نظر دوڑا کر دیکھنے لگے، اِس دوران میں آپ کے سامنے گردن لمبی کر کے نگاہ اٹھا اٹھا کر دیکھ رہا تھا؛ تاکہ آپ کی نظر مجھ پر پڑے؛ مگر (ہوا وہی جو ہونا تھا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نظرِ انتخاب حضرت ابوعبیدہ پر جا کر ٹکی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُن کو بلا کر فرمایا: ابوعبیدہ! تم اِن کے ساتھ جاؤ اور ان کے جھگڑوں میں ان کے درمیان برحق فیصلہ کرنا۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: پھر میں دل ہی دل میں کہتا رہ گیا کہ: ''ابوعبیدہ ہم سے بازی لے گئے''۔

[الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ، الباب العاشر: ۲/ ۳۰۸]

صحیحین کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: ''لِکُلِّ أمةٍ أمین، وأمینُ هذه الأمة أبو عبیدةَ ابنُ الجراح'' کہ ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے، اس امت کے امین ابوعبیدہ ابن الجراح ہیں۔ (مشکوۃ المصابیح، باب مناقب العشرۃ، الفصل الاول)

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی زبانی

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ عامتاً فرمایا کرتے تھے کہ: تم لوگ ایسے شخص کی صحبت اختیار کرو، جو سنجیدگی و متانت کا پتلا ہے، نرم مزاجی و خوش اخلاقی کا پیکر ہے، جب کوئی اُس پر ظلم کرے تو وہ اُس سے بدلہ نہیں لیتا، کوئی بدسلوکی کرے تو معاف کر دیتا ہے، کوئی قطع تعلق کرے تو میل ملاپ کرتا ہے، ایمان والوں کے لیے بڑا رحم دل ہے، کافروں کے مقابلے میں بڑا سخت ہے؛ اس سے میری مراد: ابوعبیدہ ابن الجراح کی ذاتِ گرامی ہے۔ [امین الامت: ۲۴۹]

کچھ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ: تم لوگ اپنی اپنی پسندیدہ اور مرغوب چیزیں بیان کرو۔ تو ایک شخص کھڑا ہو کر کہنے لگا: میری تمنا ہے کہ اگر میرے پاس گھر بھر کر سونا ہوتا تو میں اُسے راہِ خدا میں خرچ کرتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اور کوئی خواہش بیان کرے۔ پھر ایک شخص کھڑا ہوا اور کہنے لگا: میری خواہش ہے کہ اگر میرے پاس گھر بھر کر موتی، زبرجد اور جوہر ہوتے تو میں اُسے صدقہ کر دیتا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اور کوئی بیان کرے۔ اِس پر آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھیوں نے کہا کہ: حضرت! اب کیا کہیں؟ ہمارے پاس کہنے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: لیکن سنو! میری دلی آرزو یہ ہے کہ اِن گھروں کو ابوعبیدہ جیسے افراد سے بھر دیا جاتا۔ (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ۲/ ۳۱۱)

عمر بولے کہ: ہر گھر میں ہو کوئی بوعبیدہ سا	
ضرورت ہے کہ ہر گھر میں ہو ثانی بوعبیدہ کا	

حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ کے اتنے قدردان تھے کہ ایک مرتبہ جب اپنے بعد خلیفہ کے تقرر کا سوال آیا، تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ: اگر ابوعبیدہ کی زندگی میں میرا وقت آگیا تو مجھے کسی سے مشورے کی بھی ضرورت نہیں، میں اُن کو اپنے بعد خلیفہ بنانے کے لیے نامزد کر جاؤں گا، اگر اللہ تعالیٰ نے اِس نامزدگی کے متعلق مجھ سے پوچھا تو میں عرض کرسکوں گا کہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ: ''ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور اِس امت کے امین ابوعبیدہ ابن الجراح ہیں''۔[سیر أعلام النبلاء: ۲/ ۸۲]

آپ کے اخلاق وعادات

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کا زہد وفقر

شام کا خِطہ اپنی زرخیزی، آب وہوا اور قدرتی مناظر کے لحاظ سے عرب کے صحرانشینوں کے لیے کسی جنَّتِ ارضی سے کم نہ تھا، دوسری طرف اُس وقت انتہائی متمدن تہذیب یعنی رومی تہذیب کا دور دورہ تھا؛ لیکن اِن صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے فیضِ صحبت سے جو رنگ اپنے قلب ودماغ پر چڑھالیا تھا، اُس میں اِس قدر پختہ تھے کہ شام کی رنگینیاں اُن کے زہد وقناعت، دنیا بیزاری اور آخرت کی ہمہ وقتی فکر پر ذرہ برابر بھی اثر انداز نہ ہوسکیں۔ اِس بات کا اندازہ ذیل

کے ایک واقعے سے ہوگا:

حضرت ابوعبیدہ ابن الجراحؓ شام کے گورنر تھے، اُسی زمانے میں حضرت عمرؓ شام کے دورے پر تشریف لائے، سیدنا عمرؓ نے اُن سے فرمایا: ابوعبیدہ! مجھے اپنے گھر لے چلیے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے جواب دیا کہ: آپ میرے گھر میں کیا کریں گے؟ وہاں آپ کو شاید میری حالت پر آنکھیں نچوڑنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا؛ لیکن جب حضرت عمرؓ نے اصرار فرمایا، تو آپؓ حضرت عمرؓ کو اپنے گھر لے گئے، جب سیدنا حضرت عمرؓ اُن کے چھوٹے سے گھر (گورنر ہاؤس) میں داخل ہوئے تو وہاں کوئی سامان ہی نظر نہ آیا، گھر ہر قسم کے سامان سے خالی تھا، آپ نے حیران ہوکر پوچھا کہ: آپ کا سامان کہاں ہے؟ یہاں تو بس ایک بوریا (ٹاٹ)، ایک پیالہ اور ایک مشکیزہ نظر آرہا ہے، آپ امیرِ شام ہیں، آپ کے پاس کھانے کی بھی کوئی چیز ہے؟ یہ سن کر حضرت ابوعبیدہؓ ایک طاق کی طرف بڑھے اور وہاں سے روٹی کے کچھ ٹکڑے اٹھالائے، یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کی آنکھیں بھر آئیں، حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا: امیر المؤمنین! میں نے تو پہلے ہی آپ سے کہا تھا کہ آپ میری حالت پر آنکھیں نچوڑیں گے۔ بات دراصل یہ ہے کہ انسان کے لیے اتنا اثاثہ کافی ہے جو اُسے اپنی خواب گاہ (قبر) تک پہنچادے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: ''غيّرتْنا الدنيا كلّنا غيرَك يا أبا عُبيدةَ!''
ابوعبیدہ! دنیا نے ہم سب کو بدل دیا؛ مگر تمھیں نہ بدل سکی۔ [اصحاب الرسول: ۲۸۳]

ع　شان آنکھوں میں نہ جچتی تھی جہاں داروں کی

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس چار سو یا چار ہزار دینار بہ طورِ انعام بھیجے اور قاصد سے کہا کہ: دیکھنا وہ اِن کا کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے اُسی وقت وہ تمام رقم اپنی باندی کے ہاتھوں تقسیم کروادی اور اپنے لیے کچھ بھی نہ رکھا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے قاصد کی زبانی یہ سنا تو فرمایا: ''الحمد للہ! اسلام میں ایسے لوگ بھی موجود ہیں''۔ [طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۰۰]

خشیتِ الٰہی وخوفِ خداوندی

پیچھے معلوم ہو چکا ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ اُن خوش نصیب صحابۂ کرام میں سے تھے جو نبیٔ صادق ومصدوق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی زبانِ مبارک سے اپنے جنتی ہونے کی بشارت سن چکے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کسی خبر پر ادنیٰ تردد کا ان کے یہاں کوئی سوال نہ تھا، اس کے باوجود خشیتِ الٰہی کا یہ عالم تھا کہ بعض اوقات فرماتے تھے کہ: ''وَدِدْتُ أني كَبشٌ، فذَبَحني أهْلِي، فَأكَلُوا لَحمي وَحَسَوْا مَرَقي'' کاش کہ! میں ایک مینڈھا ہوتا اور میرے گھر والے مجھے ذبح کرکے میرا گوشت کھاتے اور شوربا پیتے۔ [طبقات ابن سعد: ۳/ ۳۰۰]

ایک مرتبہ ایک آدمی اُن کے گھر آیا، دیکھا کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ زار وقطار رو رہے ہیں، اُس نے پوچھا کہ: حضرت! یہ رونا دھونا کیسا؟ کہنے لگے: ایک روز نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے مسلمانوں کی آئندہ فتوحات اور تموّل کا ذکر کرتے ہوئے شام

کا تذکرہ کیا اور فرمایا: ''ابوعبیدہ! اگر اُس وقت تمہاری عمر وفا کرے، تو تمہارے لیے صرف تین خادم کافی ہوں گے: ایک خاص تمہاری ذات کے لیے، ایک تمہارے ساتھ سفر میں جانے کے لیے اور ایک تمہارے اہل وعیال کی خدمت کے لیے؛ اسی طرح تین سواری کافی ہوں گی: ایک تمہارے لیے، ایک بوجھ برداری کے لیے اور ایک تمہارے غلام کے لیے''؛ لیکن آج میں دیکھتا ہوں کہ میرا گھر غلاموں سے اور اصطبل گھوڑوں سے بھرا ہوا ہے۔ (یہ سب مالِ غنیمت میں ملے ہوئے ہوں گے جن کو آپ رضی اللہ عنہ اکثر راہِ خدا میں خرچ کر دیا کرتے تھے) آہ! میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا منہ دِکھاؤں گا؟! آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ: ''وہ شخص میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوگا، جو مجھ سے اسی حال میں ملے گا جس حال میں مَیں اُسے چھوڑ جاؤں گا''۔ [الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ۳/ ۳۱۳]

مُساواتِ اسلامی اور غیر مسلم رِعایا کے ساتھ آپ رضی اللہ عنہ کی رواداری

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کو مُساواتِ اسلامی کا اِس قدر خیال تھا کہ آپ کے لشکر میں ایک معمولی سپاہی کو بھی وہی عزت حاصل تھی جو ایک بڑے سے بڑے سردار کو ہو سکتی ہے۔ ایک دفعہ کسی عام مجاہد نے ایک نامور غیر مسلم کو پناہ دے دی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ اور حضرت عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ: ''ہم اس کو نہیں مانیں گے اور پناہ یافتہ شخص کو قیدی بنالیں گے''۔ وہ مجاہد حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور سارا ماجرا بیان کیا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے دونوں عظیم

سرداروں کو بلوا کر کہا کہ: ہم میں سے کسی ایک کی پناہ دراصل سب کی طرف سے پناہ ہے؛ کیوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے کہ: ''مسلم معاشرے کا ہر فرد پناہ دے سکتا ہے''۔[اصحاب رسول اوران کے کارنامے:۲/ ۳۴۷]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں بہت سے معاہدے غیر مسلموں کے ساتھ ہوئے، جو بعد میں امت کا فقہی سرمایہ اور قانونِ اسلامی کا ماخذ بنے؛ مگر ان میں سب سے زیادہ مفصل، سب سے زیادہ جامع اور سب سے زیادہ فیاضانہ وہ معاہدہ ہے جو حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے ملکِ شام کے عیسائیوں کے ساتھ کیا۔ اس معاہدے کو امام ابویوسف رحمہ اللہ نے خلیفہ ہارون الرشید کے سامنے اِس طرح بیان کیا:

''جب حضرت ابوعبیدہ شام میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے تو وہاں کی عیسائی رعایا سے یہ شرائط طے کیں: ان کے گرجے نہیں گرائے جائیں گے اور نہ اُن میں دخل اندازی کی جائے گی؛ بشرطیکہ اُن کی طرف سے نئے گرجوں کا قیام عمل میں نہ آئے: اُن کے بِشپ (Bishop) اور پادریوں کو جَلا وطن نہیں کیا جائے گا، کسی کو مذہب سے برگشتہ نہ کیا جائے (اِلّا یہ کہ کوئی اپنی مرضی سے اپنا مذہب چھوڑ دے) مسیحی فرقوں کی ذمے داری ہوگی کہ وہ بھولے بھٹکے مسلمانوں کو راستہ بتائیں، اپنے اموال سے نہروں پر پُل بنائیں، جو مسلمان اُن کی آبادیوں میں آکر ٹھہریں، تین دن اُن کی مہمانی کریں؛ کسی مسلمان کو گالی نہ دیں، بلاوجہ

جھگڑا نہ کریں، مسلم آبادیوں سے نہ صلیب کا جلوس نکالیں نہ جشن کریں، مسلمان مجاہدین کے لیے راستوں میں آگ روشن کریں، اسلامی ریاست کے خلاف جاسوسی نہ کریں، اذان سے پہلے اور اذان کے وقت ناقوس اپنے معبدوں میں بھی نہ بجائیں، تہواروں کے دن راستوں پر جھنڈے نہ نکالیں، مسلح ہوکر نہ پھریں اور نہ ہتھیاروں کو اپنے گھروں میں رکھیں''۔

[امین الامت: ۲۷۷، اصحاب رسول اوران کے کارنامے: ۲/ ۳۳۶]

جب اِن شرائط پر صلح ہوئی تو عیسائیوں نے آپؓ کی خدمت میں عرضی پیش کی کہ: کم سے کم سال میں ایک دفعہ ہماری عید کے موقع پر صلیب نکالنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے خوشی کے ساتھ یہ درخواست منظور کرلی اور صرف تہواروں کے دن صلیب نکالنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔[امین الامت: ۲۷۸]

حضرت ابوعبیدہؓ کا خُلق وترحم، اللہ کی تمام مخلوق کے لیے عام تھا، ملکِ شام میں اُن کی شفقت اور رِعایا پروری نے عیسائیوں کو بھی مرہونِ منت بنا رکھا تھا، ذمیوں پر اُن کے اخلاقِ حسنہ اور مسلمانوں کے لطف وکرم کا یہ اثر ہوا کہ سارے عیسائی آپؓ کے دست وبازو بن گئے اور خوشی خوشی اپنے ہم مذہب رومیوں کے خلاف جاسوسی اور خبر رسانی کے فرائض انجام دینے لگے۔ اس سلسلے میں امام ابویوسفؒ اپنی قانونی دستاویز ''کتاب الخراج'' میں لکھتے ہیں کہ: جب اہلِ ذمہ نے مسلمانوں کی صداقت، وفاداری ورواداری اور حسنِ سلوک کو دیکھا، تو

وہ مسلمانوں کے دشمنوں کے دشمن بن گئے اور مخالفین کے مخالف ہو گئے، مسلمانوں کی مدد اور حمایت میں اِن اقلیتوں نے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی تھی۔

[اصحابِ رسول اور ان کے کارنامے: ۲/ ۳۳۵، امین الامت: ۲۷۸]

اہلِ ذمہ حضرت ابوعبیدہؓ کے انتظام میں مطمئن، بے فکر اور خوش رہتے تھے، اس بات کا انہیں خود اعتراف تھا۔ ایک مرتبہ شام سے حضرت عمرؓ کی خدمت میں وہاں کی اقلیت کا ایک وَفد حاضر ہوا، آپؓ نے حال دریافت کرتے ہوئے پوچھا کہ: آپ لوگوں کو اپنے ملک میں حکومت یا عام مسلمانوں سے کوئی شکایت یا تکلیف تو نہیں ہے؟ تو انہوں نے بہ یک زبان کہا کہ: امیر المؤمنین! ہم ان دونوں کی طرف سے پابندیٔ عہد اور شریفانہ اخلاق کے سوا کچھ نہیں جانتے۔

[اصحابِ رسول اور ان کے کارنامے: ۲/ ۳۳۶]

ابوعبیدہؓ کی مرویات کی تعداد اور مروی روایات کی ایک جھلک

یہ بات پہلے گذر چکی ہے کہ آپؓ سابقینِ اولین میں سے ہیں، اسلام قبول کرنے کے بعد سے لے کر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال فرمانے تک مسلسل آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت میں رہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر مجلس میں شریک رہے (سوائے اُن چند دنوں کے جن میں آپ کسی سریے میں تشریف لے جاتے) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؓ کے پاس احادیث کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود تھا۔ نیز آپؓ کی وسعتِ علمی کا اندازہ اس واقعے سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ جس میں یمن

والوں کی درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آپ کو ''معلمِ کتاب وسنت'' کی حیثیت سے اُن کے ساتھ روانہ فرمایا تھا؛ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود احتیاط کا یہ عالم کہ احادیث کی کتابیں آپ رضی اللہ عنہ کی روایات سے خالی ہیں۔ چناں چہ پوری کتبِ ستہ (صحاحِ ستہ) میں سے صرف ''مسلم شریف'' میں ایک روایت موجود ہے۔ اسی طرح ''مسند احمد'' میں (بہ حذفِ تکرار) صرف سات روایات اور ''مسند ابی یعلیٰ'' میں (موافقاتِ امام احمد کو چھوڑ کر) فقط تین احادیث ہیں، وہ بھی ایک ہی روایت کی لڑی میں پروئی ہوئی؛ گویا مجموعی حیثیت سے صرف آٹھ یا نو روایتیں آپ رضی اللہ عنہ سے مروی ہیں۔

ان میں سے ایک روایت یہ ہے: ''عَن أبي عبيدة رضي الله عنه قال: اٰخِرُ ماتكلَّم به النبي صلى الله عليه وآله وسلم: أخرجوا يهودَ أهلِ الحجاز وأهل نجران من جزيرة العرب، واعلموا أن شرارَ الناس الذينَ اتخَذوا قُبوْرَ أنبيائهِمْ مساجدَ''

حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اخیر اخیر میں ارشاد فرمایا تھا کہ: حجاز کے یہودیوں اور نجران کے عیسائیوں کو پورے جزیرۃ العرب سے نکال باہر کرو اور یہ یاد رکھنا کہ سب سے برے لوگ وہ ہیں جو اپنے انبیا کی قبروں کو سجدہ گاہ بناتے ہیں۔ (رواہ احمد وابویعلی) [امین الامت: ۲۵۵]

طاعونِ عمواس اور آپ رضی اللہ عنہ کی وفات

طاعونِ عمواس کے موقع پر حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ نے جس اعلیٰ کردار، پختگیٔ ایمان

اور اپنے فوجی ساتھیوں سے جس محبت اور لگاؤ کا مظاہرہ کیا، وہ بلاشبہ اپنی نظیر آپ ہے، ''عمواس'' فلسطین کا ایک شہر تھا، ۱۷ھ میں وہاں طاعون کی وَبا پھیل گئی اور پھر اُس وبا نے پورے ملکِ شام کو اپنی لپیٹ میں لے لیا، مرض کا حملہ اتنا شدید تھا کہ جس کسی کو ہدَف بناتا، اُسے تیزی سے موت کے منہ میں پہنچادیتا، شہر والوں کے ساتھ ساتھ یہ وَبا اسلامی فوجوں میں بھی پھیل گئی اور ہزاروں مسلمان اُس کی بھینٹ چڑھ گئے، جس میں کئی بڑے بڑے صحابۂ کرام بھی موجود تھے۔

خلیفۃ المسلمین حضرت عمرؓ کو جب اِس کی اطلاع ملی تو وہ خود تدبیر و انتظام کے لیے دارالخلافہ چھوڑ کر مقام ''سَرْغ'' پہنچے، حضرت ابوعبیدہؓ اور دوسرے سرداروں نے یہاں استقبال کیا، حضرت عمرؓ نے وبائی شدت کی کیفیت سن کر پہلے مہاجرین اور پھر انصار سے مشورہ طلب کیا، سب نے مختلف رائیں دیں، آخر میں ''مہاجرینِ فتح'' میں سے جو عموماً قریش کے بوڑھے اور تجربہ کار لوگ تھے، اُن سے مشورہ لیا، سب نے بہ یک زبان ہوکر کہا کہ: ہماری رائے یہ ہے کہ آپ سرِ دست تمام لوگوں کو لے کر یہاں سے روانہ ہوجائیں، اِس وَبا کے چنگل میں نہ پھنسیں۔ چناں چہ حضرت عمرؓ نے لوگوں میں اعلان کروادیا کہ: میں کل صبح سویرے یہاں سے واپس جارہا ہوں، سب کو ساتھ چلنا ہے۔ حضرت ابوعبیدہؓ چوں کہ نہایت شدت کے ساتھ تقدیر کے قائل تھے؛ اس لیے ان کو یہ حکم ناگوار ہوا، انھوں نے کہا: ''أفِرَارًا مِن قدرِ اللّٰہ؟'' کہ اللہ کی تقدیر سے بھاگتے ہو؟

حضرت عمرؓ عموماً حضرت ابوعبیدہؓ کی رائے سے اختلاف کرنا نہیں چاہتے تھے؛ اس لیے انہوں نے فرمایا: کاش کہ! تمہارے علاوہ کوئی اور کہتا!! ہاں ہاں! تقدیرِ الٰہی سے بھاگ رہا ہوں؛ لیکن تقدیرِ الٰہی ہی کی طرف؛ اس لیے کہ دیکھو! اگر تمہاری اونٹنیاں کسی ایسی وادی میں ہوں، جس کے دو کناروں میں سے ایک کنارہ انتہائی سرسبز وشاداب ہو اور دوسرا خشک وچٹیل، تو بتلاؤ اگر تمہاری اونٹنیاں سرسبز جگہ میں چَریں تو کیا یہ تقدیرِ الٰہی نہیں ہے؟ اور اگر خشک جگہ چَرنے کے لیے جائیں تو کیا یہ بھی تقدیرِ الٰہی نہیں ہے؟ [امین الامت: ۲۳۱]

غرض حضرت عمرؓ مدینۂ منورہ واپس تشریف لے آئے اور یہاں سے حضرت ابوعبیدہؓ کو ایک خط لکھا، جس کے الفاظ یہ تھے: ''سلامٌ عليكَ، أما بعد! فإنه قد عَرَضَتْ لِي حاجةٌ، أُرِيدُ أنْ أُشافِهَكَ فِيها، فَعَزَمتُ عليكَ - إذا نظرْتَ فِي كِتابي - أنْ لا تَضَعَه مِن يدك حتّى تُقْبِلَ إليَّ.''

''بعد سلام مسنون! عرض ایں کہ میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں آپ سے زبانی بات چیت کرنا چاہتا ہوں، مجھے امید ہے کہ آپ خط پڑھتے ہی فوراً روانہ ہو جائیں گے''۔

حضرت ابوعبیدہؓ ساری زندگی اطاعتِ امیر کے پابند رہے؛ لیکن اِس خط کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ امیر المؤمنین مجھے اِس طاعون زدہ علاقے سے نکالنا چاہتے ہیں۔ چناں چہ یہ خط پڑھ کر اپنے ساتھیوں سے فرمایا: اللہ امیر المؤمنین کی مغفرت

فرمائے، میں اُن کی ضرورت سمجھ گیا، وہ ایک ایسے شخص کو باقی رکھنا چاہتے ہیں، جو باقی رہنے والا نہیں ہے۔ یہ کہہ کر حضرت عمرؓ کو یہ جواب لکھا:

''امیر المؤمنین! آپ نے جس ضرورت کے لیے مجھے بلایا ہے وہ میں جانتا ہوں؛ لیکن میں مسلمانوں کے ایک ایسے لشکر کے درمیان بیٹھا ہوں، جس کے لیے میں اپنے دل میں اِعراض کا کوئی جذبہ نہیں پاتا؛ لہٰذا میں اِن کو چھوڑ کر اُس وقت تک آنا نہیں چاہتا جب تک اللہ تعالیٰ میرے اور اِن کے بارے میں اپنی تقدیر کا حتمی فیصلہ نہیں فرما دیتا؛ اس لیے امیر المؤمنین! مجھے اپنے اِس تاکیدی حکم سے معاف فرما دیجیے اور مجھے اپنے لشکر ہی میں رہنے دیجیے''۔

حضرت عمرؓ نے خط پڑھا تو آنکھوں میں آنسو آ گئے، جو لوگ پاس بیٹھے تھے وہ جانتے تھے کہ خط شام سے آیا ہے، حضرت عمرؓ کو آب دیدہ دیکھ کر اُن سے دریافت کیا کہ: کیا حضرت ابوعبیدہ کی وفات ہو گئی ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا: ہوئی تو نہیں؛ لیکن ایسا لگتا ہے کہ ہونے والی ہے۔ [فتح الباری ۱۰/ ۱۸۸]

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے دوسرا خط لکھا: ''إن الأردن أرضٌ عمقة، وإن الجابيةَ أرضٌ نزهةٌ، فأظْهِرْ بالمسلمينَ إلى الجابية'' اُردن ایک نشیبی علاقہ ہے اور جابیہ بلند و صحت بخش جگہ ہے؛ اس لیے آپ مسلمانوں کو لے کر وہیں چلے جائیے۔ جب یہ خط حضرت ابوعبیدہؓ کو پہنچا، تو انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا کہ: امیر المؤمنین کا یہ خط آیا ہے، اب آپ لشکر کو لے کر مقامِ

جابیہ پہنچے۔[الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ: ۲/ ۳۱۵]

اِدھر آپ مقامِ جابیہ پہنچے ہی تھے کہ آپ پر بھی طاعون کا حملہ ہو گیا، جب مرض نے شدت پکڑی تو آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت معاذ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور لوگوں کو جمع کر کے ایک نہایت مؤثر تقریر کی، آخر میں فرمایا: ''صاحبو! یہ مرض خدا کی رحمت ہے، پہلے بہت سے صلحا اِس میں جاں بحق ہو گئے ہیں اور اب ابوعبیدہ بھی اپنے خدا سے اِس سعادت میں حصہ پانے کا متمنی ہے''۔[سیر الصحابۃ: ۲/ ۱۷۷]

نماز کا وقت آیا تو آپ نے اپنے جانشین حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا، اِدھر نماز ختم ہوئی اور اُدھر امین الامت حضرت ابوعبیدہ ابن الجراح رضی اللہ عنہ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ اس کے بعد حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے درد بھرے لہجے میں حاضرین کے سامنے جو خطبہ دیا تھا، اِس موقع پر بے ساختہ جی چاہتا ہے کہ حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ کے متعلق اُن کے خطبے کے آخری چند الفاظ ہدیۂ ناظرین کروں: ''إنكم فُجِعتم برجلٍ ماأزعمُ -واللّٰهِ- أني رأيتُ مِن عبادِ اللّٰه قط: أقلَّ حِقْدًا، ولاأبرأَ صدْرًا، ولاأبعدَ غائلةً، ولاأشدَّ حياءً للعاقبةِ، ولاأنْصَحَ للعامةِ منه، فترَحَّمُوا عليه''۔ ''دوستو! آج تم لوگ جس شخص کے اٹھ جانے پر دُکھی ہو، خدا کی قسم! میں نے بندگانِ خدا میں اُس سے زیادہ صاف دل، بے کینہ، فتنہ وفساد سے دور رہنے والا، عاقبت اندیش، باحیا اور خیر خواہِ خلق کبھی کسی کو نہیں دیکھا؛ سو تم اس کے لیے رحمت ومغفرت کی دعا کرتے رہو''۔[الاصابۃ: ۲/ ۲۴۵]

حضرت ابوعبیدہؓ نے اٹھاون برس کی عمر پائی اور اِس قلیل عرصے میں اپنے حیرت انگیز کارناموں کا منظر دکھا کر ۱۸ھ میں اِس خاکی مسافر خانے کو الوداع کہا۔ فإنا لِلّٰہِ و إنا إلیہ راجعون. [امین الامت وسیر الصحابۃ ۲/۱۷۷]

محترم قارئینِ کرام! اگر میں اور آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ آخر کس نے انہیں اِن کمالات کا درس دیا؟ اور کس نے اِن فضائل و مکارم سے مزین کیا؟ تو حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجائے گی کہ یہ سب دینِ اسلام اور نبوی تربیت کا نتیجہ تھا۔ آیئے! ہم عہد کریں کہ سنتِ نبوی اور کلام اللہ کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنائیں گے اور اُس کے مطابق زندگی گزاریں گے اور اِس بگڑے ہوئے معاشرے میں حضرت ابوعبیدہؓ کو نمونہ بنائیں گے۔

ضرورت ہے یقیناً بوعبیدہ کی زمانے میں	تبھی اصلاح ہو پائے گی اِس بگڑے زمانے میں
الٰہی! بوعبیدہ سا کوئی انسان پیدا کر	سراپا صالح نیک تابعِ فرمان پیدا کر

مراجع و مصادر:

① صحیح بخاری شریف ② فتح الباری ③ مشکوٰۃ المصابیح ④ سیر اعلام النبلاء ⑤ البدایۃ والنہایۃ ⑥ الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ⑦ جمع الفوائد ⑧ طبقات ابن سعد جلد: ۳ ⑨ الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ⑩ اصحاب الرسول ⑪ ابوعبیدۃ عامر ابن الجراح امین الامۃ وفاتح الدیار الشامیۃ (امین الامت) ⑫ صور من حیاۃ الصحابۃ ⑬ فتوح الشام ⑭ سیر الصحابۃ ⑮ اصحابِ رسول اور ان کے کارنامے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الدین کی سالانہ روئیداد

از عبدالعلیم امراوتی (مدیر: الدین)

حضرت نبیٔ کریم نے پیغامِ خداوندی کی تبلیغ و ترویج کے لیے زبان و قلم دونوں کا سہارا لیا ہے؛ نیز حصولِ علم کے ذرائع کی فہرست میں خود قرآن کریم نے قلم کا شمار کرتے ہوئے "علم بالقلم" کہہ کر اس کی اہمیت کو واضح کیا ہے۔ قلم کی ان ہی فضیلتوں کے پیشِ نظر علمائے اسلام نے ہر دور میں اس کو اہمیت دی ہے، مثل مشہور ہے: العلم صید والکتابۃ قید علم تو مثل شکار کے ہے، جسے قلم کے ذریعے قید کیا جاسکتا ہے، اس طرح قلم کی اہمیت زبان و بیان سے یک گونہ بڑھ جاتی ہے۔

زبان و قلم کی اہمیت اور اس میدان میں مہارت پیدا کرنے کی غرض سے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں ایک انجمن بہ نام "شعبۂ تقریر و تحریر" عرصۂ دراز سے اساتذۂ کرام کی زیر نگرانی سرگرم عمل ہے، اسی شعبے کے ماتحت مختلف جداری پرچے منظر عام پر آتے ہیں، ان جداری پرچوں میں "الدین" ایک اہم، فعال اور قدیم جداری پرچہ ہے۔ "الدین" کی مختصر تاریخ کچھ اس طرح ہے کہ: جامعہ ہذا کے بانی: محسنِ قوم وملت حضرت مولانا احمد حسن بھام سملکیؒ نے "الدین" کے نام سے مقامی زبان میں ایک ماہنامہ جاری فرمایا، جس میں جامعہ کے اساتذہ اور دیگر علمائے کرام کے مضامین گجراتی زبان میں شائع کیے جاتے تھے، اور لوگوں

تک دین کی باتیں پہنچائی جاتی تھیں۔ انقلابِ زمانہ کی وجہ سے یہ مفید سلسلہ بند ہو چکا تھا؛ لیکن خدائے حکیم وعلیم نے کچھ اَور ہی طے کر رکھا تھا، چناں چہ حضرت الاستاذ مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری -ادام اللہ فیوضھم علینا- (شیخ الحدیث جامعہ ہذا) نے جداری پرچے کی شکل میں اس کا دوبارہ اجرا فرمایا، اُس وقت سے یہ رسالہ طلبۂ جامعہ کی قلمی کاوشوں کی جولان گاہ بن گیا، اور آج تک پوری آب وتاب کے ساتھ اِس پلیٹ فارم سے مضمون نگاروں اور قلم کاروں کی کھیپ کی کھیپ تیار ہو رہی ہیں۔

امسال بھی اس پرچے نے مشفق اساتذہ کی زیر نگرانی قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں، عربی دوم سے لے کر دورۂ حدیث اور افتا کے طلبہ نے اپنے مضامین کے ذریعے اس کو زینت بخشی ہے، جن سے باذوق طلبہ نے استفادہ کیا اور کئی ایک نے اپنے قلم کو سنوارا اور تحریر کو جلا بخشی، اسی ''الدین'' کے ذریعے ایسے طلبہ بھی تیار ہوئے جن کے مضامین مروّجہ اخبارات ورسائل کی زینت بن چکے ہیں۔

طریقۂ کار کچھ اس طرح رہا کہ: طلبہ اپنے مضامین کچے انداز میں لکھ کر کسی استاذ یا مَشاق طالب علم سے اصلاح لیتے ہیں، پھر اصلاح شدہ مضمون رنگین اور خوب صورت اوراق پر خوش خطی کی رعایت کے ساتھ ''الدین'' کے لیے مخصوص کاتبین سے لکھوا کر یا مضمون نگار خود لکھ کر ذمہ داروں کے حوالے کر دیتے ہیں، پھر ان مضامین کو ترتیب دے کر ایک شمارے کی شکل میں نوٹس بورڈ پر آویزاں کر دیا

جاتا ہے۔

الحمدللہ! طلبہ نے بیش تر مضامین موقع وایام کی مناسبت سے تحریر کیے ہیں، مثلاً ماہِ ذی الحجہ میں سیرت ابراہیم علیہ السلام، قربانی، حج وغیرہ کے عنوان پر مضامین آویزاں کیے گئے، جن سے شائقین نے لطف اٹھایا اور طالبین فیض یاب ہوئے۔ اس سال تقریباً ۶۰ر مضمون نگار طلبہ نے اپنے گراں قدر مضامین پیش کیے ہیں، اور کم وبیش ۱۰ر طلبہ نے کتابت کی خدمت انجام دی ہے۔ مضامین کی تعداد تقریباً ۱۰۰ر رہی، جن کو ۴۰ر شماروں میں تقسیم کرکے منظر عام پر لایا گیا۔ ''الدین'' کے لیے اپنی خدمات پیش کرنے والے تمام طلبہ کی حوصلہ افزائی کے لیے انھیں انعامات سے بھی نوازا گیا، حقیقی منعم تو اللہ عزوجل کی ذات گرامی ہیں، جس کے خزانے ہر قسم کی کمی ونقصان سے پاک ہیں، یقیناً جس میں جتنا اخلاص تھا اس نے اتنا ہی انعام بارگاہِ الٰہی سے حاصل کر بھی لیا ہوگا۔

اِسی مشق وتمرین کا نتیجہ ہے کہ ''الدین'' کے پلیٹ فارم سے ہر سال ایک سال نامہ شائع کیا جاتا ہے، اب تک دو سال نامے منظر عام پر آچکے ہیں، اب یہ تیسرا سال نامہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ خدا کرے کہ یہ ''سال نامہ'' جلد ہی ''ماہنامہ'' کی شکل میں تبدیل ہو اور بانئ مرحوم کے خوابوں کو شرمندۂ تعبیر کرے۔ آمین

ہم ممنون ہیں ذمہ دارانِ شعبۂ تقریر وتحریر کے جنھوں نے ہر قدم پر ہمارا

ساتھ دیا، اوراس کی تیاری میں غیر معمولی دل چسپی دکھائی، اسی طرح اساتذۂ کرام کی بھی احسان مندی ضروری ہے، خصوصاً حضرت الاستاذ مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم کی، جنھوں نے ہماری درخواست پر ''الدین'' کی سرپرستی قبول فرما کر ممنون فرمایا اور اپنی دعاؤں سے ہمارے تنِ مردہ میں جان ڈالتے رہے؛ نیز حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم بھی شکریہ کے مستحق ہیں جنھوں نے ہر مشکل مرحلے میں تعاون فرمایا ہے۔ اسی طرح استاذ محترم حضرت مفتی ابوبکر صاحب مدظلہ کے بھی شکر گزار ہیں، جن کے مشوروں اور رہنمائی وتوجہ سے ''الدین'' اپنی منزلیں طے کرتا رہا۔

اللہ تعالیٰ تمام مضمون نگار، کاتبین، معاونین اور اساتذۂ کرام کو اپنی شایانِ شان بدلہ عطا فرمائے، اور ہماری کوششوں کو بارآور فرمائے۔ خدا کرے کہ ان کوششوں کی بہ دولت کوئی ایک فرد تیار ہو کر امتِ مسلمہ ہی نہیں، اقوامِ عالم کی ہدایت کا ذریعہ بن جائے اور ہمارے لیے سرمایۂ آخرت فراہم ہو جائے۔ آمین